اہلِ سُنّت اور جماعت اہلِ حدیث کے مابین

اِختلافِ منہج و فکر

افادات

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

ترتیب و تحقیق

ابن مالک ایوبی

+91 97208 19131

اہلِ سنت اور جماعت اہلِ حدیث کے مابین

اختلافِ منہج و فکر

افادات

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

ترتیب و تحقیق

ابن مالک ایوبی

+91 97208 19131

نام کتاب : اہلِ سنت اور جماعتِ اہلِ حدیث کے مابین اختلافِ منہج وفکر
افادات : حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
ترتیب وتحقیق: ابن مالک ایوبی
صفحات : ۳۴۴
دوسرا ایڈیشن : ۱۴۴۵ھ = ۲۰۲۴ء
ناشر : دارالمعارف النعمانیہ، دیوبند و بنارس

رابطہ : مصعب نعمانی 9720819131 91+
ای میل : musabnomani@gmail.com

ISBN: 978-93-340-0776-3

ملنے کا پتہ

- مکتبہ نعیمیہ دیوبند
- خانقاہ محمودیہ، مسجد بلال، مالتی باغ، بنارس
- برکات بکڈپو، حیدرآباد
- مکتبہ عثمانیہ راندیر، سورت، گجرات
- ضیاء الکتب، خیرآباد

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ ثانی

پیشِ نظر کتاب جواَب ’’اہلِ سنت اور جماعتِ اہلِ حدیث کے مابین اختلافِ منہج وفکر‘‘ کے نام سے موجودہ شکل میں اشاعت پذیر ہورہی ہے، وہ اب سے دس سال قبل ’’ترکِ تقلید اور اُس کا انجام‘‘ کے نام سے صرف چار بیانات کے مجموعے کے طور پر شائع ہوئی تھی؛ لیکن موجودہ کتاب سابق اشاعت کی صرف طبع ثانی نہیں ہے؛ بلکہ بہ شمول ان چار بیانات کے ایک نئی کتاب بن گئی ہے، جس میں نو بیانات اور تحریریں شامل کردی گئی ہیں، جن کے حسنِ ترتیب اور تہذیب وتحشیہ کا سہرا عزیز مفتی محمد مصعب قاسمی بنارسی کے سر ہے۔

عزیز گرامی نے جس دقتِ نظر اور عرق ریزی کے ساتھ تقریروں کو تحریری پیکر سے قریب تر کرنے اور تمام مضامین کو حوالہ جات سے مزین کرنے کی کوشش کی ہے اُس کا اندازہ قارئین خود کرلیں گے۔

عرضِ مرتّب میں مرتّب نے ان دس خصوصیات کا خود تفصیل سے تذکرہ کردیا ہے جن کی رعایت کتاب کی تیاری کے دَوران پیشِ نظر رہی ہے، اور ان خصوصیات کی بنا پر موجودہ کتاب سابق اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور معلومات افزا بن گئی ہے، اور حوالہ جات کے اہتمام کی وجہ سے کتاب کی معتبریت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

امید ہے کہ جماعتِ اہلِ حدیث کے تعارف کے سلسلہ میں اہلِ ذوق حضرات کو اِس کتاب میں بہت کچھ دستیاب ہوجائے گا۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ
۲۶؍فروری ۲۰۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

(طبعِ اوّل)

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ العالی
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

زیرِنظر کتاب ''ترکِ تقلید اور اس کا انجام'' میری چار تقریروں کا مجموعہ ہے، جو کچھ مخصوص حالات کے نتیجے میں، اپنے مزاج اور افتادِ طبع سے ہٹ کر مجبوراً کی گئی تھیں۔

یہ واقعہ اب سے تقریباً ۸، ۹ رسال پہلے کا ہے،[1] ہوا یوں کہ بنیا باغ بنارس کے میدان میں بنارس کی جماعتِ اہلِ حدیث کی طرف سے ہونے والے ایک اجلاسِ عام میں، مرزاپور کے ایک بدنامِ زمانہ بدزبان غیر مقلد شخص کی انتہائی دل آزار تقریروں کے کیسٹ اور سی ڈیز نیز پمفلٹ فروخت یا تقسیم کیے گئے، پھر شہر کے مختلف مقامات پر ان کیسٹوں اور سی ڈیز کو خوب مشتہر کیا گیا۔

مختصر سے وقفے کے بعد جمعیۃ علمائے بنارس کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی دوروزہ ''سیرت کانفرس'' میں اس حرکت پر اظہارِ ناراضگی کے ساتھ، اس جماعت کا کچھ تعارف بھی پیش کیا گیا اور پھر اگلے روز مدنی منزل کی خصوصی نشست میں بھی اس موضوع

(۱) یہ تحریر ۲۰۱۴ء میں کتاب کے پہلے ایڈیشن کے وقت لکھی گئی ہے۔

پر کچھ اظہارِ خیال ہوا، لیکن اس سے غیر مقلدین کے رویہ میں کوئی مثبت تبدیلی کے بجائے ان کی جارحیت میں اور اضافہ ہوگیا، جس کے نتیجے میں مسجد بلال مالتی باغ وارانسی میں ایک مفصل تقریر ہوئی، اور اس کے ایک ماہ بعد بڑی مسجد مدن پورہ میں بیان ہوا۔ قارئین ان بیانات کو بالترتیب ملاحظہ فرمائیں گے، تو بیان کے ضمن میں صورتِ حال کی وضاحت بھی ہوتی جائے گی۔

چوں کہ اِس وقت غیر مقلدیت کا فتنہ کچھ زیادہ بال و پَر نکال رہا ہے، اس لیے احباب کا اصرار ہوا کہ ان بیانات کو ریکارڈ سے نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔ چناں چہ مولانا کمال اختر صاحب خیر آبادی نے نقل کی خدمت انجام دی اور دیگر کئی احباب نے اس میں تعاون فرمایا۔

اور ایک اہم کام یہ ہوا کہ تقریر کو تحریر کے انداز سے قریب کرنے کے لیے اندازِ بیان میں کچھ تبدیلی ناگزیر تھی، یہ کام جناب مولانا انوار احمد صاحب اعظمی خیر آبادی نے انجام دیا، پھر بھی تقریر کی جھلک تحریر میں کچھ نہ کچھ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات کو شرفِ قبول سے نوازے اور مزید مقبول خدمات کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند الہند
۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتّب

علمائے امت میں اختلافات کا وقوع کوئی نئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ دینیات کے باب میں فکر ونظر کے اختلافات قرنِ اوّل سے چلے آرہے ہیں؛ البتہ اختلافات دو طرح کے ہوتے ہیں:

اول: عقائد ونظریات، فقہ ومسائل اور اصول وقواعد کے وہ اختلافات، جن کی وجہ سے امت کی متفق علیہ اساسیات پر زد نہ پڑتی ہو۔

دوم: وہ اختلافات جن سے اسلام کے مسلمہ اصول زد میں آتے ہوں۔

پہلی قسم کا اختلاف محمود، قابلِ رحمت اور توسع ویسر کا باعث ہے، اور ایسے اختلافات کی وجہ سے اختلاف رکھنے والی ہر جماعت اہلِ حق کی ہی جماعت شمار ہوتی ہے، صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاء ومحدثین اور اشاعرہ وماتریدیہ کا آپسی اختلاف اسی نوعیت کا ہے، ان جماعتوں کے علاوہ فرقِ باطلہ کے اختلافات عموماً دوسری قسم کے ہیں، جن میں سے بیشتر اختلافات اسلام کے کسی مسلمہ اصول کو نظر انداز کرنے کی بنا پر وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

اس دوسری نوعیت کے اختلافی افکار پر مبنی ایک نئے فرقے نے چند صدیوں قبل، ہندوستان میں بعض اندرونی وبیرونی عوامل (جن کی تفصیلات کتاب کے اندر مختلف مقامات پر دلائل کے ساتھ پیش کی گئی ہیں) کی بنا پر سر اُبھارا اور برصغیر کی اہلِ سنت اور سوادِ اعظم حنفی اجتماعیت کو تقسیم کر کے استعماری قوتوں کو مدد فراہم کی۔

اس فرقے کی، اہلِ سنت اور خصوصاً مذہبِ احناف کے متعلق غیر معتدل کوششیں طویل داستان رکھتی ہیں؛ البتہ اس نے آغاز ہی سے، چند فروعی مسائل کو اپنا ارتکازی موضوع بنایا اور اجماعِ امت اور سلفِ صالحین کے متفقہ مسلک ومشرب سے منحرف خیالات وافکار کی سرگرم ترویج کی، اس بنا پر مختلف طبقوں اور اَدوار کے علماء نے تقریر وخطابت اور قلم وقرطاس کے ذریعے ان کے متفرد اور شاذ خیالات کا بہ دلائل رد کیا۔

اسی باب کی ایک اہم خدمت ''اہلِ سنت اور جماعتِ اہلِ حدیث کے مابین اختلافِ منہج وفکر'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو برجستہ تقریروں کی شکل میں آج سے تقریباً دو دہائیاں قبل، شہر بنارس میں فرقۂ غیر مقلدیت کے نمائندوں کی جانب سے برپا کردہ انتشار کے نتیجے میں مجبوراً وقوع پذیر ہوئی تھیں، اور ان تقاریر کو افادۂ عام کے پیشِ نظر کتابی شکل میں محفوظ وشائع کر دیا گیا تھا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن آج سے دس برس قبل ''ترکِ تقلید اور اُس کا انجام'' کے نام سے ۲۰۱۴ء میں منظرِ عام پر آیا تھا، جس کی ترتیب مولانا انوار احمد اعظمی اور مولانا کمال اختر خیر آبادی کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھی، بعد میں غالباً کچھ ایڈیشن اور شائع ہوئے؛ البتہ گذشتہ چند سالوں سے اس کے نسخے ناپید تھے؛ اس لیے نئی اشاعت ناگزیر ہوگئی۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لیے، حالیہ اشاعت مندرجہ ذیل خصوصیات کے ساتھ منظرِ عام پر آرہی ہے:

۱- غیر مقلدیت کے موضوع پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے تا ہنوز جتنے بیانات کیے ہیں یا تحریریں لکھی ہیں، وہ تمام تقاریر اور تحریریں اس ایڈیشن میں شامل کر دی گئی ہیں، اس کتاب کی گزشتہ تمام اشاعتیں فقط ۴ر بیانات پر مشتمل تھیں، حالیہ اشاعت میں ۹ر تقریریں وتحریریں کتاب کا حصہ ہیں، اور مشمولات کے تنوع کی بنیاد پر اِس اشاعت کو ''اہلِ سنت اور جماعتِ اہلِ حدیث کے مابین اختلافِ منہج وفکر'' کا وسیع المفاہیم عنوان دیا گیا ہے۔

۲- بیانات کی زبان کو تحریر اور تحقیقی اسلوب کے قریب تر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس عمل کے دَوران حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ بیانات کے اصل الفاظ باقی رہیں، اور کم سے کم حذف واضافے کی نوبت آئے۔

۳- ہر بیان کے بیشتر یا بعض اہم مشمولات کو سامنے رکھتے ہوئے، اسی کی مناسبت سے مرکزی عنوان لگا دیا گیا ہے۔

۴- بیانات میں مذکور آیات اور احادیث کے مکمل حوالے دیے گئے ہیں۔

۵- بیانات میں کسی کتاب یا شخصیت کے متعلق کوئی بات کہی گئی ہے، تو حاشیہ میں اس کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے؛ البتہ جہاں حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے بذاتِ خود حوالہ بیان کیا ہے، وہاں جدید حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۶- حوالے کے لیے ایسے متداول نسخوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جن تک رسائی آسان ہو، جیسے کسی کتاب کا ایک نسخہ سافٹ کاپی (پی ڈی ایف) میں عام ومروّج ہے اور دوسرا نسخہ ہارڈ کاپی میں ہونے کے باوجود مروج نہیں ہے، تو سافٹ کاپی کے حوالے کو ترجیح دی گئی ہے۔

۷- کتاب میں موجود شخصیات، کتب، مقامات اور دیگر متعینہ یا قابلِ تعارف امور کا حاشیے میں مختصر تعارف نقل کیا گیا ہے۔ شخصیات اور کتب کے تعارف کے متعلق یہ کوشش کی گئی ہے کہ شخصیات کی خودنوشت سوانح یا کسی اور سوانحی یا دستاویزی کتاب کے حوالے کے ساتھ ان کا تعارف نقل کیا جائے، مرتب کے اپنے خیالات اور الفاظ کا اس میں کم سے کم دخل ہو۔

البتہ باحیات شخصیات کے متعلق مرتب کی یہ کوشش کم ہی کامیاب ہوئی ہے، ایسے موقع پر آزاد دائرۃ المعارف اور دیگر برقی پلیٹ فارم کی معلومات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

۸- کتاب میں اکثر مقامات پر ذیلی عناوین پہلے سے قائم تھے؛ البتہ مزید غور کر کے بعض قدیم عناوین میں قدرے ترمیم اور کچھ مقامات پر عناوین کا حذف واضافہ بھی ہوا ہے۔

۹-ہر تقریر وتحریر کا پس منظر، مقام اور متعینہ تاریخ ذکر کی گئی ہے۔
اس حوالے سے مرتب کی معلومات محدود تھیں؛ اس لیے بار بار صاحبِ کتاب حضرت مہتمم صاحب مدظلہم سے مراجعت ومشاورت کی جاتی رہی اور حضرت نے شفقت ومحبت کے ساتھ مکمل رہنمائی فرمائی؛ لہٰذا یہ کتاب اہلِ سنت اور جماعت اہلِ حدیث کے مابین اختلافی مباحث کے علاوہ، حضرت والا کی حیات کے مختلف گوشوں پر مبنی مستند دستاویز بھی ہے۔
۱۰-کتاب میں مذکور تمام کتابوں کے نام مع ناشر اشاریے کی شکل میں، کتاب کے آخر میں درج کر دیے گئے ہیں؛ تاکہ مشمولات کے استناد میں اضافہ اور حوالوں کی مراجعت میں معاونت ہو۔

ان نکات کے علاوہ، مجموعی طور پر کتاب کو ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے؛ چناں چہ جدید طرزِ طباعت کے تحت جاذب نظر سرِ ورق، عمدہ کاغذ اور رنگین طباعت کی بنا پر کتاب کی حالیہ اشاعت بہتر اور منفرد ہو گئی ہے۔

یہاں ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جنہوں نے کتاب کی تصحیح، تہذیب یا تحشیہ میں کسی بھی درجے میں معاونت کی؛ نیز کتاب کے سابق مرتبین استحقاقِ تشکر کے باب میں سرفہرست ہیں کہ ان کی بنیادی خدمت اور اوّلین ترتیب موجودہ اشاعت کے لیے سب سے بڑی معاون ومددگار بنی اور ان کے کام کو مزید اضافوں کے ساتھ جدید پیراہن میں پیش کرنا آسان ہوا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء

اخیر میں قارئین سے گذارش ہے کہ کتاب کے اندر کہیں بھی کوئی خامی نظر آئے، تو براہِ کرم مطلع فرمائیں، ہم آپ کے شکرگذار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ”دار المعارف النعمانیہ“ کی اِس کاوش کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ آمین

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله وكفٰى وسلام علىٰ عباده الذين اصطفٰى أما بعد!

دینِ اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے، جو اللہ رب العزت نے بندوں کے لیے پسند فرما کر اُن پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تبلیغ وتعلیم فرما کر ادائے امانت اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اور اپنے بعد امت کی رہنمائی کے لیے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تیار فرما کر امت کے لیے دین پر عمل کا واضح نہج متعین فرمادیا، جس کا خلاصہ ''ما أنا عليه وأصحابي''[1] کا بلیغ جملہ ہے۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے مطابق دین کی تمام تفصیلات وتعلیمات اور اس کا مجموعی مزاج، بعد کی نسلوں تک منتقل فرمایا، یہ مزاج ومنہاج، جو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں امت کو حاصل ہوا، اس میں قرآن وحدیث کو مصدر وماخذ کی حیثیت حاصل تھی اور اُن پر عمل کے لیے، حدیثِ جبریل کی روشنی میں دین کا خلاصہ تین شعبوں میں کیا گیا:

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب الإيمان، ماجاء في افتراق هٰذه الأمة: ٥/٢٦، رقم: ٢٦٤١، ط: مكتبة البابي الحلبي، مصر، ١٩٧٥ء.

ایک تو عقائد وایمانیات، جو ایک فن کی شکل میں مرتب ہو کر علمِ کلام کے نام سے متعارف ہوا۔

دوسرے اعمال اور فروعی تفصیلات، جن کو فقہ کی شکل میں مدون کیا گیا۔

تیسرے کیفیتِ احسان، جس کے حصول کی تدبیر کو تزکیہ وتصوف کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، اس طرح قرآن وحدیث کو ملا کر یہ کل پانچ امور ہوتے ہیں۔

ان پانچوں امور کے سلسلے میں امت کے طرزِ عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قرآنِ کریم کی تفسیر میں بنیادی طور پر سلف کا اتباع کیا جائے، تفسیر بالرائے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۲) حدیثِ پاک کو قرآنِ کریم کی تفسیر سمجھا جائے اور قرآن وحدیث کے الفاظ سے معانی تک پہنچنے کے لیے اس منہاج کی پیروی کی جائے، جسے امت کے لیے اسلاف نے اصول کے نام سے مدون کر دیا ہے اور صدیوں سے اس کی صحت کا تجربہ ہو رہا ہے۔

(۳) کلام، جس میں توحید وصفات اور بنیادی عقائد کی بحثیں ہیں، ان میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے، متشابہات کے بارے میں سلف کا طرزِ عمل راجح مانتے ہوئے ایسی تاویل کی بھی گنجائش رکھی جائے، جو نصوص سے متعارض نہ ہو۔

(۴) فقہ، قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، جو اجتہاد کی اعلیٰ صلاحیت کے حامل ائمہ کرام کی بے مثال محنت اور رسوخ فی العلم کا آئینہ دار ہے؛ اس لیے اُن کی تقلید کر کے اپنے دین کو محفوظ رکھا جائے۔

(۵) تزکیہ واحسان، قرآن وحدیث کی مطلوب کیفیت ہے، اس کے لیے حسبِ ضرورت تصوف کے طرق سے استفادہ کیا جائے، بشرطے کہ اس میں کوئی چیز بدعت کے قبیل سے نہ ہو۔

یہ ہے دین پر عمل کے معاملے میں امت کا متوارث طرزِ عمل، جس پر چودہ سو سال

سے امت عمل کرتی آرہی ہے۔اب سے ڈیڑھ سو، دوسو سال پہلے تک اس میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف بھی سامنے نہیں آیا تھا؛ لیکن تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ایک گروہ وجود میں آیا، جس نے حدیث پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے امت کے مجموعی مزاج ومنہاج سے انحراف کا اعلان کردیا، یہ گروہ جسے امت نے غیر مقلدین کے نام سے موسوم کیا اور یہ خود اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہے، اپنے روزِ قیام ہی سے امت میں اختلاف وانتشار کا سبب بنا ہوا ہے، اس فرقے کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ فرقہ، مذکورہ بالا پانچوں امور میں امت کے متوارث منہاج ومزاج سے یکسر ہٹا ہوا ہے۔

چناں چہ فقہ وتصوف کے تو یہ سرے سے منکر ہی ہیں، کلام کے بارے میں ان کی فکری جولانیاں عموماً صفاتِ باری کے مسئلے تک محدود ہیں اور ان میں اپنی فکر سے اختلاف رکھنے والوں کو بے تکلف مشرک یا مبتدع قرار دینا اِن کا شیوہ ہے۔حدیث کے ردّ وقبول کے باب میں ان کا طرزِ عمل نہ صرف فقہاء؛ بلکہ محدثینِ سلف سے بھی جداگانہ ہے، قرآنِ کریم کی تفسیر میں ان لوگوں کی خودرائی بھی ان کی کتابوں کے مطالعے سے بآسانی سامنے آجاتی ہے۔مجموعی اعتبار سے یہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ سے منحرف، اجماعِ امت کے مخالف، تفسیر بالرائے کے مرتکب، فروعی مسائل میں شدت پسند، ائمہ وفقہاء اور اولیاء اللہ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے والے اور اپنے علاوہ تمام طبقاتِ امت کو گمراہ، بدعتی یا مشرک سمجھنے والے ہیں۔

اس فرقے کے اس درجے فکری انحراف نے روزِ اول ہی سے علمائے امت کو ان کے بارے میں فکر مند رکھا اور انھوں نے مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں؛ لیکن آج کل یہ فرقہ ازسرِ نو سر ابھار رہا ہے، اس کی سرگرمیوں میں مزید جارحیت اور شدت پیدا ہوئی ہے اور موجودہ ذرائعِ ابلاغ کے نتیجے میں ان کے اثرات، مسلم نوجوانوں پر پہلے سے زیادہ محسوس ہورہے ہیں، اس لیے علمائے امت نے دوبارہ اس جانب توجہ کی ہے اور تقریری وتحریری طور پر قابلِ قدر کام سامنے آرہے ہیں۔

اسی نوع کا ایک مؤقر تقریری مجموعہ اس وقت پیشِ نظر ہے، جو گرامی مرتبت حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے چار بیانات پر مشتمل ہے، حضرت موصوف ہمارے دَور کے اُن باتوفیق علمائے ربانیین میں سے ہیں، جن کو اللہ رب العزت نے رسوخ فی العلم، فطری ذکاوت، اکابر اولیاء اللہ کی صحبت اور تقویٰ وطہارت جیسے اوصاف سے سے حظ وافر عطا کیا ہے، موصوف، دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام پر فائز ہونے سے پہلے جامعہ اسلامیہ بنارس کے شیخ الحدیث تھے اور بنارس واطراف میں دینی خدمت کے مختلف شعبوں میں وہ مرکزی کردار ادا کرتے تھے، بنارس چوں کہ فرقۂ اہلِ حدیث کی سرگرمیوں کا خاص مرکز ہے؛ اس لیے حضرت مفتی صاحب کو اس میدان میں بھی کام کرنا پڑتا تھا، اسی پس منظر میں یہ تقریریں ہوئیں اور یہ کتاب وجود میں آئی۔

کتاب پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اصولی وفروعی دونوں پہلوؤں سے اس فرقے کے زیغ وانحراف کا پردہ چاک کیا گیا ہے، اس میں سنت، اجماع، قیاس اور تقلید جیسے اصولی مباحث پر بھی گفتگو کی گئی اور تراویح، طلاقِ ثلاث وتوسل وغیرہ فروعی مسائل بھی تفصیل سے زیرِ بحث لائے گئے ہیں، مجموعی اعتبار سے یہ کتاب غیر مقلدین کی اصولی اَغلاط، فکری اِنحراف اور ان کی جارحیت وافترا پردازیوں سے واقفیت کا کافی سامان بہم پہنچاتی ہے، جس سے اس موضوع پر صاحبِ تقاریر کی وسعتِ نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور اب تو ان کی دینی خدمات کا میدان وسیع تر ہوگیا ہے، کہ وہ اب دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام پر جلوہ افروز ہیں، جو دینی خدمت کے میدان کا عنوانِ جلی ہے۔

احقر، اِن کلمات کے ساتھ کتاب کی ترتیب واشاعت کا اہتمام کرنے والے حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر استقامت کی توفیق سے بہرہ ور رکھے۔ آمین۔

والحمدُ للہِ أولاً وآخرًا.

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا
تشریعی مقام اور اہلِ سنت کا طریق

اپریل ۲۰۰۵ء میں بنارس کے اندر غیر مقلدین کا عمومی اجلاس ہوا، جس میں بعض غیر مقلد علماء نے اہلِ سنت احناف دیوبند پر مختلف اعتقادی وفقہی اعتراضات کیے، تقریباً دو ہفتے بعد، ۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء کو بہ مقام ''بنیا باغ'' بنارس، جمعیۃ علمائے بنارس کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی علاقے کی مشہورِ زمانہ اور مقبول بین الناس سالانہ دوروزہ ''سیرت کانفرنس'' میں بھی یہ موضوع زیرِ بحث آیا اور حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ علمی خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تشریعی مقام اور اہلِ سنت کا طریق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً. أَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝٣٠ نَحْنُ أَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝٣١ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝٣٢﴾ (١)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ

(١) سورة حٰمٓ السجدة: ٣٠-٣٢

علمائے کرام، بزرگانِ ملت، عزیز بھائیو، دینی ماؤں اور بہنو!
بلاتمہید عرض کرتا ہوں کہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ رسولِ پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انھوں نے یہ درخواست کی:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ.

یارسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے مختصر سی ایسی بات بتادیجیے کہ پھر مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ان کے جواب میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (۱)

”تم آمَنْتُ بِاللّٰهِ کہہ لو (کہ میں اللہ پر ایمان لایا، اور) پھر اس پر جم جاؤ، استقامت اختیار کرو“۔

بہت مختصر سا جملہ ہے؛ لیکن ایک مومن کی پوری زندگی کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے؛ کیوں کہ جب ایمان دل کے اندر اترتا ہے تو پورے تقاضوں کے ساتھ اترتا ہے، اس کے کچھ مطالبے ہوتے ہیں، کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اور ایمان کی تکمیل ان تقاضوں کو پورا کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اِس حدیث میں رسولِ پاک ﷺ نے پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ تم اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرو، اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا صرف یہ مان لینا کہ اللہ کا وجود ہے، یہی کافی ہے؟ نہیں؛ بلکہ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ أَحْكَامِهِ. (۲) یہ ایمانِ مجمل ہے، جو مختصر سے مختصر اور مجمل سے مجمل ایمان ہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا، جیسا کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ہے، اور میں نے اس کے سارے احکام کو قبول کرلیا، یعنی دل سے مان لیا، اور اس پر عمل کرنے کا عہد کیا اور اپنے آپ کو اس کا پابند کیا۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب جامع أوصاف الإسلام، جلد۱، صفحه۶۵، رقم: ۳۸، ط: مكتبة عيسى البابي الحلبي، القاهرة.

(۲) یہ کلمات سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات سے ماخوذ ہیں۔ (جواہر الفقہ: ۱/ ۵۴ ط: زکریا دیوبند)

اور اسی کو اگر تھوڑی تفصیل کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو ایمانِ مفصل کی شکل میں یوں ہے:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.(۱) یہ تمام چیزیں ایمان کے اندر شامل ہیں، اللہ پر ایمان لانا، اس کے سب فرشتوں پر ایمان لانا، اس کی سب کتابوں پر ایمان لانا، اس کے سب رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، تقدیر پر ایمان لانا کہ جو کچھ بھلا یا بُرا ہوتا ہے، سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہے، اس پر ایمان لانا۔ ان میں سے کسی ایک چیز کا انسان اگر انکار کردے تو وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس کے اندر اللہ کے تمام احکام قبول کرنے کا عہد لیا گیا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے، جس کو حدیثِ پاک میں ''ثُمَّ اسْتَقِمْ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

استقامت کی تشریح:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِقَامَةُ أَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، وَلَا تَرُوْغَ رَوَغَانَ الثَّعَالِبِ.(۲)

''استقامت یہ ہے کہ اللہ کے تمام اوامر ونواہی پر قائم رہے اور لومڑیوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگا بھاگا نہ پھرے''۔

یہ ہے استقامت کہ دین کے اوپر آدمی جم جائے اور شریعت کے ہر حکم کو قبول کرے، قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اصولی کتاب ہے، اس میں جو ہدایات دی گئی ہیں، جو احکامات بیان کیے گئے ہیں، ان کی حیثیت ضابطے کی ہے، کلیہ کی ہے، اور

(۱) یہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور حدیثِ جبریل سے ماخوذ ہے۔ (جواہر الفقہ: ۱/ ۵۴)

(۲) تفسیر البغوی ۷/ ۱۷۲، سورۃ حٰمٓ السجدۃ: ۳۰۔ ط: دار طیبۃ، ۱۹۹۷ء۔

سرکارِ دو عالم ﷺ اس کتاب کے شارح اور مبیّن ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل کے ذریعے قرآنِ پاک کی تشریح وتبیین فرمائی ہے، اور قرآن نے ایمان والوں کو یہ حکم دیا:

﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(۱)

"کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو حکم دیں انھیں قبول کرلو اور انھیں اختیار کرلو، اور جن چیزوں سے منع کردیں ان سے رک جاؤ"۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا یہی مطلب سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ حکم دیں وہ اللہ کا حکم ہے، اور جس سے روک دیں وہ درحقیقت اللہ کی منع کی ہوئی چیز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے:

متفق علیہ روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو اُن عورتوں پر، جو اپنے بدن کے اندر گودنا گودواتی ہیں، اور اُن عورتوں پر جو گودتی ہیں، اور اُن عورتوں پر لعنت ہو جو اپنے بالوں کے اندر دوسرے بال جوڑ کر بڑا بناتی ہیں، اور اُن عورتوں پر لعنت ہو جو اپنے دانتوں کے درمیان ریتی کے ذریعہ ریت کر خلا پیدا کرتی ہیں۔ (عرب کے اندر یہ چیزیں عورتوں میں رائج تھیں)۔

اُمِ یعقوب نام کی ایک خاتون تھیں، انھوں نے جب یہ بات سنی تو حاضر ہوئیں، اور کہنے لگیں کہ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم عورتوں کے اوپر لعنت بھیجیں، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَالِيْ لاَأَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ. میں کیوں نہ ان کے اوپر لعنت بھیجوں جن کے اوپر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی، اور جن کے اوپر اللہ کی کتاب میں لعنت بھیجی گئی۔ اُمِ یعقوب نے کہا: لَقَدْ قَرَأْتُ مَابَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، میں نے پورا قرآن پڑھا ہے، مجھے کہیں ان

---

(۱) سورۃ الحشر: ۷۔

عورتوں پر لعنت نہیں ملی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِّيهِ۔ اگر واقعی تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تم کو مل جاتا۔ اس کے بعد فرمایا: أَمَا قَرَأْتِ قَوْلَ اللهِ تَعَالىٰ: کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے: ﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو حکم دیں انہیں اختیار کرو، اور جس چیز سے تمہیں روک دیں اس چیز سے باز آجاؤ"۔ (۱)

آپ دیکھیے! عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں پر لعنت بھیجی ہے، ان کو قرآن کے اندر ملعون قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی بات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ کا حکم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمائیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ہے، وہ شریعت ہے، وہ دین ہے۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعمال، جو معاملات اور جو عبادات اپنی ذاتِ عالی سے خود پیش فرمائے، وہ بھی دین ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو اپنا نمونہ بنا کر، امت کے سامنے پیش کر دیا اور امت کو یہ ہدایت دی کہ تم اُن کی پیروی کرو، اُن کی نقل کرو، اُن لوگوں کی نقل کرنا بھی درحقیقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہے، اور وہ پاک جماعت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے، جن میں سرِ فہرست خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل سنت ہے:

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے اوپر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

---

(۱) صحيح مسلم، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة، جلد۳ صفحة۱٦٧٨، رقم:٢١٢٥.

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.(۱)

''میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور ڈاڑھ کے دانت سے پکڑ لو''۔

غور فرمایئے، کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سنت کو تو سنت کہہ ہی رہے ہیں، خلفائے راشدین کی سنت کو بھی سنت کہہ رہے ہیں، اُن کے عمل کو بھی سنت کہہ رہے ہیں۔ اب کس قدر دیدہ دلیری، بل کہ میں یہ کہتا ہوں کہ کتنی بڑی بدبختی کی بات ہوگی کہ جس جماعت کے عمل کو اللہ کے رسول ﷺ سنت فرما رہے ہوں، اور اپنی سنت کے ساتھ اُس کو جمع فرما کر یوں حکم دے رہے ہوں کہ جس طرح میری سنت کو لازم پکڑو، خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑو، اس جماعت کے کسی عمل کو امت کا کوئی طبقہ بدعت کا عنوان دیدے، کیا اِس سے بڑھ کر ذاتِ عالی ﷺ پر کوئی حملہ ہوسکتا ہے؟

جس طرح توحید اور شرک یہ دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، شرک اور توحید دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ ایک چیز کا اختیار کرنا توحید ہو اور اسی کو اختیار کرنا شرک بھی ہو، یہ ناممکن ہے۔ ویسے ہی ایک چیز سنت بھی ہو اور وہ بدعت بھی، یہ بھی ناممکن ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی چیز کو سنت قرار دیدیں، اس کے بعد اس کو بدعت کہنا یہ مقابلہ ہے رسول اللہ ﷺ سے، اور میں تو کہتا ہوں کہ یہ مقابلہ ہے اللہ جل شانہٗ سے؛ کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾(۲)

کہ رسول تمہیں جو کچھ دیں اس کو اختیار کرو۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤/٢٠٠، رقم: ٤٦٠٧، ط: المكتبة العصرية، بيروت.

(۲) سورۃ الحشر: ۷۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ جب فرماتے ہیں کہ میری سنت کو اختیار کرو اور خلفائے راشدین کی سنت کو بھی اختیار کرو۔ اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں، ہم ان کی سنت کو اختیار نہیں کریں گے؛ کیوں کہ یہ سنت نہیں؛ بلکہ بدعت ہے، تو یہ اللہ کے حکم کو ٹھکرانا ہے، اللہ کے حکم کو پامال کرنا ہے۔

سیرت کانفرنس[1] کا مقصد:

میرے بھائیو! آپ سنجیدگی سے غور کریں، اختلافات کو ہوا دینا ہمارا مزاج نہیں ہے، سیرت کانفرس کا یہ اجلاس گذشتہ دس پندرہ سال سے ہو رہا ہے، علمائے کرام سیرتِ مقدسہ کے عنوان پر خطاب کرتے ہیں، سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، وقت اور حالات کے تقاضے سے اگر کوئی اصلاح طلب بات ضروری ہوتی ہے تو اُس کو خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے، ہم مسلکی تنازعات کو نہیں چھیڑتے، لیکن ایک حد ہوتی ہے ضبط کی۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ ابھی دو ہفتے پہلے ۹، ۱۰/اپریل کو اسی بنیا باغ (۲) میں جمعیۃ الشبان المسلمین کی جانب سے ایک اجلاس ہوا تھا، یقین جانیے کہ ہم کو خوشی ہوتی ہے

(۱) ''سیرت کانفرنس'' جمعیۃ علمائے بنارس کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی، ایک علمی، دعوتی اور اصلاحی کانفرنس ہے، جو گزشتہ تیس (۳۰) سالوں سے بنارس میں منعقد ہو رہی ہے، اس کے آغاز سے ہی سرکردہ علماء واکابرین اِس کا حصہ رہے ہیں، یہ کانفرنس اِسی آب وتاب سے تاہنوز جاری ہے۔

(۲) ''بنیا باغ'' بنارس کے تجارتی علاقے ''نئی سڑک'' اور ''بنیا'' میں واقع مشہور سرکاری میدان کا نام ہے، جو بنارس کی مذہبی وسیاسی اور سماجی وتفریحی پروگراموں کا چشم دید گواہ ہے؛ چناں چہ ایک وقت تھا کہ اس میدان میں ایک طرف علمی واصلاحی جلسے منعقد ہوتے، دوسری طرف ادب وسیاست پر مبنی مشاعرے بھی اس کا حصہ بنتے، ایک طرف یہ عام حالات میں کرکٹ اور فٹ بال جیسے تفریحی کھیلوں کا میدان تھا، تو دوسری طرف بقرعید کے موقعے پر خدا کی راہ میں قربان کیے جانے والے جانوروں کی سب سے بڑی منڈی تھی؛ لیکن اب اس میدان کو پارک میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور گزشتہ دلچسپیاں معدوم ہو چکی ہیں۔

کہ وہ بنیا باغ جو بڑی مدت سے دینی جلسوں سے غیر آباد ہو رہا تھا، بتدریج جلسوں کا مرکزی مقام بنتا جا رہا ہے۔ ایک جلسہ ہم نے شروع کیا، اللہ کی مدد شاملِ حال ہوئی، اب الحمدللہ مسلسل ہو رہا ہے، خدا کرے یہ جلسہ ہوتا رہے اور علمائے کرام کی زبانی دین کا پیغام لوگوں تک پہنچتا رہے۔ اس میں مزید جلسے ہوں، ہم ان کا خیر مقدم کریں گے، مگر اُس وقت بے حد تکلیف ہوئی، جب اِس جلسہ گاہ سے ہندی میں پمفلٹ تقسیم کیے گئے، اور کیسٹ تقسیم کیے گئے اور بیچے گئے، نیز ان کا سلسلہ وہیں تک ختم نہیں ہوا، بل کہ فضا اس کے بعد سے مسلسل مسموم اور مکدر کی جا رہی ہے۔

جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں، جو نہیں جانتے ہیں اُن کو بتلانے کے لیے میں عرض کر دوں کہ یہاں جو پوسٹر بانٹے گئے یا بیچے گئے، اُن میں سے پہلے دو کے عناوین تھے:

"علمائے دیو بند کی حقیقت بھاگ ایک اور بھاگ دو" (یعنی حصہ اول، حصہ دوم)

اور ایک کا نام تھا: "بہشتی زیور یا جہنمی زیور" اِن سے پہلے ایک اور پمفلٹ نکل چکا ہے جو میری نگاہ سے نہیں گزرا، بعض احباب کے پاس ہے اور انھوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کا نام ہے: "فضائلِ اعمال یا بربادیٔ اعمال"۔

کیا یہ حضرات واقف نہیں ہیں کہ بہشتی زیور کون سی کتاب ہے؟ لکھنے والے کون سے بزرگ ہیں؟ اور کس جماعت کے لوگ اس کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں؟ اتنے بھولے تو نہیں ہیں کہ ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ چٹکلہ چھوڑ دینے کے بعد اس کا کوئی ردِّ عمل نہیں ہوگا؟ اور اس پمفلٹ کے اندر کیا ہے؟ فقہ کے مسائل، طہارت کے مسائل، پاکی ناپاکی کے مسائل، ان مسائل کو نقل کیا گیا، اس کے بعد لکھا ہے: لاحول ولاقوۃ إلا باللہ، بڑے گندے مسائل ہیں۔

فقہاء کرام مسائل کی وہ تمام شکلیں، جو کبھی پیش آسکتی ہیں، ان کو اپنی کتاب کے اندر جزئیات کی شکل میں لکھتے ہیں اور ان کا حکم بیان کرتے ہیں، ہمارے یہاں ہی نہیں، تمام ائمہ کے یہاں یہی طریقہ ہے۔

قیاسِ صحیح کا ثبوت زمانۂ رسالت میں:

دین کے اصول چار ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس صحیح۔ جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے مستنبط کیے ہوئے مسائل ہیں اُن کو قیاسِ صحیح کہا جاتا ہے۔ ہم کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارے سارے مسائل براہِ راست کتاب وسنت سے مستنبط ہیں، جو ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرتا ہے؛ اِس لیے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں یہ بات واضح کردی ہے اور اِس کی تصدیق کردی ہے کہ تمام مسائل براہِ راست کتاب وسنت سے مستنبط نہیں ہوسکتے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا حاکم یعنی گورنر بنا کر روانہ فرمایا ہے تو آپ انے پوچھا: بِمَ تَقْضِيْ؟ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ تو انھوں نے فرمایا: بِكِتَابِ اللهِ. سب سے پہلے میں کتاب اللہ میں اُس کا حکم تلاش کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَإِن لَّمْ تَجِدْ اگر تم کو اللہ کی کتاب میں اُس کا حکم نہیں ملا تو کیا کروگے؟ تو انھوں نے فرمایا: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ۔ اللہ کے رسول کی سنت میں اُس کو تلاش کروں گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِن لَّمْ تَجِدْ اگر اللہ کے رسول کی سنت میں تم کو اُس کا حکم نہیں ملا تو پھر کیا کروگے؟ یہ کون کہہ رہا ہے؟ خود رسولِ خدا فداہ روحي وروح أبي وأمي ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرما رہے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی مسئلہ آئے اور اُس کا حکم براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں نہ ملے تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ تو نہیں کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان کتاب وسنت کو چھوڑ کر جارہے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے اندر حکم موجود نہ ہو؛ بل کہ انھوں نے جواب دیا: أَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ وَلا آلُوْ۔ اگر مسئلہ ایسا آگیا جو براہِ راست کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے اور سنتِ رسول اللہ میں اس کا حکم موجود نہیں ہے، تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، پوری محنت کروں گا، اس حکم کو اس کے نظائر پر قیاس کرکے، استنباط کرکے حکم

معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔تو کیا رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے؟ کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیاس کرنا شیطان کا کام ہے؟ نہیں، بل کہ آپ ﷺ نے اُن کے سینے پر ہاتھ مارا، خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضَىٰ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ.(۱)

''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی چیز کی توفیق عطا فرمائی جس سے اس کا رسول خوش ہے''۔

اجماع کا ثبوت:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تین چیزیں لے کر جا رہے ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور قیاسِ صحیح۔ اِس کے بیچ میں ایک اجماعِ امت ہے۔ اجماعِ امت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ.(۲)

''میری امت کبھی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہو سکتی''۔

لٰہذا جس چیز کے اُوپر امت کا معتد بہ حصہ اور خاص طور سے طبقۂ اولیٰ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہو جائیں وہ شریعت کی ایک دلیل ہے، وہ حجت ہے۔ نواب وحید الزماں(۳) خاں

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأي في القضاء، جلد۳ صفحة۳۰۳، رقم: ۳۵۹۲، ط: المكتبة العصرية، بيروت.

(۲) المعجم الكبير للطبراني ۴۴۷/۱۲، مكتبة ابن تيمية، قاهرة. سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة: ۴۶۶/۴، رقم: ۲۱۶۷.

(۳) مولانا نواب وحید الزماں حیدرآبادی مشہور اہلِ حدیث عالم اور مصنّف تھے، ۱۸۵۰ء میں کانپور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں آصف نگر، حیدرآباد میں وفات پائی۔ (چالیس علمائے اہلِ حدیث:۱۰۹)

صاحب اپنی کتاب ''نزل الابرار'' کے اندر لکھتے ہیں کہ اجماعِ امت حجت ہے اور اس کا منکر کافر ہے: وَالْقِيَاسُ وَالْإِجْمَاعُ الْقَطْعِيُّ حُجَّةٌ وَمُنْكِرُهُ كَافِرٌ.[۱]

اسی لیے یہ چار اصول ہمارے یہاں حجت ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاسِ صحیح۔ ائمہ کرام جتنے مسائل لکھتے ہیں وہ سارے کے سارے مسائل یا تو کتاب اللہ سے مستنبط ہوتے ہیں یا سنتِ رسول اللہ سے، اجماع سے وہ فیصلہ آتا ہے یا قیاسِ صحیح کے ذریعے، یعنی نظائر پر قیاس کر کے مسئلے کا استنباط کیا جاتا ہے۔ ہم کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ سارے مسائل براہِ راست کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ میں موجود ہیں؛ اِس لیے کہ یہ منشأِ سالت کی خلاف ورزی ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ سارے مسائل ان کے اندر موجود نہیں ہیں، اور جو مسائل قیاسِ صحیح کے ذریعے بیان کیے جاتے ہیں، وہ درحقیقت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔ قیاس مُظہِر ہوتا ہے یعنی وہ حکم درحقیقت کتاب وسنت کے اندر موجود ہے جس سے اُس کو نکالا گیا ہے۔ میں ایک واضح سی مثال کے ذریعہ آپ کو سمجھاتا ہوں:

حکم کی عمومیت علت کی وجہ سے:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں شراب کی حرمت نازل فرمائی، اور رسول اللہ ﷺ نے اُس کی حرمت کا اعلان فرمایا، جس زمانے میں قرآنِ پاک کی آیت نازل ہوئی ہے، اُس وقت پانچ قسم کی شراب عرب میں پائی جاتی تھی، یوں تو شراب کی ہزاروں قسمیں ہیں، اُن کے نام بھی الگ الگ ہیں، اُن کا بنیادی مادّہ وعنصر بھی الگ الگ ہے اور اُن کے بنانے کا طریقہ بھی الگ ہے؛ لیکن سارے فقہاء اِس بات پر متفق ہیں کہ ہر قسم کی شراب حرام ہے؛ اس لیے کہ شراب کی حرمت کی علت اُس کا نشہ آور ہونا ہے؛

---

(۱) نزل الأبرار من فقه النبي المختار حصّه أوّل: ص۶، ط: سعيد المطابع، بنارس ۱۳۲۸ھ.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ، وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ.(۱)

"(ہر وہ چیز جو نشہ آور ہوگی وہ شراب کے حکم میں ہے، اور شراب حرام ہے) یہ حکم بالکل عام ہے"۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾(۲)

قرآن میں کہیں نہیں ملے گا کہ اپنے ماں باپ کو مت پیٹو، اپنے ماں باپ کو گالی مت بکو۔ قرآن کہتا ہے کہ اُن سے اُف مت کہو۔ یعنی قرآن میں فقط اتنا ہے کہ اُن کی بات پر اپنی زبان سے خفگی کا اظہار نہیں کرنا ہے؛ لیکن ایک معمولی عقل والا بھی جانتا ہے کہ ماں باپ کو کسی بھی طریقے سے اذیت پہنچانا، سخت کلامی کرنا، گالی گلوچ کرنا یا جسمانی اذیت پہنچانا حرام ہے؛ حالاں کہ نہ کتاب اللہ میں اِس کا ذکر ہے اور نہ سنتِ رسول اللہ میں اِس کا ذکر ہے؛ لہٰذا جو حکم کتاب اللہ کے اندر آیا ہے، اُس کی علت کو نکالا جائے گا کہ اُس حکم کی بنیاد کیا ہے، اور جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی، وہاں وہاں وہ حکم پہنچے گا۔

بہشتی زیور تو اردو کی کتاب ہے، جس میں مسائل، فقہ کی کتابوں سے لیے گئے ہیں، اور جتنے مسائل ہیں میں بالیقین کہتا ہوں کہ سب کے دلائل کتبِ فقہ کے اندر موجود ہیں؛ لیکن غیر مقلدین کا ان کو پیش کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ یہ غلط قسم کے گندے مسائل کی کتاب ہے اور فقہاء سے بدظن کرنا ہے۔ آج پوری دنیا کے اندر ائمہ اربعہ کے مقلدین کی تعداد سب سے زیادہ ہے، یہ بات بالکل واشگاف ہوچکی ہے کہ اس جماعت غیر مقلدین کے وجود میں آنے سے پہلے دنیا میں اس نام کی کوئی جماعت نہیں تھی، اور

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام: ۱۵۸۷/۳، رقم: ۲۰۰۳ء.

(۲) سورة بني إسرائيل: ۲٤.

ساری دنیا کے لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کے اوپر متفق تھے، اور آج بھی ہیں؛ لیکن اس جماعت کے وجود کے بعد جو خرافات سامنے آئی ہیں، الامان والحفیظ! ابھی میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت اور ان کے متفقہ فیصلے کو اختیار کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔

غیر مقلدین کے امتیازی مسائل:

ذیل کی سطروں میں جماعتِ اہلِ حدیث کے چند نمایاں اور امتیازی مسائل ذکر کر کے دلائل کی روشنی میں اُن کا جائزہ لیا گیا ہے:

جمعہ کی اذانِ اول کب شروع ہوئی؟

ائمہ اربعہ کا اِس پر اتفاق ہے کہ جس طرح پنج گانہ نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے، نمازِ جمعہ کے لیے بھی ایک اذان ہوگی اور کچھ وقفے کے بعد جب خطیب خطبہ دینے کے لیے منبر پر آئے گا تو اُس وقت دوسری اذان ہوگی، یہ اذان منبر کے قریب دی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منبر کے سامنے دی جاتی تھی، اس وقت پہلی اذان نہیں دی جاتی تھی۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دَور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے پہلی اذان کو جاری فرمایا اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو قبول فرمایا۔(۱) وہ خلیفۂ راشد ہیں، اُن کی سنت کو اختیار کرنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، اور جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اِس پر اتفاق ہوگیا تو یہ اجماعِ امت بن گیا، اجماعِ امت بھی واجب الاتباع ہے، خلیفۂ راشد کا عمل بھی واجب الاتباع ہے، ساری دنیا نے ان کے

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة: ۵۲۷/۲، رقم ۹۱۲، ط: مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور، أعظم جراه ۲۰۱۱ء.

فیصلے کو تسلیم کیا اور اُس وقت سے لے کر آج تک حرمین شریفین سمیت ہر جگہ اس پر عمل ہو رہا ہے۔(۱)

غیر مقلدین کے نزدیک اذانِ اول بدعتِ عثمانی ہے:

لیکن جماعتِ غیر مقلدین کہتی ہے کہ اذانِ اول بدعتِ عثمانی ہے۔(۲) کتنی جسارت کی بات ہے کہ جس چیز کو اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے، خلیفہ راشد کا عمل سنت ہے، اُس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اور اُس کو داڑھ کے دانت سے پکڑلو، اُس کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ بدعت ہے اور اس بنیاد پر اس کو چھوڑ دیا جائے۔

حضور ﷺ تو فرما رہے ہیں کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی سنت ہے اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اذانِ اوّل بدعتِ عثمانی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں متفرق جماعتوں کو اکٹھا کر کے تراویح با جماعت کا نظام قائم کیا، اور بیس رکعت نمازِ تراویح اُسی وقت سے چلی آرہی ہے؛ لیکن غیر مقلدین کے نزدیک بیس رکعت نمازِ تراویح بدعتِ عمری ہے۔(۳)

پوری امت کی گمراہی کا دعویٰ:

ذرا غور کیجیے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی

---

(۱) دَورِ عثمانی سے جمہورِ امت کا جمعہ میں دو اذانوں پر عمل جاری ہے؛ چناں چہ اکثر ائمہ کے نزدیک اذانِ عثمانی یا تو واجب ہے یا سنت......۔ (البحر الرائق شرح الكنز، معه منحة الخالق: ۱۶۸/۲، ارشاد السالك إلى أشرف المسالك في فقه الإمام مالك: ص ۲۷، الشرح الكبير على المقنع لابن أبي عمر: ۱۸۸/۱، حاشية القليوبي: ۱۴۹/۱)

(۲) فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۵-۸۷۔

(۳) سُبل السلام شرح بلوغ المرام، باب صلاة التطوع، فصل تعيين قيام رمضان بعشرين بدعة: ۳۴۵/۲، ط: دارالحديث، القاهرة ۱۹۹۷ء۔

اس جماعت کے وجود میں آنے سے پہلے تک (جو دو سو سال کی مدت سے زیادہ نہیں ہے) ساری دنیا گمراہی کے اوپر متفق تھی، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ.(۱)

''میری امت گمراہی پر کبھی ایسی اکٹھا نہیں ہوسکتی کہ کوئی اس سے الگ نہ ہو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق آیات کا نزول:

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانَ عُمَرَ وَقَلْبِهِ.(۲)

''اللہ نے عمر کی زبان ودل میں حق رکھ دیا ہے''۔

ایک دو نہیں، تین واقعات تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں،(۳) اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں اِس سے زیادہ تعداد(۴) غالباً ۲۰ ر تک شمار کرائی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی رائے پیش کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی حکم آتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ.(۵) اور بعض روایتوں میں ہے: وَافَقَنِيْ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ.(۶) (میرے رب نے تین معاملات میں میری موافقت فرمائی)۔ یعنی میں نے

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب الفتن، رقم: ۲۱۶۷.

(۲) مسند أحمد، مسند عبدالله بن عمر ۵۳/۲، رقم: ۵۱۲۳، سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب في مناقب عمر: ۶۱۷/۵، رقم: ۳۶۸۲.

(۳) چند سطروں کے بعد حوالہ درج ہے۔

(۴) تاريخ الخلفاء ص۱۰۰-۹۹، مطبوعه مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة.

(۵) صحيح البخاري، باب ماجاء في القبلة: ۶۹۱/۱، رقم: ۴۰۲.

(۶) مسند أحمد: ۲۳۳/۱، رقم: ۱۶۰، ط: دارالحديث، القاهرة.

جو رائے دی، اُسی کے موافق اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: جس راستے سے عمر گزر جاتے ہیں اُس راستے سے شیطان راستہ کاٹ کر نکل جاتا ہے۔(۱)

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

لَوْكَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ.(۲)

''اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر ہوتے''۔

کسی اور اور موقع پر آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ہر امت کے اندر ایک محدَّث (دال کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ) ہوتا ہے، (محدَّث اُس کو کہتے ہیں جس کے پاس وحی تو نہیں آتی؛ مگر اللہ کی طرف سے اس کے دل میں بات ڈالی جاتی ہے) اس امت کے اندر اگر کوئی محدث ہے تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

بیس رکعت تراویح کا عمل ان کے حکم سے شروع ہوا، اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق فرمایا ہے، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔ مگر غیر مقلدین کے نزدیک وہ بدعتِ عمری ہے۔(۴)

ایسا بھی نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دباؤ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کی بات

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال رسول الله ﷺ: ''إيهٍ يابن الخطّاب! والذي نفسي بيده، مالقيك الشيطان سالكا فجًّا إلّا سلك فجًّا غير فجّك''. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب التبسّم والضحك: ١٤٧/١٢، رقم:٦٠٨٥)

(۲) سنن الترمذي: ٦١٩/٥، رقم: ٣٦٨٦.

(۳) حدیث یوں ہے: عن أبي هريرة قال، قال رسول الله ﷺ: ''لقد كان فيما قبلكم من الأمم محدثون، فإن يك في أمتي أحد، فإنه عمر''. (صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي: ٤٢٨/٧، رقم: ٣٦٨٩)

(۴) سبل السلام: ٣٤٥/٢.

مان لی ہو؛ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بعض آراء جو لوگوں کے نزدیک نا قابلِ قبول تھیں، اُن کو لوگوں نے رد بھی کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس سے رجوع بھی کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے فیصلے سے رجوع:

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَلَا لَاتُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ؛ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْتَقْوَىٰ عِنْدَ اللهِ، لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ. مَاعَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَكَحَ شَيْئًا مِّنْ نِّسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِّن بَنَاتِهِ عَلَىٰ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَةً.(۱)

''اے لوگو! مہر بہت بڑھ چڑھ کر مت باندھا کرو؛ اگر یہ دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ اس کے سب سے زیادہ حق دار ہوتے، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا نکاح بارہ اوقیہ یعنی چار سواَسّی یا پانچ سو درہم سے زیادہ پر کیا ہو''۔

انھوں نے چاہا کہ مہر کی ایک تحدید کر دی جائے، ایک عورت اٹھی اور اس نے کہا: خطاب کے بیٹے! تمھیں کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے محدود نہیں کیا تم اس کی حد بندی کرو، قرآن تو کہتا ہے: ﴿اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ (۲) اگر تم نے کسی کو سونے کا ڈھیر دیدیا ہے (مہر میں) تو تم اُس میں سے واپس مت لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: عورت ٹھیک کہتی ہے، اور اپنی بات واپس لے لی۔ (۳) یعنی ایک عورت ٹوک دیتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بات واپس لے لیتے ہیں!

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب النكاح: ٤١٤/٣، رقم: ١١١٤.

(۲) سورة النساء:٢٠.

(۳) أخرجه عبدالرزاق في مصنفه، باب غلاء الصداق: ٢٥٤/٦، رقم: ١١٢٦٦، ط: دارالتأصيل، القاهره ١٤٣٧هـ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! میں تمھیں میں کا ایک فرد ہوں، اگر میرا کوئی عمل شریعت کے خلاف نظر آئے تو تم مجھ کو ٹھیک کر دینا۔ تو ایک اعرابی اٹھا اور اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا: عمر! فکر نہ کرو، اگر تم ٹیڑھے چلے تو تلوار کی نوک سے تم کو ٹھیک کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بل نہیں آیا، انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے ہمیں اس امت کے اندر پیدا کیا ہے جس میں ایسے افراد ہیں جو تلوار کی نوک سے عمر کو ٹھیک کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔(۱)

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو کسی دباؤ کے اثر سے قبول نہیں کیا؛ بل کہ اس لیے قبول کیا ہے کہ ان کا فیصلہ برحق تھا، اور اسی بناء پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کیا اور اس پر ان کا اجماع ہو گیا۔

اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق مان لینے کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، اور تمام دنیا اس پر متفق ہو گئی، ائمۂ اربعہ کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف ہے؛ مگر سب اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں۔(۲) حتیٰ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ''من أجاز الطلقات الثلاث'' کا باب قائم کیا ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے تین طلاق پڑ جاتی ہے؛(۳) لیکن غیر مقلدین کا معاملہ سب سے الگ ہے، ''نزل الابرار'' میں غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں:

---

(۱) الزهد والرقائق لابن المبارك: ١/١٧٩، رقم: ٥١٢، ط: إحياء المعارف، ماليگاؤں. (دارالكتب العلمية ١٤١٩هـ)

(۲) قال الصنعاني: الثاني: أنه يقع به الثلاث وإليه ذهب عمر وابن عباس وعائشة ورواية عن علي والفقهاء الأربعة وجمهور السلف والخلف. (سبل السلام شرح بلوغ المرام: ٦/١٦٧، ط: دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع، السعودية ١٤٣٣هـ)

(۳) صحيح البخاري: ١٠/٤٦٢، ط: مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، مظفرفور، أعظم جراه ٢٠١١هـ.

''کہ حنفی بے چارہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے، پھر حلالہ کرنے والوں کو تلاش کرتا پھرتا ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ اہلِ حدیث (غیر مقلد) ہو جائے اور اپنی بیوی سے رجعت کر لے''۔(۱)

میں اپنی جانب سے نہیں کہہ رہا ہوں، نزل الابرار نامی کتاب میں لکھا ہوا ہے اور کتاب بھی دستیاب ہے۔

دین عمل کے ذریعے رائج ہوا ہے:

ایک طرف رسول اللہ ﷺ سنتِ خلفائے راشدین کو سنت قرار دے رہے ہیں، اور دوسری طرف غیر مقلدین اس کو بدعت کہہ کر رد کر رہے ہیں۔ یہ صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے اعتماد کو اٹھانا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی ہو جائیں گے، تو سنت پر عمل کرنے والا اور اسے ماننے والا کون رہے گا؟ اور ہماری شریعت کہاں محفوظ رہے گی؟ غور کیجیے، مسئلہ کہاں تک پہنچ رہا ہے۔

ان کا خاص مشن ہے سلف سے اعتماد کو اٹھانا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اعتماد کو اٹھانا، ان کے کردار کو مسخ کرنا، ان کے اوپر کیچڑ اچھالنا۔ یہ لوگ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بالکل ایسے انداز سے کرتے ہیں، جیسے ہما شما ایک دوسرے کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً: موصوف ابنِ مسعود یہ کہتے ہیں''، ''موصوف عمر یہ کہتے ہیں''۔ آپ کو یقین نہ ہو تو جامعہ سلفیہ سے چھپنے

---

(۱) فقد رأيتُ كثيرا منهم يطلقون نساءهم ثلاثا في حالة الغضب ثم يطلبون المحلل ويزوجونها بشرط التحليل به ويجلبون الإثم على أنفسهم مدة عمرهم بالوقوع في الوطئ الحرام، إذن الأولى أن يصيروا أهل الحديث ويجعلون الطلقات الثلاث واحدة رجعية ويرتجعون، فهٰذا خير لهم في الدنيا والآخرة (نزل الأبرار: ٢/٣٣).

والی کتاب ''ضمیر کا بحران''(۱) اور ''تنویر الآفاق''(۲) خرید کر پڑھ لیجیے، ان شاءاللہ دماغ ''معطر'' ہوجائے گا۔(۳) کیسا گستاخانہ انداز ہے ان کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے کرنے کا، رسول اللہ ﷺ اپنا دین جن کے حوالے کر کے گئے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِئْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ.(۴)

''تم مجھے دیکھ کر عمل کرو، میری پیروی کرو، بعد والے تمھیں دیکھ کر تمھاری نقل کریں گے''۔

آپ ﷺ نے دین عمل کے ذریعے رائج فرمایا؛ چناں چہ ارشاد ہے: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ.(۵) مجھے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو ویسے نماز پڑھو۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ نے نماز پڑھی، صحابہ کو دیکھ کر اُن کے شاگردوں نے نماز پڑھی۔

بظاہر بڑا خوب صورت لفظ ہے کہ ہم براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرتے ہیں، اور درمیان کے سارے واسطے حذف کرتے ہیں؛ لیکن اس کا مطلب یہ ہوا کہ

---

(۱) ''ضمیر کا بحران نامی'' کتاب مولانا محمد رئیس ندوی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کی تالیف ہے، جو انھوں نے احناف کے رَد میں لکھی تھی، یہ کتاب ادارۃ البحوث الاسلامیہ، بنارس سے جنوری ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔

(۲) ''تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق'' مولانا محمد رئیس ندوی کی تالیف ہے، جس میں مولانا مرحوم نے طلاق کے حوالے سے اہلِ حدیث کے موقف اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات پر گفتگو کی ہے، اپریل ۲۰۰۶ء میں صہیب اکیڈمی، شیخوپور (پاکستان) سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

(۳) ''ضمیر کا بحران'' کے صفحہ ۲۰، ۲۱، ۱۴۱، ۱۸۵، ۲۶۸ پر اور ''تنویر الآفاق'' کے صفحہ ۱۶۳ سے ۱۶۶ تک اِس قسم کے نمونے ملتے ہیں۔

مصنفِ کتاب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا خاص طور پر اِس انداز میں تذکرہ کیا ہے، جیسے مصنف کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نعوذ باللہ کوئی دشمنی ہو۔

(۴) صحيح البخاري، باب الرجل يأتمّ بالإمام ويأتمّ الناس بالمأموم: ۲۵۱/۱، رقم: ۶۸۱، ط: دارابن كثير، دمشق ۱۹۹۳ء.

(۵) صحيح البخاري، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة ۲۱۱/۲، رقم: ۲۳۱.

بیچ میں جتنے لوگ تھے سب جاہل تھے، نہ ان کے پاس کتاب اللہ تھی نہ سنتِ رسول اللہ تھی، اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام، محدثین اور ائمۂ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم سب آگئے۔ یہ کتنا بڑا فتنہ ہے، اور اس کا اثر کہاں تک پہنچ رہا ہے۔

غیر مقلدین کے فقہی مسائل:

اب میں گفتگو ختم کرنے سے پہلے آپ کی ضیافتِ طبع کے لیے ''نزل الابرار'' سے چند مسائل آپ کو سنا دیتا ہوں؛ کیوں کہ اس وقت بہشتی زیور اور فقہ احناف کی کتابوں پر کیچڑ اچھالنے کا اچھا خاصا مشغلہ جاری ہے۔ ہمارے محلے کی ایک بہت نامور بیٹھک گاہ (مجلس) ہے، جہاں کیرم اور تاش ہوتا ہے، وہاں ایک ہی وقت میں کیرم بھی چل رہا ہے اور معراج ربانی صاحب کی سی ڈی بھی چل رہی ہے، اُس میں سوائے اکابر دیو بند کے اوپر گالی گلوج بکنے اور مجتہدین کے اوپر کیچڑ اچھالنے کے اور کچھ نہیں ہوتا؛ لہٰذا ذرا اپنے گریبان میں بھی دیکھ لیں کہ اگر فقہ کی کتابوں میں گندگی بھری ہوئی ہے تو ان (غیر مقلدین) کی کتابوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔

کتاب کا تعارف:

کتاب کا نام ہے: ''نزل الابرار من فقہ النبی المختار'' یعنی احناف وشوافع نے جو فقہ کی کتابیں مرتب کی ہیں، ان کے مقابلے میں ایسی فقہ کی ترتیب دی جارہی ہے، جو صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر مبنی ہے، اس میں یہ دعویٰ ہے کہ مقلدین کی فقہ کو چھوڑو، یہ نبی مختار کی فقہ ہے، یعنی سرکار دو عالم کی، جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے مستنبط ہے۔ اس فقہ کے چند مسائل سنیے، کتاب نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی نے لکھی ہے اور اس کو مولانا ابو القاسم سیف بنارسی (1) نے چھاپا ہے، مولانا ابو القاسم شہر بنارس کے محلّہ دارانگر کے رہنے والے تھے، جماعت غیر مقلدین کے چوٹی کے عالم تھے، کتاب مفید المطابع

(1) ولادت: ۱۳۰۷ھ = ۱۸۹۰ء، وفات: ۱۳۶۹ھ = ۱۹۴۹ء۔ (ماہنامہ محدث، مارچ ۱۹۹۵ء)

سے ۱۳۲۸ھ میں چھپی ہے، میرے پاس موجود ہے، اسی میں سے میں نے یہ مسائل منتخب کیے ہیں، کتاب کے اوپر جامعہ سلفیہ(۱) بنارس کی مہر تصدیق ثبت ہے؛ لہٰذا یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ ہم نہیں جانتے، کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ جامعہ سلفیہ سے ''اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات'' نام سے ایک کتاب چھپی ہے، اس کے اندر فہرست بنا کر غیر مقلد علماء کی کتابوں کو ذکر کیا ہے، جن میں ''نزل الابرار من فقہ النبی المختار'' کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے آگے تبصرہ ہے کہ فقہ اہلِ حدیث کی یہ مقبول کتاب ہے، اس پر باقاعدہ ان کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ اور یہ ان کے چوٹی کے عالم ہیں اور یہ ان کی فقہ کی کتاب ہے۔

یہ کتاب عربی زبان میں ہے، میں فقط بعض مسائل کا ترجمہ پیش کرتا ہوں، قارئین سے یہ درخواست، بل کہ ہمارے وہ نوجوان جو اخلاص کے ساتھ کتاب وسنت کا جذبہ لے کر اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے نہیں تھکتے، اُن سے درخواست ہے کہ وہ اپنے علماء سے ذرا معلوم کریں کہ ان مسائل کی دلیل میں قرآنِ پاک کی کون سی آیت ہے؟ یا کون سی حدیث صحیح ہے؟ وہ ان کو سنائیں، ذیل میں کتاب ''نزل الابرار'' میں سے نجاست وطہارت کے باب سے چند مسائل پیشِ خدمت ہیں:

اہلِ حدیث کے نزدیک کتّا پاک ہے:

لکھتے ہیں کہ:

کتّا اور اس کا تھوک محقق علماء کے نزدیک پاک ہے، کتّے کی کھال سے جائے نماز بنائی جاسکتی ہے، اس سے ڈول بنایا جاسکتا ہے، اور کتّا اگر پانی میں گر جائے اور پانی میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو تو پانی خراب نہیں ہوگا، خواہ کتّے کا منہ پانی میں ڈوب جائے، کتّا اگر بدن جھاڑ دے تو اس کے جھاڑنے سے کپڑا خراب نہ ہوگا، نہ اس کے کاٹنے سے کپڑا

(۱) جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس، ہندوستان میں جماعتِ اہلِ حدیث کا مرکزی تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے، اس کی تاسیس ''آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس'' کی تحریک پر ہوئی، سعودی سفیر ''یوسف الفوزان'' نے ۱۹۶۳ء میں اس کی بنیاد رکھی۔

خراب ہوگا، اور اگر بدن کے کسی عضو میں کاٹ لے تو وہ بھی خراب نہیں ہوگا، چاہے اس کا لعاب ہی کیوں نہ بدن کو لگ جائے۔

وَلَاتَفْسُدُ الصَّلَاةُ لِحَامِلِهٖ.

''کتّے کو گود میں لے کر نماز پڑھی جائے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوگی''۔

یہ نزل الابرار حصّہ ۱، ص: ۳۰ کی عبارت ہے۔ غیر مقلدین سے سوال ہے کہ یہ کون سی آیت کا ترجمہ ہے؟ یا بخاری شریف کی کون سی حدیث کا ترجمہ ہے؟

سور کا جھوٹا پاک ہے:

فرماتے ہیں کہ کنویں میں چاہے چھوٹا ہی کنواں کیوں نہ ہو وہ خراب نہیں ہوگا، فاسد نہیں ہوگا، اگر اس میں نجاست گر جائے، یا کوئی جانور اس میں گر جائے، چاہے خون والا جانور ہو یا بغیر خون والا، چاہے وہ پھول جائے، چاہے وہ پھٹ جائے، چاہے اکڑ جائے، بس شرط یہ ہے کہ پانی کا رنگ، بُو، مزہ نہ بدلے۔ (۱)

مزید سنیے، فرماتے ہیں:

وَكَذَا سُؤْرُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ طَاهِرٌ طَهُوْرٌ، وَكَذَا جَمِيْعُ الْآسَارِ غَيْرِ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ فَفِيْهِ قَوْلَانِ وَالْأَصَحُّ الطَّهَارَةُ. (۲)

''وہ تمام جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا جھوٹا پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ اور ایسے ہی تمام جانوروں کا جھوٹا، چاہے وہ کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، سوائے کتّے اور سُوّر کے، ان کے بارے میں دو رائے ہے: صحیح یہ ہے کہ کتّے اور سُوّر کا لعاب بھی پاک ہے، اور ان کا جھوٹا بھی پاک ہے''۔

یہ ہیں وہ صاف ستھرے اور پاکیزہ مسائل جو ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

(۱) نزل الابرار حصّہ ۱، صفحہ ۳۱۔

(۲) حوالۂ سابق۔

سور اور کتے کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے:

اور سنیے فرماتے ہیں کہ جس کھال کو دباغت دیدی جائے، وہ پاک ہے، ہمارے بعض اصحاب نے سؤر اور آدمی کی کھال کو مستثنیٰ کر دیا ہے؛ صحیح یہ ہے کہ مستثنیٰ نہیں ہے، یعنی سؤر کی کھال بھی دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ خنزیر کی کھال اتار کر اس میں دباغت دینا مشکل ہے، اتاری نہیں جا سکتی؛ لیکن اگر اتر جائے اور اس کو دباغت دے دی جائے، تو وہ پاک ہو جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ کتے اور خنزیر کی کھال سے ڈول بنا کر اس سے پانی نکالنا اور مصلیٰ بنا کر اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ اور فرماتے ہیں:

وَاخْتُلِفَ فِي نَجَاسَةِ الْقَيْءِ، وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ لَاأدري عَلىٰ نَجَاسَتِهِ دَلِيْلاً.(۱)

''اور قے کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ قے کی ناپاکی کی کوئی دلیل نہیں ہے''۔

کتے کا جھوٹا پاک، سؤر کا جھوٹا پاک، قے پاک اور شراب بھی پاک ہے:

وَالصَّحِيْحُ أَنَّ الْخَمْرَ لَيْسَ بِنَجِسٍ.(۲)

''اور صحیح قول یہ ہے کہ شراب نجس نہیں ہے''۔

چند چیزوں کے علاوہ ہر چیز پاک ہے:

اور سنیے، فرماتے ہیں:

وَالْمَنِيُّ طَاهِرٌ سَوَاءٌ كَانَ رَطْبًا أَوْ يَابِسًا مُغَلَّظًا أَوْ غَيْرَ مُغَلَّظٍ، وَغَسْلُهُ أَزْكىٰ وَأَوْلىٰ.(۳)

(۱) نزل الابرار: ۱/۴۹۔

(۲) أیضاً۔

(۳) أیضاً۔

آگے کہتے ہیں:

''منی پاک ہے، چاہے تر ہو یا خشک، گاڑھی ہو یا پتلی، سب پاک ہے۔ ہاں صفائی کی خاطر دھو لینا زیادہ اچھا ہے''۔

وَكَذٰلِكَ الدَّمُ غَيْرَ الْحَيْضِ وَكَذٰلِكَ رُطُوْبَةُ الْفَرَجِ، وَكَذٰلِكَ الْخَمْرُ، وَبَوْلُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَمَا لَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الْحَيْوَانَاتِ.(۱)

''حیض کے علاوہ ہر خون پاک ہے، شرم گاہ کے اندر کی رطوبت پاک ہے، اور شراب بھی پاک ہے، جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور جن کا نہیں کھایا جاتا ہے، سب کا پیشاب پاک ہے''۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر کوئی چیز ناپاک بھی ہے یا نہیں؟ تو سنیے فرماتے ہیں:

وَلَانَجِسَ عِنْدَنَا اِلَّا غَائِطَ الْإِنْسَانِ وَبَوْلَهُ وَدَمَ الْحَيْضِ وَبَوْلَ الْخِنْزِيْرِ وَخِرَائَهُ وَالرَّوْثَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَالْحِمَارِ الْإِنْسِيِّ وَالْمَيْتَةَ.(۲)

''ہمارے نزدیک کوئی چیز ناپاک نہیں ہے، سوائے آدمی کے پاخانے اور پیشاب کے، اور حیض کے خون اور خنزیر کے پیشاب، اور اس کے پاخانہ اور گوبر کے، اور خنزیر کے گوشت کے، اور گدھے کے گوشت کے، اور مردار کے گوشت کے کوئی چیز ناپاک نہیں ہے''۔

وَاخْتَلَفُوْا فِيْ لُعَابِ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وَسُؤْرِهِمَا وَالْأَرْجَحُ طَهَارَتُهُ.(۳)

''سور اور کتے کے لعاب اور ان دونوں کے جھوٹے کے بارے میں اختلاف ہے؛ لیکن راجح یہ ہے کہ پاک ہے''۔

---

(۱) نزل الابرار: ۱/۴۹۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) حوالۂ سابق۔

سُوَّر کا جھوٹا بھی پاک اور اس کا لعاب بھی پاک، اور ایسے ہی کتّے کا جھوٹا اور اس کا لعاب بھی پاک۔

وَكَذٰلِكَ فِيْ بَوْلِ الْكَلْبِ وَخِرَائِهِ وَالْحَقُّ أَنَّهُ لَادَلِيْلَ عَلٰى النَّجَاسَةِ.(۱)

''اسی طرح کتّے کے پیشاب اور پاخانے کے بارے میں اختلاف ہے، اور حق یہ ہے کہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے''۔

لہٰذا کتّے کا پیشاب یا پاخانہ بھی ان کی فقہ میں پاک ہے۔ پوچھیے کون سی آیت اور کون سی حدیث سے ان کی پاکی ثابت ہے؟

وَلَوْخَرَجَ شَعِيْرٌ فِيْ بَعْرٍ أَوْرَوْثٍ أَوْ خِثْيٍ يُؤْكَلُ بَعْدَ غَسْلِهِ.(۲)

''گوبر کے اندر اگر کوئی جو نکل آئے تو اس کو دھل کر کھایا جاسکتا ہے، کوئی حرج نہیں ہے، کس قدر لذیذ، طاہر اور مطہر مسئلے ہیں''۔

وَالدَّمُ وَلَوْ كَانَ مَسْفُوْحًا وَالْقَيْحُ وَالصَّدِيْدُ وَالْقَيْءُ لَادَلِيْلَ عَلٰى نَجَاسَتِهَا غَيْرَ دَمِ الْحَيْضِ.(۳)

''بہنے والا خون ہو یا پیپ، مواد اور قے ہو، ان کی نجاست کی کوئی دلیل نہیں ہے، سوائے حیض کے خون کے''۔

صرف حیض کا خون ناپاک ہے، پیپ پاک، مواد پاک، ریم پاک، قے پاک، شراب پاک، کتّے کا پیشاب پاخانہ پاک، سُوَّر کا جھوٹا پاک، منی پاک۔

اور یہ تو بتلا ہی دیا ہے کہ ہمارے نزدیک ناپاک صرف چند چیزیں ہیں: آدمی کا پیشاب پاخانہ اور حیض کا خون، اور سُوَّر کا پیشاب پاخانہ، سُوَّر کا گوشت اور

---

(۱) نزل الابرار: ۱/۵۰۔

(۲) ایضاً: ۱/۵۴۔

(۳) ۱/۵۵۔

گدھے کا گوشت اور مردار، ان کے علاوہ لَانَجِسَ عِنْدَنَا. کوئی چیز دنیا میں ناپاک ہے ہی نہیں۔ (۱)

خوشی کے موقع پر گانا بجانا جائز ہے:

ہمارے یہاں اصلاحِ معاشرہ کے جلسوں میں گانے بجانے کی بڑی مخالفت کی جاتی ہے، حضور ﷺ نے اس کو شیطان کا آلہ قرار دیا ہے اور قیامت کی نشانی فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب گانے بجانے والیاں اور گانے بجانے کے آلات بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ نواب صاحب اپنی کتاب میں نکاح کے باب میں لکھتے ہیں:

وَنُدِبَ إِعْلَانُ النِّكَاحِ وَلَوْبِضَرْبِ الدُّفُوْفِ وَاسْتِعْمَالِ الْمَزَامِيْرِ وَالتَّغَنِّيْ. (۲)

”نکاح کا اعلان کرنا پسندیدہ ہے، دف بجا کر ہو، جو باجے آج کل رائج ہیں ان کے ذریعے ہو، یا گانا گا کر ہو“۔

وَمَنْ حَرَّمَهُ فِي النِّكَاحِ وَالْأَعْيَادِ وَمَرَاسِمِ الْفَرَحِ كَالْخِتَانِ وَغَيْرِهِ فَقَدْ أَخْطَأَ. (۳)

”جو لوگ نکاح، تہوار اور خوشی کے مواقع پر مثلاً ختنہ وغیرہ میں گانے بجانے کو منع کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں“۔

وَالصَّحِيْحُ هُوَأَنْ تُقَاسَ الْمَزَامِيْرُ الْمَرْسُوْمَةُ فِيْ كُلِّ بَلَدٍ عَلَى الدُّفِّ الْوَارِدِ فِي الْحَدِيْثِ. (۴)

---

(۱) نزل الابرار حصہ ۱ صفحہ ۴۹۔

(۲) ایضاً: ۲-۳۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۴) حوالہ سابق۔

''صحیح یہ ہے کہ جس زمانے میں جو گانے بجانے رائج ہوں، ان کو اس دف پر قیاس کرنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا''۔

اور اتنا ہی نہیں:

بَلِ الظَّاهِرُ يَقْتَضِيْ وُجُوْبَ ضَرْبِ الدُّفُوْفِ فِي النِّكَاحِ إِذَا قَدَرَ عَلَيْهِ.(۱)

''بل کہ ظاہر تو یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر دف بجانا واجب ہے، اور جب دف بجانا واجب ہے تو یہ ڈھول اور جتنے باجے ہیں، یہ سب اسی کے حکم میں ہیں''۔

گویا یہ ابھار رہے ہیں کہ خوب ٹھاٹ سے ناچ گانا کراؤ، کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

آگے انھوں نے بہت تفصیل سے ان حضرات کا، جو خوشی وغیرہ کے مواقع پر گانے بجانے سے منع کرتے ہیں، رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ﴾ (۲) میں وہ گانا بجانا مراد ہے، جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہوگا، اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

اور تہوار کے موقع پر، شادی کے موقع پر جو گانا بجانا ہوتا ہے، وہ گمراہ کرنے کے لیے نہیں ہوتا ہے، چوں کہ قرآن نے اس گانے بجانے سے منع کیا ہے، جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہو؛ لہٰذا جو خوشی کا اظہار کرنے کے لیے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فَالَّذِيْ يَمْنَعُ مِنْهُ هُوَ لَمْ يَخُضْ فِيْ مَقَاصِدِ الشَّرْعِ.(۳)

''جو لوگ ان مواقع پر گانے بجانے سے منع کرتے ہیں، وہ مقاصدِ شرع سے ناواقف ہیں اور شریعت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں''۔

---

(۱) نزل الابرار حصّہ ۲ صفحہ ۳۔

(۱) سورة لقمان:٦.

(۱) نزل الابرار ۲/ ۳، ۴۔

یہ گھس کر مقاصدِ شریعت کے اندر تک چلے گئے ہیں، اس لیے کہ یہ براہِ راست بغیر واسطے کے احکامِ شرع کا استنباط کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کے مسائلِ فقہ حوالہ کے ساتھ بیان کر دیے گئے، اب ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے کہ آپ قرآن کی اُن آیات واحادیث کو پیش کیجیے، جن سے یہ مسائل بیان کیے گئے ہیں، وہ کون سی آیات واحادیث ہیں؟ یہ نہ کہیے گا کہ فقہ کی فلاں کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے، یہ تو مقلدین کے لیے رہنے دیجیے، احناف کے لیے چھوڑ دیجیے، ہمارے یہاں مسائل کے ساتھ دلائل بھی لکھے ہوئے ہیں، اور ہمارا یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ سارے مسائل براہِ راست قرآن وحدیث سے لیے گئے ہیں۔ یہ دعویٰ آپ کا ہے؛ لہٰذا آپ سے دلیل کا مطالبہ ہے۔ اِس وقت اسی پر بات ختم کرتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

فہمِ صحابہ وسلف پر اعتماد اور تقلید کی ضرورت

۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء کی ''سیرت کانفرنس'' کے اگلے روز یعنی ۲۶/اپریل کو حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی (سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند) کے خصوصی بیان کے لیے مدنی منزل، ریوڑی تالاب، بنارس میں ایک خصوصی نشست منعقد ہوئی، جس میں حضرت والا دامت برکاتہم نے گزشتہ خطاب کے تسلسل کے طور پر یہ خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہمِ صحابہ وسلف پر اعتماد اور تقلید کی ضرورت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.
أَمَّا بَعْدُ:

ہمارے اس سالانہ پروگرام ''سیرت کانفرس'' کا جب سے آغاز ہوا ہے، اسی وقت سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ پروگرام کے دوسرے دن بعد نمازِ ظہر اس جگہ یعنی مدنی منزل ریوڑی تالاب میں ایک خصوصی نشست ہوتی ہے، جس میں ہم سب کے سرپرست اور اس اجلاس کے بانی حضرت امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی (۱) کا خصوصی خطاب ہوتا ہے، ہر اجلاس کے موقع پر اس نشست کے لیے حالات کی مناسبت سے کسی عنوان کا انتخاب عمل میں آتا ہے، کبھی پہلے سے اس عنوان کا اعلان کردیا جاتا ہے اور کبھی اعلان نہیں ہوتا۔ سالِ گذشتہ حضرت والا اپنی علالتِ طبع کی وجہ سے یہاں تشریف نہ لاسکے، لیکن اس کمی کو محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ (۲) کی

(۱) مولانا سیّد محمد اسعد مدنی، شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے بڑے فرزند اور جمعیۃ علماءِ ہند کے صدر تھے، اپریل ۱۹۲۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور طویل علالت کے بعد ۶ر فروری ۲۰۰۶ء میں آپ نے وفات پائی۔ (تذکرہ فدائے ملّت: ۲۴۰)

(۲) حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری عظیم محدث، ممتاز فقیہ، باکمال مصنّف اور بے مثال مدرس تھے، آپ نے نصف صدی سے زائد عرصے تک علومِ اسلامیہ کے شارح اور مشربِ دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کی، آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ =

موجودگی نے پورا کر دیا، اور ماشاء اللہ بہت ہی علمی خطاب پچھلے سال دوپہر کی نشست میں آپ حضرات نے سماعت فرمایا۔

اس سال بھی حضرت امیر الہند دامت برکاتہم کی طبیعت ناساز چل رہی ہے، اور توقع نہیں تھی کہ حضرت اس سیرت کانفرس میں شرکت فرماسکیں گے، مگر یہ ان کے عزم وحوصلہ اور قوت ارادی کی برکت ہے اور اللہ کی طرف سے امداد اور نصرت غیبی ہے کہ اس علالت، پیرانہ سالی اور اعذار کے باوجود حضرت نے سفر کی ہمت کی، اور یہاں تک تشریف لے آئے۔ تقریباً تین بجے حضرت یہاں پہنچے ہیں، ظہر کی نماز پڑھی ہے، تھوڑی دیر آرام فرمائیں گے، حضرت سے چار بجے یہاں آنے کی درخواست کی گئی ہے، ابھی ساڑھے تین بج رہے ہیں، کم ازکم اتنی دیر آرام کرنا ضروری ہے۔ اس وقت تک میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آج آپ کے سامنے جس عنوان پر گفتگو ہوگی اس کا ایک ہلکا سا اندازہ گذشتہ شب بنیاباغ کے پہلے اجلاس میں ہونے والے بیان سے ہو چکا ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے ایک نومولود فرقہ ''غیر مقلدین'' نے جو بزعم خود اہلِ حدیث اور عامل بالحدیث ہیں، انھوں نے بے حد شر اور فتنہ پھیلا رکھا ہے۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ اسلاف سے اس امت کو، اور خصوصاً اس کے نوجوان طبقہ کو کاٹ دینا اور ان کے رشتے کو ختم کر دینا ہے، جو بالآخر دین سے اور اسلام سے دوری کا سبب بنتا ہے۔

گمراہی کا پہلا قدم ترکِ تقلید:

اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف مولانا محمد حسین بٹالوی [1] نے کیا ہے جو ان

= مطابق ۱۹۴۰ء کو ہوئی اور ۲۵ رمضان ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء کو آپ راہئ ملکِ بقا ہوئے۔ (ماہنامہ دارالعلوم، اگست-ستمبر ۲۰۲۰ء، صفحہ ۱۹)

(۱) مولانا محمد حسین بٹالوی معروف اہلِ حدیث عالم تھے، آپ ۱۷ محرم ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۸۴۱ء بٹالہ ضلع گورداس پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے اور ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۸ھ کو بٹالہ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ۸/۵۸-۱۳۵۹-۱۳۵۸، ط: دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء)

کے ائمہ میں ایک امام شمار ہوتے ہیں، انھوں نے ’’اشاعۃ السنۃ‘‘ میں لکھا ہے کہ:

’’پچیس سال کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ دین سے دوری اور دین کو خیر باد کہہ دینے کے بہت سے اسباب ہیں؛ لیکن اس میں جتنا مؤثر سبب لاعلمی کے ساتھ یہ مطلق العنانی اور ترکِ تقلید ہے، اتنا زیادہ مؤثر کوئی اور سبب نہیں ہے‘‘۔(۱)

اس وقت عبارت نہیں پڑھ رہا ہوں اس کا مفہوم بیان کر رہا ہوں، حوالے کے ساتھ کتابوں میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے، اور حالات بھی شاہد ہیں، کہ ہندوستان کے اندر جتنی باطل جماعتیں پیدا ہوئی ہیں، قادیانیت سمیت، اس کے بڑے بڑے حضرات پہلے غیر مقلد ہوئے ہیں، تقلید کا قلادہ اپنی گردن سے اتارا ہے، اس کے بعد وہ اپنی اس منزل کو پہنچے ہیں، جو ان کی آخری منزل تھی۔ (مولوی چراغ علی،(۲) مولوی سلامت اللہ(۳) جیراج پوری، حافظ اسلم جیراج پوری، عبداللہ(۴) چکڑالوی، غلام احمد پرویز(۵) اور مولوی عبدالحق بنارسی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کیجیے، تو حقیقتِ حال واضح ہو کر سامنے آجائے گی) ہم اپنی

---

(۱) اشاعۃ السنۃ، رسالہ ’’اتباعِ سلف کی رد وتکذیب‘‘ جلد ۲۳، صفحہ ۱۵۴، بابت ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء۔

(۲) نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ریاستِ حیدرآباد کے ملازم تھے، سرسیّد کے فکری خوشہ چیں اور مائل بہ انکارِ حدیث تھے، ۱۸۴۴ء میں میرٹھ کے اندر پیدا ہوئے اور ۱۸۹۵ء میں بہ مقام حیدرآباد وفات پائی۔

(۳) مولوی سلامت اللہ جیراج پوری اہلِ حدیث عالم اور مناظر تھے، جیراج پور اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵/جون ۱۹۰۴ء کو بھوپال میں وفات پائی۔ (تراجم علمائے حدیث ہند: ص ۳۸۸)

(۴) قاضی غلام نبی عُرف عبداللہ چکڑالوی اوّلین منکرینِ حدیث میں سے تھے، چکڑالہ ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے اور عوامی سنگ ساری کے نتیجے میں چکڑالہ میں ہی وفات پائی۔

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا: ص ۱۷۳)

(۵) غلام احمد پرویز مشہور منکرِ حدیث اور رسالہ ’’طلوعِ اسلام‘‘ کے مدیر تھے، ۹/جولائی ۱۹۰۳ء کو بٹالہ ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے اور ۲۴/فروری ۱۹۸۵ء کو لاہور میں وفات پائی۔

خوش فہمی کی بناء پر یا اپنی خدمات کے اندر جو مشغول ہیں اس کو کافی سمجھتے ہوئے اس فتنے کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اب یہ فتنہ کتنی تیزی کے ساتھ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رہا ہے اور اس کا اثر کہاں تک پہنچ رہا ہے۔ نوجوان طبقہ جو دین سے ذرا قریب آتا ہے ان کے اندر دین کی طلب پیدا ہوتی ہے، نمازوں کا شوق پیدا ہوتا ہے، اس کے سر پر یہ ہاتھ رکھتے ہیں، اور جو بے نمازی ہیں ان کو نمازی بنانے کی کوئی فکر ان کو نہیں ہوتی۔ اگر کوئی نماز پڑھنے لگا تو اس کے پیچھے ضرور پڑیں گے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، لہٰذا تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اب وہ بے چارہ مسائل سے واقف نہیں، دین کا اس کو علم نہیں، علمی باریکیوں کو سمجھتا نہیں، ظاہر بات ہے کہ وہ نماز اس لیے پڑھ رہا ہے؛ تاکہ اس کی نماز اللہ کے یہاں قبول ہو جائے۔ جب اس کو بار بار یہ سمجھایا جائے گا کہ تمہاری نماز نہیں ہوگی تو یقیناً اس کے اوپر اثر پڑے گا، اور اس طریقے سے مختلف مادی اور دنیاوی منافع سامنے رکھتے ہیں اور ان کے ذریعے تشکیل کر کے لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنساتے ہیں۔

حرام کاری کی ترغیب:

تین طلاق کا مسئلہ غیر مقلد بنانے کا مستقل ایک ذریعہ ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ نواب وحید الزماں صاحب نے ''نزل الابرار'' میں لکھا ہے کہ:

> ''تین طلاق دینے کے بعد لوگ حلالے کے لیے افراد تلاش کرتے پھرتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ وہ لوگ اہلِ حدیث ہو جائیں اور اپنی بیوی سے رجوع کر لیں''۔ (۱)

گویا کہ ہمیشہ کے لیے حرام کاری کا ایک راستہ کھول رہے ہیں، وہ مسئلہ کہ جس میں رسول اللہ کے زمانے سے لے کر اس نو مولود فرقہ کے وجود میں آنے تک تمام دنیا کے فقہی مذاہب، تمام مسالک، تمام ائمہ، تمام محدثین، تمام مجتہدین سب متفق رہے ہیں، (۲) جس تین طلاق کو سب نے واقع قرار دیا، عورت کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا، یہ امت کو اس

(۱) نزل الابرار، کتاب النکاح: ۲/ ۳۳۔

(۲) سبل السلام للصنعانی ۶/ ۱۶۷۔

راستے سے کاٹ رہے ہیں، اور اس کی رشوت دے رہے ہیں کہ تم غیر مقلد بن جاؤ، اور رجعت کرلو، مطلقہ بیوی جو حرام ہوچکی ہے، وہ تمہارے لیے حلال ہوجائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو حلال نہیں ہوگی؛ البتہ ایک غلط فہمی سے دھوکہ سے زندگی بھر کے لیے حرام کاری کا راستہ کھل جائے گا۔

ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں یہ بخاری شریف کا بار بار حوالہ دیتے ہیں؛ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب من أجاز الطلقات الثلاث'' کا باب قائم کیا ہے، (۱) جس میں انھوں نے ثابت کیا ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہے۔ یہاں امام بخاری نظر نہیں آتے۔ حیرت کی بات ہے کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہم جتنے محدثین اور صحاحِ ستہ کے مصنّفین ہیں، سب متفق ہیں، ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم متفق ہیں، تمام ائمۂ حدیث متفق ہیں، امت کا اس پر اتفاق ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسئلہ فیصل ہوچکا ہے، قطعی ہوچکا ہے۔ اس اجماعی مسئلے کے مقابلے میں ڈیڑھ دو سو سال پہلے یہ ایک نیا مسئلہ نکالا گیا کہ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تین طلاق دینے کے بعد وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا، تو بیوی ہمارے لیے حلال ہوگئی، حالاں کہ ایسا نہیں۔ یہ فتنہ ہمیں کہاں تک پہنچائے گا؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا!

اجماعِ صحابہ:

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس جماعت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین کی امانت حوالے کر کے دنیا سے تشریف لے گئے تھے، جن پر آپ نے اپنے اعتماد کا اظہار

---

(۱) صحيح البخاري ۶۴۲/۱۰، ط: مركز الشيخ الندوي، مظفرفور، أعظم جراه، ۲۰۱۱ء.

فرمایا تھا، جن کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.(۱) جو یہاں موجود ہیں اور اس دین کو مجھ سے حاصل کر چکے ہیں وہ دوسروں تک اسے پہنچائیں۔ اس جماعت کی اکثریت اِس مسئلے میں متفق ہے۔(۲)

تواترِ عملی:

دین پہنچانے کا صرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی روایات کو نقل کر دیا جائے؛ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عمل کے ذریعے، اپنے قول کے ذریعے، اپنے اخلاق کے ذریعہ، اپنے معاملات کے ذریعے، اپنے کردار کے ذریعے، اپنی وضع قطع کے ذریعے، اپنے رہن سہن کے ذریعے دین کو پہنچایا۔ وہ سراپا دین کی تبلیغ بن کر لوگوں کے سامنے آئے، اور ایک ایک فرد پورے پورے علاقے کے لیے رہبر اور ہادی بنا، اس کے وجود سے وہاں اسلام کا ڈنکا بجا۔ حضور ﷺ نے ان پر اعتماد فرمایا، ان کے بعد والوں نے اپنے ماقبل والوں پر اعتماد فرمایا، حضور ﷺ نے فرمایا:

اِئْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَن بَعْدَكُمْ.

''تم میری رہبری میں رہو، تمہارے بعد والے تمہاری رہبری میں رہیں گے''۔(۳)

اور یہی طریقۂ تعامل چلا آ رہا ہے، جس کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے۔

تواترِ عملی کا ثبوت:

احادیث کی تمام کتابوں کو کھنگال ڈالیے اور تلاش کر لیجیے، اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک، نماز کا مکمل طریقہ کسی ایک حدیث میں آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ ہم

(۱) صحيح البخاري، باب حجة الوداع، ۸/۵۸۰، رقم: ٤٤٠٦.

(۲) الدرر السنية في الأجوبة النجدية: ۷/۲۸۲، الطبعة السادسة ۱۹۹۶ء.

(۳) صحيح البخاري، ۱/۲۵۱، رقم: ٦٨١، ط: دار ابن كثير، دمشق، ۱۹۹۳ء.

کو کیسے ملا؟ کیسے ہم تک پہنچا؟ اسی تعامل سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ.

''جیسے تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو''۔ (١)

حضور کو دیکھ کر صحابہ نے نماز پڑھی، صحابہ کو دیکھ کر ان کے بعد والوں نے، اور ان کے بعد والوں نے ان سے سیکھا، اسی طریقے سے تعامل چلا آرہا ہے، اور یہ تواترِ عملی حجت بن گیا، قطعی دلیل بن گیا۔

یہی مسئلہ نماز کی تمام تفصیلات کے اندر ہے، کوئی نماز سری ہے کوئی جہری، اسی طرح رکعتوں کی تعداد کا مسئلہ ہے، رکعتوں کی تعداد کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے، اور فرض کے ثبوت کے لیے یا تو قرآنِ پاک کی آیت ہونی چاہیے یا حدیث متواتر ہونی چاہیے، (٢) ظاہر سی بات ہے کہ جتنی حدیثیں اس سلسلے میں ہیں، ان کی حیثیت خبر واحد سے زیادہ نہیں ہے، اور خبر واحد ظنی الثبوت ہوتی ہیں، (٣) اس سے نہ وجوب کا اثبات ہوتا ہے، نہ فرضیت کا اثبات ہوتا ہے۔ نمازوں کا جہری اور سری ہونا اور رکعتوں کی تعداد وغیرہ کی فرضیت کیسے ثابت ہوئی؟ ظاہر بات ہے کہ اس کا ذریعہ وہی ہے کہ عمل سے یہ چیز چلی آرہی ہے، جن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ نے یہ امانت سپرد فرمائی، انھوں نے پوری امانت ودیانت سے اس امانت کو امت تک پہنچایا، پوری امت پر ان کا احسان ہے کہ ان کی قربانیوں سے، ان کے اخلاص سے، ان کی جد وجہد سے یہ دین ہم

---

(١) صحيح البخاري ٢/٢١١، رقم ٢٣١.

(٢) موسوعة القواعد الفقهية، لأبي الحارث الغزي: ٦/٢٣٥، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، ٢٠٠٣.

النهاية في شرح الهداية للسغناقي الحنفي٨/٧، ط: مركز الدراسات الإسلامية، جامعة أم القرىٰ، مكة المكرمة، ١٤٣٨هـ.

(٣) الموسوعة الفقهية الكويتية: ١٤/١١١، دارالسلاسل، الكويت.

تک پہنچا، اب ان ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رشتہ کاٹا جارہا ہے، برملا یہ کہا جارہا ہے کہ:

''فہمِ صحابہ حجت نیست، فہم عائشہ حجت نیست'' (۱)

ان کا فہم حجت نہیں ہے تو کیا تمہارا (غیر مقلدین کا) فہم حجت ہے؟ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے، آپ کے قول وفعل کو دیکھا ہے، طویل زندگی گذاری ہے، آپ کی منشا کو سمجھا ہے۔

مسجد میں عورتوں کی آمد:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آج عورتوں نے جو کچھ ایجاد کرلیا ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اس کو دیکھا ہوتا، لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ تو خود آپ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیتے''۔ (۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو سمجھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منشا نبوت کو سمجھنے والی تھیں، نبوت کی مزاج شناس تھیں، وہ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے تغیرات کو دیکھا ہوتا تو خود منع فرمادیا ہوتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تیور کو دیکھا کہ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جن حالات کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا، ہر آگے آنے والا زمانہ پہلے والے زمانے کے مقابلے میں فتنوں سے زیادہ بھرا ہوا ہے، انھوں نے فرمادیا کہ اب عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن یہ طبقہ کہتا ہے کہ:

(۱) علماءِ اہلِ حدیث کی مختلف کتابوں اور فتاویٰ میں اِس قسم کے جملے ملتے ہیں، مثال کے طور پر دیکھیے:

۱- فتاویٰ نذیریہ ۱/ ۳۴۰، مطبوعہ اہلِ حدیث اکادمی، لاہور ۱۹۷۱ء۔

۲- العرف الجادي من جنان هدي الهادي ص ۴۱-۵۸.

(۲) موطأ مالك: ۲/ ۲۷۷، رقم: ۲۱۸، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان، أبوظبي ۲۰۰۴ء.

''یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی رائے ہے، ان کا اپنا فہم ہے، اور ان کا فہم ہمارے لیے حجت نہیں ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی فیصلہ کرتے ہیں، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے اتفاق کرتے ہیں، اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان کی رائے ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوئی عمل کرتے ہیں، تمام صحابۂ کرام اس سے اتفاق کرتے ہیں، اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان کا عمل ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل حجت نہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمل حجت نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل حجت نہیں، تو پھر کس کا عمل حجت ہے؟

جمعِ قرآن کا مسئلہ:

یہ قرآنِ پاک ہم تک کیسے پہنچا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کسی ایک جگہ، کسی ایک صحیفہ میں جمع فرمایا تھا؟ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب قرآنِ پاک کی کوئی آیت نازل ہوتی، تو آپ کسی کاتبِ وحی کو بلاتے، عموماً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو، کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو، کبھی کسی اور کو، اور ہدایت دیتے کہ یہ آیت فلاں سورہ میں فلاں آیت سے پہلے یا اس کے بعد لکھ لی جائے، اور حسبِ ہدایت لکھ لی جاتی تھی۔ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن کے نوشتے موجود تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن جو مختلف جگہوں پر ہے، ان کو اکٹھا کیا جائے، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو میں کیسے کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں، اسی میں بہتری ہے، اس کو آپ قبول فرمالیجیے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو شرحِ صدر عطا فرمایا، وہ مطمئن ہوگئے۔ پھر انھوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، اور فرمایا کہ قرآنِ پاک کو جمع کرو، اور

اس کو اکٹھا کرو، انھوں نے بھی یہی اشکال کیا کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ صحیح ہے، یہ بہتر ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو بھی کھول دیا، چناں چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا مجھ کو حکم دیا جاتا، تو اتنا بھاری نہ ہوتا، جتنا یہ عمل میرے لیے بھاری تھا۔ لیکن اللہ کے بھروسے پر جمعِ قرآن کا کام شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔(۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بغیر قرآن کا تصور:

یہ کام کس نے کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ کام مکمل کرایا، اگر درمیان سے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو نکال دیا جائے تو لاؤ قرآن تمھارے پاس کہاں ہے؟ کون سے قرآن میں تم تلاوت کرتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا قرآن کہاں ہے؟ لاؤ، ہمیں دکھلاؤ، کون سے صحیفہ میں لکھا ہوا ہے، اور اگر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درمیان سے نکال دیا جائے، تو پھر تمھارے پاس کیا سند ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا قرآن یہ ہے؟

جمعِ قرآن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار:

قرآنِ کریم کا جو نسخہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا تھا، وہ ان کی حیات تک ان کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا،(۲) جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ہیں، امت کی ماں ہیں، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہیں، جب عجم کے ممالک فتح ہوئے اور مختلف قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں، اختلافِ قرأت کی

(۱) سنن الترمذي، باب: ومن سورة التوبة:۵/۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳.
(۲) صحيح البخاري، باب جمع القرآن ۱۰/۲۶۱، رقم: ۴۹۸۶.

بناء پر انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا، تو بعض صحابہ نے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ رائے دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قرأت کا جو اختلاف ہے، ایک آیت کو کوئی طرح سے پڑھا جاتا ہے، ایک لفظ کو کوئی طرح پڑھا جاتا ہے، اس کی وجہ سے قرآنِ پاک کی تلاوت میں انتشار پیدا ہو جائے، تو قرآن کی جو اصل لغت ہے: لغتِ قریش، اس میں قرآن کو جمع کرا دیجیے۔

چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ مصحف منگوایا اور اس کے سات یا پانچ نسخے تیار کروائے،[1] اور جن جن ممالک تک اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی اس کے صدر مقام پر ایک ایک نسخہ بھیجا اور فرمایا کہ اسی ترتیب کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے، اور باقی جس کے پاس اپنے طور سے جو جو اجزاء جس ترتیب سے لکھے ہوئے رکھے ہیں، ان کو ختم کر دیا جائے۔[2] امت نے اس پر اتفاق کر لیا، آج ساری دنیا مانتی ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے، وہ وہی قرآن ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں تیار کرایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾[3] میں حفاظتِ قرآن کا جو وعدہ فرمایا، اس پر عمل اس طریقے سے ہوا ہے۔ یہ کون ہیں؟ یہ وہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی اذان کو غیر مقلدین بدعتِ عثمانی کہتے ہیں۔[4] یہ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی تراویح کو غیر مقلدین بدعتِ عمری کہتے ہیں۔[5] اگر یہ بدعت ہے تو قرآن کا جمع کرنا کہاں سے سنت ہے؟

(۱) إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ٧/٤٤٩، ط: المكتبة الكبرىٰ الأميرية، مصر ١٣٢٣هـ.
(۲) صحيح البخاري، باب جمع القرآن: ١٠/٢٦٢-٢٦٥، رقم: ٤٩٨٧.
(۳) سورة الحجر: ٩.
(۴) فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۵-۸۷۔
(۵) سُبل السلام شرح بلوغ المرام، باب صلاة التطوع، فصل تعيين قيام رمضان بعشرين بدعة: ٢/٣٤٥، ط: دارالحديث، القاهرة ١٩٩٧ء.

اور کس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کروایا تھا؟ کیا یہ معمولی بات ہے؟ یہ آمین اور رفع یدین کا اختلاف نہیں ہے، آمین اور رفع یدین کا اختلاف تو شوافع کے ساتھ بھی ہے۔ہم ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر رفع یدین فلاں فلاں مقام پر کیا جائے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آمین جہر کے ساتھ کہی جائے گی؛ لیکن جمعِ قرآن کا مسئلہ اتنا معمولی نہیں ہے، غیر مقلدین حضرات کو بتانا چاہیے کہ وہ کیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتنے اہم اقدام کو خاموشی سے ہضم کر لیتے ہیں، جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عام، فروعی و فقہی فیصلے ان کو بدعت لگتے ہیں۔

آدابِ اختلاف:

ائمہ کے ساتھ فروعی اختلاف پر عرض ہے کہ ہم اختلاف کے وقت ادبِ اختلاف کی پوری رعایت کرتے ہیں، آپ چلے جایئے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد؛ بل کہ ہمارے کسی بھی مدرسے میں چلے جایئے، وہاں تدریس کا انداز یہ ملے گا کہ درس گاہ کے اندر حدیث کا درس ہو رہا ہے، طالب علم بیٹھے ہیں، استاذ بیٹھے ہیں، ادب کے ساتھ ائمہ کے مسالک بیان کیے جاتے ہیں، دلائل بیان کیے جاتے ہیں، اپنی ترجیح کو اختیار کیا جاتا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ بہتر ہے، اور ان کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ نہ کوئی حنفی کسی شافعی کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اور نہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی؛ حالاں کہ قرأت خلف الامام کے باب میں احناف اور شوافع کے درمیان زمین اور آسمان کا اختلاف ہے؛ لیکن کہیں مناظرہ بازی نہیں ہوتی، کوئی شافعی کسی حنفی کو پکڑ کر نہیں کہتا کہ تم امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے، تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف فتنہ نہیں ہے؛ دیانت داری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل ہو رہا ہے۔

فتنہ پرور غیر مقلدین کا طرزِ عمل:

اور غیر مقلدین کا طرزِ عمل سراسر فتنہ بنا ہوا ہے، اس لیے اس کی زہرناکی کو ہمیں اور آپ کو محسوس کرنا چاہیے۔ یہاں گھروں کے اندر انتشار پیدا ہو رہا ہے، یہ (غیر مقلدین) خوب جانتے ہیں کہ یہ احناف کے خاندانوں کے نوجوان ہیں، باپ دادا کے زمانے سے سکون کے ساتھ اسی مسلک پر عمل کر رہے ہیں، یہ ان کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ تفریح میں لے جائیں گے، کاروبار کا لالچ دیں گے، امداد کریں گے اور کانا پھوسی کرتے کرتے اس کے اوپر اتنا رنگ چڑھا دیں گے کہ ایک دن وہ اعلان کر دے گا کہ میں غیر مقلد ہو گیا ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ﴾ وہ بے لگام ہو گیا، دین کے کام سے گیا، گذشتہ صفحات میں جس کتاب کا حوالہ دیا تھا ''نزل الابرار'' اس کتاب کے اندر لکھا ہوا ہے:

لَابُدَّ لِلْعَامِيْ مِنْ تَقْلِيْدِ مُجْتَهِدٍ.

''عام آدمی کے لیے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید لازم ہے''۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

لیکن تمام مسائل کے اندر کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنا یہ بدعت مذمومہ ہے۔[۱]

تقلیدِ شخصی اور غیر شخصی:

سوال یہ ہے کہ جب تقلید عامی آدمی کے لیے کسی نہ کسی مجتہد کی آپ لازم قرار دے رہے ہیں تو اگر کسی جگہ پر ایک ہی مجتہد ہو تو وہ مجتہد معین کی تقلید کرے گا یا نہیں کرے گا؟ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو اہل یمن کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقلید لازم تھی یا نہیں؟ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب یمن کے ایک علاقے کا حاکم بنا کر بھیجا تھا تو وہاں کے لوگوں کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تقلید لازم تھی یا نہیں؟ اور یہ تقلیدِ شخصی

---

(۱) نزل الابرار: ۱/ ۷۔

تھی کہ غیر شخصی؟ اگر تقلید شرک ہے تو چاہے شخصی ہو یا غیر شخصی دونوں حرام ہونی چاہیے، کیا وجہ ہے کہ تقلید اگر غیر شخصی ہے تو لازم ہے، اور پھر جس کا جی چاہے کلّو[1] سے پوچھ لے، جس کا جی چاہے بدّھو سے پوچھ لے، وہ تو موحد ہے، اور اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لے تو وہ مشرک ہوجائے گا، مجتہد کی تقلید کرے گا تو مشرک ہوجائے گا، زید، عمرو اور بکر، ایرے غیرے جوان کے علم کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچے ہیں، کسی سے بھی پوچھ کر مسئلے پر عمل کرلے وہ موحد ہے، وہ اعلیٰ درجے کا متبعِ سنت ہے، یہ کیا بوالعجبی ہے؟ یاد رکھیے کہ دو قسم کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے، یا مجتہد یا مقلد۔

تقلید کا مطلب:

تقلید کسے کہتے ہیں؟ تقلید کے معنی ہیں بغیر مطالبۂ دلیل کسی صاحبِ علم سے شریعت کا حکم معلوم کرکے اس پر عمل کرنا، اس اعتماد پر کہ اس کے پاس دلیل ہوگی۔[2] یہ نہیں کہ اس کی بات کو مان رہے ہیں، اس کے حکم کو مان رہے ہیں، بل کہ اس سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ وہ بتاتا ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے، تو ہم اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ قرآن کی کس آیت سے یا کس حدیث سے یہ ثابت ہے؟ اس نے بتادیا اور ہم نے عمل کرلیا۔ اور آج اپنے کو اہلِ حدیث کہنے والے، ان کے عوام کیا ہر مسئلے کو دلیل کے ساتھ جانتے ہیں؟ اور اپنے علماء سے جب پوچھنے جاتے ہیں تو کیا ان سے دلیل بھی مانگتے ہیں؟ بس مسئلہ معلوم کیا، اُنھوں نے بتادیا اور اِنھوں نے عمل کرلیا۔ تو بتائیے کہ یہ تقلید ہوئی یا نہیں؟ تیسری کوئی قسم نہیں ہے، مقلد یا مجتہد۔ اب بتائیے: مجتہد کتنے ہیں؟

---

(۱) مراد: کوئی بھی عام شخص......

(۱) الحاوي الکبیر للماوردي: ۱۵/۱، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت ۱۹۹۹ء۔

اجتہاد اور اُس کی شرطیں:

اجتہاد(۱) کے لیے کئی شرطیں ہیں، اجتہاد کا مقام بہت بلند مقام ہے:

''جملہ قرآنی علوم پر پوری نظر ہو، تمام ذخیرۂ حدیث پر پوری نگاہ ہو، ناسخ ومنسوخ کے اوپر نگاہ ہو، ادب سے واقف ہو، بلاغت سے واقف ہو، اور استنباطِ مسائل کے لیے جتنی شرائط ہیں، ان سب سے واقف ہو، اور اس کے بعد اعلیٰ درجے کی دیانت داری اور اخلاص ہو، نفسانیت کا اس میں کوئی دخل نہ ہو''۔(۲)

یہ دَور ایسا ہے کہ چار پیسے کی خاطر آدمی اپنے دین ودیانت کا سودا کر رہا ہے، دین ودیانت کو بیچ رہا ہے، ایسے میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کو چھوڑ کر ایرے غیرے نتھو خیرے کو ائمہ مجتہدین کا مقام دے دیا جائے تو عین توحید، اور ائمہ مجتہدین کے بتائے ہوئے مسئلے پر عمل کرلیا جائے تو شرک ہوجائے گا، یہ کتنی غیر معقول بات ہے۔ حضراتِ ائمہ مجتہدین تو تابعی یا تبع تابعی ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.

''سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں، پھر ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں، پھر ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں''۔(۳)

---

(۱) الاجتهاد: هو استفراغ الوسع وبذل المجهود في طلب الحكم الشرعي عقليًّا كان أو نقليًّا، قطعيا كان أوظنيًّا، علىٰ وجهٍ يحس من النفس العجز عن المزيد عليه. (إرشاد النقاد إلىٰ تيسير الاجتهاد، للصنعاني، ص ٨، ط: الدار السلفية، الكويت ١٤٠٥هـ)

(۲) إرشاد النقاد ٨-١٠.

(۳) صحيح البخاري، باب مايحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، جلد٨ صفحه ٩١، رقم ٦٤٢٩، ط: السلطانية، مصر ١٣١١هـ.

غیر مقلدین اپنے قول سے بدعتی ہیں:

دوسری جانب غیر مقلدین کے علماء خود لکھتے ہیں، ”نزل الابرار“ میں لکھا ہوا ہے اور ”عرف الجادی“ میں لکھا ہوا ہے کہ:

”بدعت اس قول وفعل کو کہتے ہیں جو زمانۂ مشہود لہا بالخیر کے بعد وجود میں آیا ہو“۔ (۱)

زمانۂ مشہود لہا بالخیر وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں خیر کی گواہی دی گئی ہے، اور وہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ ان کے بعد دین میں جو باتیں وجود میں آئیں ہیں وہ بدعت ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس جماعت (غیر مقلدین) کا وجود ڈیڑھ دوسو سال سے زیادہ نہیں ہے، (۲) جس کے بانی بھی ماضی قریب کے ہیں۔

میاں نذیر حسین صاحب (۳) کے خسر لکھتے ہیں کہ:

”اس فرقۂ نو احداث کا بانی مبانی عبدالحق (۴) بنارسی نام کا ایک شخص تھا“۔ (۵)

---

(۱) نزل الأبرار من فقة النبي المختار ۸/۱، ط: سعيد المطابع، بنارس ۱۳۲۸ھ.

(۲) ۱۸۸۶ء میں اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے انگریز حکومت سے درخواست کی تھی کہ ان کی جماعت کو ”اہلِ حدیث“ نام سے موسوم کیا جائے، ہندوستان میں یہی وقت اس جماعت کا دَورِ آغاز ہے۔ (اہلِ حدیث امرتسر، مورخہ ۲۶/جون ۱۹۰۸ء، صفحہ ۸، تاریخ اہلِ حدیث ۱/ ۱۴۴، مصنف ڈاکٹر محمد بہاء الدین)

(۳) سیّد نذیر حسین دہلوی مسلکِ اہلِ حدیث کے جیّد عالم اور فقیہ تھے، ۱۲۲۰ھ کو مونگیر، بہار میں پیدا ہوئے، شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو دہلی میں وفات پائی (الحیات بعد المات: ۱۶- ۲۳۴)

(۴) مولانا عبدالحق بنارسی ہندوستان میں مسلکِ اہلِ حدیث کے بانی ہیں، آپ نیوتنی ضلع اناؤ میں ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۶ھ میں منیٰ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ص ۱۰۰۱-۱۰۰۳، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء)

(۵) نظام الاسلام، حاشیہ: تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین، تالیف: مولانا قطب الدین دہلوی، ص ۳، ط: ہندوستان پریس، لاہور ۱۳۲۵ھ۔

اور میاں نذیر حسین صاحب نے اس کو علمی رنگ دیا، اور غیر مقلدین کے ائمہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی، نواب وحید الزماں حیدر آبادی، نواب صدیق حسن (۱) خاں بھوپالی، مولانا ثناء اللہ (۲) امرتسری، مولانا محمد ابراہیم (۳) سیالکوٹی ہیں۔ اور آج تو ان کا ہر چھوٹا بڑا مجتہد مطلق العنان بنا ہوا ہے، دو صدی پہلے اس نام کی جماعت کا کہیں وجود نہیں تھا۔

اہلِ حدیث کون ہیں؟:

میں پوچھتا ہوں کہ اسلام میں دورِ اول کے بعد بہت سے فرقے وجود میں آئے، ان میں جو اہل حق تھے وہ اہلِ سنت والجماعت کے نام سے متعارف ہوئے، اور بعض وہ فرقے وجود میں آئے، جو باطل فرقے تھے، اور سب کے عنوانات الگ الگ تھے، وہ سب فرقے اور جماعت کی حیثیت سے متعارف تھے، کوئی فرقہ معتزلہ کہلاتا تھا، ان کے مخصوص عقائد اور نظریات تھے، کوئی فرقہ کرامیہ کہلاتا تھا، کوئی فرقہ جہمیہ کہلاتا تھا، کوئی فرقہ مرجیہ کہلاتا تھا، کوئی فرقہ خوارج (۴) کا تھا، لیکن آپ امام شہرستانی کی کتاب ''الملل والنحل'' اٹھا کر دیکھ لیجیے، جس میں انھوں نے تمام فرقوں کو شمار کرایا ہے اس میں

---

(۱) نواب صدیق حسین خان معروف اہلِ حدیث عالم اور مصنف تھے، آپ کی پیدائش ۱۹ / جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ کو بانس بریلی میں ہوئی اور ۲۹ / جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ کو بھوپال میں وفات پائی۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن: ص / ۷، قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۲۵۸)

(۲) مولانا ثناء اللہ امرتسری اہلِ حدیث عالم، مناظر اور داعی تھے، آپ امرتسر، پنجاب میں ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۷ھ کو سرگودھا (پاکستان) میں وفات پائی۔ (الشيخ ثناء الله الأمرتسري وجهوده الدعوية: ص١٤-٥٥)

(۳) مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی اہلِ حدیث مقرر اور مناظر تھے، آپ ۱۸۷۴ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۹۵۶ء میں وفات پائی۔

(۴) الملل والنحل میں ان تمام فرقوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے، دیکھیے: جلد ۱ صفحہ ۴۳-۱۳۹، ط: مؤسسة الحلبي۔

کہیں اہلِ حدیث نام کا کوئی فرقہ نہیں ملتا، ان باطل فرقوں کے زمانے میں اہلِ حدیث نام کا کوئی فرقہ وجود میں نہیں آیا، اہلِ حدیث کا نام حدیث کی کتابوں میں ضرور ملتا ہے، اہلِ حدیث محدثین کے معنی میں ہے، محدثین جو حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں، اس کی روایت، اس کی نقل، اس کی حفاظت اور اس کی تدوین، اس کی ترتیب، کتابوں کی تصنیف، مجالس حدیث کے لیے حلقے قائم کرنا، پڑھنا پڑھانا جن کا مشغلہ تھا، وہ اہلِ حدیث کہلاتے تھے۔ وہ حنفی بھی ہیں، شافعی بھی ہیں، مالکی بھی ہیں، اور حنبلی بھی ہیں۔ (۱) تمام مسالک کے اندر اہلِ حدیث ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مسلک بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''وَهُوَ قَوْلُنَا وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِ الْحَدِيْث ''جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہمارا اور محدثین کا قول ہے۔تو وہی اصحاب الحدیث ہیں، اور وہی اہل الحدیث ہیں۔ انھوں نے انگریزوں کے دربار سے اپنے لیے اہلِ حدیث کا نام الاٹ نہیں کرایا تھا، اہلِ حدیث بحیثیت فرقہ اس زمانے میں نہیں تھے، اور اگر اتنا کافی ہے کہ کتابوں میں اہلِ حدیث کا نام ملتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ منکرینِ حدیث نے کیا قصور کیا ہے؟ جو اپنے کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، حدیث میں اہلِ قرآن کا لفظ بھی تو ملتا ہے۔

ایک مثال:

آپ جانتے ہیں کہ ایک فرقہ ہندوستان کے اندر اہلِ قرآن نام کا بھی پیدا ہوا ہے، جو کہتا ہے کہ ''حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔حدیث بھی ان کے یہاں حجت نہیں، اعظم گڑھ کے جیراج پور وغیرہ میں اب بھی اس ذہن کے کچھ لوگ موجود ہیں، اصل فرقہ تو پاکستان منتقل ہو گیا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ قرآن ہیں۔

اِس تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ حدیث کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) معرفة علوم الحديث للحاكم، ص ۲-۳، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ۱۹۷۷ء.

أَوْتِرُوْا يَاأَهْلَ الْقُرْآنِ. (۱)

''قرآن والو! وتر کی نماز ادا کیا کرو''۔

یعنی تم کو قرآن کی دولت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ رات کے سناٹے میں اٹھ کر اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر دو رکعت چار رکعت چھ رکعت آٹھ رکعت جو تہجد ادا کرنے کی توفیق ملے، پڑھتے رہو، اور جب تہجد ختم ہو جائے تو وتر کی نماز ادا کرو۔ آپ ﷺ اہلِ ایمان کو اہلِ قرآن کا عنوان دے رہے ہیں، ظاہر بات ہے کہ یہ خطاب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے، جن کا سب سے بڑا شرف صحابی رسول ہونا تھا، اہلِ قرآن نام کا کوئی فرقہ نہیں تھا، آپ نے ان کو اہل القرآن کہا؛ اس لیے کہ قرآن ان کی زندگی کا مشغلہ تھا، راتوں کو اٹھ کر قرآن پڑھتے تھے، اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں:

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝١٧ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝١٨﴾ (۲)

''یہ لوگ رات کا بہت کم حصہ سونے میں گذارتے ہیں، اور صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اللہ تیری عبادت کا حق ادا نہ ہو سکا''۔

چوں کہ یہ قرآن کے ساتھ مشغلہ رکھنے والے ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ قرآن کہا گیا۔

مذکورہ حدیث کی بناء پر فرقۂ اہلِ قرآن کی ترویج واشاعت کرنے والے حافظ اسلم جیراج پوری (۳) اگر کہنے لگیں کہ ہمارا فرقہ بہت قدیم ہے؛ کیوں کہ ترمذی شریف میں

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الوتر جلد۱ صفحه ۳۷۰، رقم: ۱۱۷۰، ط: دارإحياء الكتب العربية، ۱۹۵۲.

(۲) سورة الذاريات: ۱۷-۱۸.

(۳) مولانا محمد اسلم جیراج پوری عالمِ دین اور تاریخ داں تھے، موصوف کی ولادت جیراج پور، اعظم گڑھ میں ۱۸۸۲ء کو ہوئی اور ۱۹۵۵ء میں دہلی میں وفات پائی۔ (مولانا محمد اسلم جیراج پوری حیات وخدمات: ص/۸)

ہمارا نام مذکور ہے۔کیا آپ مان لیں گے؟ اسی طرح محدثین کے یہاں اہلِ حدیث کی اصطلاح محدثین کے لیے ہے کہ جو حدیث کا مشغلہ اختیار کیے ہوئے ہیں، جیسے اہل منطق، اہلِ فلسفہ، اہلِ فقہ، اسی طریقے سے اہلِ حدیث ہے۔

کیا یہ کوئی خاندانی چیز ہے کہ جو محدث ہے، جو اہلِ حدیث ہے، اس کا بیٹا بھی محدث ہوگا، جو فقیہ ہے اس کا بیٹا بھی فقیہ ہوگا، یہاں حال تو یہ ہے کہ باپ نے اپنے آپ کو اہلِ حدیث قرار دیا تو اس کا بچہ پیدا ہوگا وہ بھی پیدائشی اہلِ حدیث ہوگا، وہ حدیث کی ''ح'' سے بھی واقف نہیں ہے، لیکن وہ اہلِ حدیث ہے؛ اس لیے کہ اس کے والد اہلِ حدیث ہیں۔

الغرض! نام نہاد اہلِ حدیث کا وجود بحیثیت فرقہ کے اس زمانے بھی نہیں ملتا، جب دوسرے باطل فرقے وجود میں آرہے تھے، ملل ونحل کی کتابیں تمام فرقوں کے بارے میں لکھی گئی ہیں، قدیم وجدید کسی بھی کتاب میں اہلِ حدیث نام کے کسی فرقے کا ذکر نہیں ملتا؛ اس لیے کہ ان کا وجود تو ابھی دوسو سال کے اندر ہوا ہے۔ان کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ انھوں نے جن مسائل کو اپنی شناخت بنایا ہے اس میں ساری امت متفق تھی، جن میں سے چند مسائل آپ کے سامنے آچکے ہیں، جیسے کہ تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے، تراویح بیس رکعت کے بجائے آٹھ رکعت پڑھی جائے۔

مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا غیر مقلدین کو چیلنج:

ابوالمآثر محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی (۱) نور اللہ مرقدہٗ نے آٹھ رکعات تراویح پڑھنے والوں کو اپنی کتاب ''رکعات تراویح'' کے اندر ایک چیلنج کیا ہے، اور وہ چیلنج آج بھی ان کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ:

(۱) محدثِ کبیر مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن اعظمی ایک عبقری محدث، جیّد عالمِ دین اور کئی کتابوں کے مصنّف ومرتّب تھے، ۱۹۰۱ء میں مئوناتھ بھنجن، یوپی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔
(حیات ابوالمآثر ۱/ ۸۴-۲۲۷، ۴۲۸)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر، اس فرقے کے وجود میں آنے سے پہلے تک (جو تقریباً دوسو سال ہے) دنیا کی کسی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح نہیں پڑھی جاتی تھی۔"(۱)

کتاب لکھے ہوئے تقریباً ساٹھ(۲) سال ہو چکے ہیں، آج تک کوئی مائی کا لال اس کو ثابت نہیں کر سکا۔ کیا وجہ ہے؟ کیا ساری دنیا گمراہی پر متفق ہوگئی تھی؟ احناف کے یہاں بھی، مالکیہ کے یہاں بھی، شوافع کے یہاں بھی، حنابلہ کے یہاں بھی،(۳) مکہ مکرمہ میں بھی، مدینہ منورہ میں بھی، شام میں بھی، مصر میں بھی،(۴) ہر جگہ بیس یا بیس سے زائد رکعت تراویح پر کیوں عمل ہوتا چلا آرہا ہے، اور اس فرقے نے اپنی پہچان بنائی کہ ہم بیس نہیں پڑھیں گے، آٹھ پڑھیں گے۔ یہ نئے فرقے کی علامت ہے، پُرانے لوگ تو بیس پڑھتے رہے ہیں۔

تلفیق حرام ہے:

ساری امت متفق ہے کہ تین طلاق دے دینے سے تین واقع ہو جاتی ہے؛(۵) لیکن یہ کہتے ہیں کہ نہیں، تین دینے سے ایک ہی واقع ہوتی ہے۔(۶) بحیثیتِ جماعت انھوں نے اس کو اپنا شعار بنایا ہے، حالاں کہ یہ کسی جماعت کا مسلک نہیں ہے، نہ شوافع کا

(۱) رسائلِ اعظمی، رسالہ: رکعاتِ تراویح، ص ۲۷۲، ط: زم زم پبلشر، کراچی۔
(۲) اب تقریباً ۷۵ سال ہو چکے ہیں۔
(۳) قال ابن قدامة الحنبلي: والمختار عند أبي عبد الله فيها (التراويح) عشرون ركعة، وبهذا قال الثوري وأبوحنيفة والشافعي، وقال مالك: ستة وثلاثون. (المغني لابن قدامة ٢/٦٠٤، ط: دارعالم الكتب، الرياض)
(۴) رسائلِ اعظمی، رکعاتِ تراویح: ص ۳۶۷۔ التراويح أكثر من ألف عام في المسجد النبوي، لعطية بن محمد سالم. ترجمہ: مسجدِ نبوی میں تراویح عہد بہ عہد: ص ۴۲-۸۵۔
(۵) سبل السلام: ۲/۱۶۷۔
(۶) فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۔

مسلک ہے، نہ حنابلہ کا، نہ احناف کا مسلک ہے، نہ مالکیہ کا، نہ بخاری کا، نہ مسلم کا، نہ ترمذی کا۔ یہ نیا فرقہ وجود میں آیا، اس نے مذکورہ بالا مسئلہ کو اپنا شعار بنایا، ساری دنیا متفق ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے جس اذان کا اضافہ کیا ہے وہ سنت ہے، اسے جاری رہنا چاہیے۔[۱] یہ فرقہ کہتا ہے کہ نہیں، ہم ایک اذان دیں گے۔[۲]

یہ کس چیز کی پہچان ہے؟ یہ فرقہ نیا ہے یا پُرانا؟ آپ ہمیں اس فرقے کی دعوت دے رہے ہیں جو دو سو سال پہلے پیدا ہوا ہے، اور ہم دعوت دے رہے ہیں اس طریقے کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہم کو میراث میں ملا ہے۔ وہ اہلِ سنت والجماعت ہیں، چاروں مسلک اہلِ سنت والجماعت ہیں، ان کے درمیان اختلاف تضلیل وتکفیر کا نہیں ہے، یہ تو اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے، یہ چاروں طریقے حق ہیں، کسی ایک کو اختیار کرلو۔ کیوں؟ اس لیے کہ انسان کے ساتھ نفس بھی لگا ہوا ہے، شیطان بھی لگا ہوا ہے، اگر یہ آزادی دے دی جائے کہ کسی مسئلے میں اِن کی بات مان لو، کسی مسئلے میں اُن کی بات مان لو، تو نفس کی طرف سے اطمینان نہیں ہے، اسی لیے چاروں فقہ کے علماء فرماتے ہیں کہ تلفیق حرام ہے۔[۳] تلفیق کے معنی یہی ہیں کہ بعض مسائل میں اقتدا کرلینا شوافع کی اور بعض مسائل میں اقتدا کرلینا احناف کی۔[۴] اس طریقے کی خرابی کو ایک مثال سے سمجھیے:

تلفیق کی مثال:

وضو کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟ اس میں ائمہ کے درمیان اختلافات ہیں، جو حنفی ہے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة ۵۲۷/۲، رقم: ۹۱۲.

(۲) تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي: ۴۱/۳، ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

(۳) مغيث الخلق ص۱۳، نفائس الأصول ۴۱۴۸/۹، التحقيق في بطلان التلفيق ص۱۷۱، الدر المختار مع رد المحتار ۱۷۷/۱.

(۴) عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق ص ۹۲-۹۱.

وہ جانتا ہے کہ ہمارے یہاں فلاں فلاں چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور جو شافعی ہے وہ جانتا ہے کہ ہمارے یہاں فلاں فلاں چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمارے یہاں وضو ٹوٹتا ہے اور شوافع کے یہاں نہیں ٹوٹتا، مثلاً یہ کہ بدن کے کسی حصہ سے خون نکل جائے، تو ہمارے یہاں اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور شوافع کے یہاں نہیں ٹوٹے گا۔ نماز کے اندر اگر کوئی قہقہہ مار کر ہنس دے تو ہمارے یہاں وضو ٹوٹ جائے گا اور شوافع کے یہاں وضو نہیں ٹوٹتا، دوسری طرف بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے شوافع کے یہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ہمارے یہاں نہیں ٹوٹتا، مثلاً کسی شخص نے وضو کے بعد اپنی بیوی کو ہاتھ لگا دیا تو ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، کسی نے بغیر کپڑے کے اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگا دیا تو ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، بطور مثال یہ چند مسئلے آپ کے سامنے آگئے۔

اب اگر کسی حنفی نے وضو کیا اور اس کے بعد بدن سے خون نکل آیا، وہ شافعی سے بھی پوچھنے جائے گا تو وہ یہی کہے گا کہ تمہارے مسلک میں وضو ٹوٹ گیا، اور حنفی عالم بھی یہی بتائے گا کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا۔ اسی طریقہ سے اگر کسی شافعی نے وضو کرنے کے بعد اپنی بیوی کو ہاتھ لگایا ہے، وہ شافعی عالم سے پوچھے گا تو وہ بھی یہی کہے گا کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا، اور حنفی عالم سے پوچھے گا تو وہ بھی یہی کہے گا کہ اگر تم شافعی ہو تو تمہارے مسلک کے مطابق تمہارا وضو ٹوٹ گیا؛ مگر ان غیر مقلدین کے یہاں آزادی دی جارہی ہے، کہ وضو کرلیا اور بیوی کو ہاتھ لگا دیا، تو اگر کوئی شافعی کہتا ہے کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا تو کہتے ہیں کہ نہیں، اس مسئلے میں ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مانتے ہیں، اس کے بعد زخم لگ گیا، خون بہہ گیا، اور حنفی کہتا ہے کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مانتے ہیں، ان کی بات صحیح ہے۔ اور خوش ہو گئے کہ ہم نے اپنا وضو بچالیا، اُس مسئلے میں اُن کی مان لی، اور اِس مسئلہ میں اِن کی مان لی؛ مگر آپ جس کا نام لے رہے ہیں اس سے جا کر پوچھیے، حنفی اور شافعی دونوں مل کر کہہ رہے ہیں کہ تم بے وضو ہو؛ اس لیے کہ دونوں کے نزدیک وضو ٹوٹ چکا ہے، اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہمارا وضو باقی ہے، اس لیے کہ

ایک مسئلہ حنفی سے پوچھ لیا، اور دوسرا مسئلہ شافعی سے پوچھ لیا۔ اور یہی تلفیق ہے۔[۱] نفس اور شیطان انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اور اسی کی وہ دعوت دے رہے ہیں۔

ایک شخص جو پشتینی حنفی ہے وہ جانتا ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، سوائے اس کے کہ اس کا دوسرا نکاح ہو، اور شوہر کے یہاں رخصتی ہو، پھر مجامعت اور ہمبستری کے بعد اگر وہ طلاق دے دے، تو پہلے شوہر کے لیے حلال ہوتی ہے، غیر مقلدین اس سے کہتے ہیں کہ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ آؤ اہلِ حدیث ہوجاؤ، بیوی تمہارے لیے حلال ہوجائے گی۔[۲] یہی گمراہی کا راستہ ہے، ایک چیز جس پر چاروں فقہ متفق ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان سب کو لات مارو، ہمارے یہاں تمہارے واسطے پناہ ہے، ہم حرام کاری کو تمہارے لیے جائز قرار دیتے ہیں، بس ہمارا لیبل لگالو، ہمارا پٹا گردن میں ڈال لو۔

بنارس میں غیر مقلدین کی شرانگیزی:

غیر مقلدیت کا فتنہ بڑی تیزی کے ساتھ سر اٹھا رہا ہے، اور شرارت بڑھتی جارہی ہے، آپ کسی کے باپ کو گالی دیدیں، کسی کے استاذ کو گالی دیدیں، تو وہ برداشت کرلے گا؟ ان کے جلسوں میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی[۳] رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر کے بارے میں تہذیب سے گری تحریریں اور انتہائی گندے ریمارکس لکھے اور بانٹے جاتے ہیں، ان کے کیسٹوں کے اندر یہ چیزیں ہوتی ہیں۔

---

(۱) رد المحتار جلد ا صفحہ ۱۷۷۔

(۲) نزل الأبرار من فقه النبي المختار ۲/۳۳.

(۳) ان تمام اکابر کے تعارف کے لیے دیکھیے: ''تاریخ دار العلوم دیوبند'' جلد اوّل ص ۱۰۲-۳۵۰۔

''معراج ربانی''(۱) نام کا ایک بدنامِ زمانہ شخص ہے، جو پہلے رضا خانی تھا، اب وہ غیر مقلدین کا مبلغ بنا ہوا ہے، فحش قسم کی تقریریں کرتا ہے، اس کی سی ڈی اور کیسٹیں غیر مقلدین میں کافی مقبول ہورہی ہیں، ہمارے محلے میں بھی بیٹھک (مجلس) میں بجائی جارہی ہیں، اور ہمارے یہاں کی جو بیٹھک ہوتی ہیں اُن میں ہر مسلک کے نوجوان ہوتے ہیں، دوستی ہوتی ہے؛ کیوں کہ دوستی کا کوئی مسلک نہیں ہوتا؛ چناں چہ اس میں حنفی بھی شریک ہیں، بریلوی بھی بیٹھتے ہیں اور ان (غیر مقلدین) کے مسلک والے بھی ہیں؛ لیکن وہ کیسٹ بجارہے ہیں، سنارہے ہیں، تاکہ تمہارے اپنے مسلک کی طرف سے، تمہارے اپنے اکابر کی طرف سے، تمہارا ذہن مسموم ہو، اور وہ مقامات جہاں ان کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی، آج وہاں بھی جرأت کررہے ہیں۔

ابھی ہمارے بزرگ مفتی اشفاق احمد صاحب(۲) اللہ ان کی عمر میں برکت دے انھوں نے ''تقلیدِ ائمہ کانفرس'' شیرواں (۳) میں منعقد کی، اور الحمد للہ بہت کامیاب کانفرس رہی، میں بھی اس میں شریک تھا، ہمارے بہت سے اکابر شریک ہوئے تھے، اعظم گڑھ کا وہ علاقہ، خصوصاً سرائے میر اور پھول پور کا علاقہ، احناف کے علاوہ دیگر اہلِ مسلک سے خالی ہے، اور اگر کچھ ہیں تو وہ جماعت اسلامی کے لوگ ہیں، اور کچھ اقل قلیل اہلِ قرآن ہیں، جو جیراج پور کے علاقے میں ہیں، باقی سب احناف ہیں، جو مختلف اکابر سے تعلق رکھنے والے ہیں، ان غیر مقلدین نے وہاں جاکر شوشہ چھوڑنا شروع کردیا،

(۱) مولانا معراج ربانی اہلِ حدیث مقرر وخطیب ہیں، سدھارتھ نگر یوپی کے رہائشی ہیں، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ سے سندِ فراغ حاصل کی ہے۔

(۲) مفتی اشفاق احمد اعظمی جامعہ شرعیہ فیض العلوم کے بانی اور جمعیۃ علمائے اترپردیش کے موجودہ نائب صدر ہیں، ۱۹۵۱ء میں اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔

(۳) اعظم گڑھ۔

سوائے شر پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کرتے، مجبور ہو کر مفتی صاحب نے قدم اٹھایا، بنارس میں ندیسر کے محلے میں اسی طریقے کی حرکتیں ہو رہی ہیں، بجرڈیہہ میں بھی یہی حرکت ہو رہی ہے، مدن پورہ(۱) میں یہی حرکت ہو رہی ہے، مئو کے علاقے میں یہی حرکتیں ہو رہی ہیں، آپ لوگ کب تک خوابِ خرگوش میں پڑے رہیں گے؟ اور اُن کی اِن بے ہودگیوں کو ہوتا دیکھتے رہیں گے؟ اپنی ذمہ داری کو پہچانیں۔

اس سنگین فتنے کی طرف توجہ کی ضرورت:

اس سلسلے میں سب سے بڑی تکلیف کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے مسائل سے واقف نہیں ہیں۔ جو حضرات مسائل سے واقف ہیں، وہ پڑھنے اور پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں، اپنی خدمات میں مشغول ہیں۔ جس زمانے میں بھی کوئی فتنہ اٹھا ہے تو ہمارے اکابر نے اسی قسم کی تیاری کی ہے، اور اس سے لوہا لیا ہے۔

اللہ حضرت امیر الہند(۲) دامت برکاتہم کی عمر میں برکت دے، کہ ممبئی میں ''تحفظِ سنت کانفرس'' بلائی، اس سے پورے ملک میں بیداری ہوئی ہے، اور لوگوں کو حوصلہ ملا ہے، ان غیر مقلدین کو اسی وقت سے بخار چڑھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے طرح طرح کی مذموم حرکتیں ہو رہی ہیں، میں اپنے لوگوں سے کہتا ہوں کہ آپ جو دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کو انجام دیتے رہیں، اپنا کام کرتے رہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے اس سب سے بڑے فتنہ پر قدغن لگانے کی زبردست ضرورت ہے، کیوں کہ کوئی قادیانی اگر سر اٹھاتا ہے تو ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ خارج از اسلام ہے، ہر آدمی

(۱) ''مدن پورہ'' بنارس کے قلب میں واقع، مسلمانوں کا سب سے بڑا محلّہ ہے، بنارس کی ضلعی سطح پر علم وعمل سے لے کر معیشت وتجارت تک، اِس محلّے کی حیثیت انتہائی نمایاں ہے، نیز محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی یہ ممتاز ہے؛ چناں چہ اِس کے شمال میں بنارس کا چوک (وسطی بازار) اور گیان واپی مسجد ومندر ہیں اور جنوب میں بنارس ہندو یونیورسٹی واقع ہے۔

(۲) حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

جانتا ہے کہ یہ خارج از اسلام ہے، یہ گمراہ ہے، صرف اتنا بتا دینا کافی ہوتا ہے کہ یہ قادیانی ہے، اس کے فریب میں مت آنا۔ کوئی عیسائی اپنا پمفلٹ لے کر آتا ہے تو اس کے بارے میں اتنا بتا دینا کافی ہوتا ہے کہ یہ عیسائی ہے، اس کے دامِ فریب میں مت آنا۔

لیکن کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ ہم تم کو براہِ راست قرآن وحدیث کی باتیں بتلاتے ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ ایک ایمان والے کے دل میں قرآن وحدیث کی جو عظمت ہے، محبت ہے، اس کی بنیاد پر وہ متاثر ہوگا، یہ اپنے غلیظ چہرے پر قرآن وحدیث کا نقاب ڈال کر جو غلاظتیں پھیلا رہے ہیں، اس کا کچھ نمونہ میں نے ''بنیا باغ'' کے جلسے میں دکھایا تھا،(۱) اس لیے اس سلسلے میں بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم نے رواداری کی حد کردی، ہمارے بھی تعلقات ہیں، ہماری بھی رشتہ داریاں ہیں، لیکن جب ان کو اس کی کوئی رعایت نہیں، تو تنہا ہم کیوں رعایت کریں؟ ہم اب تک رعایت کرتے رہے ہیں۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کا قیام:

ہم میں جو لوگ چالیس پچاس سال کے ہیں، وہ جانتے ہوں گے، میں جب دارالعلوم سے فارغ ہو کر آیا، ۱۹۷۰ء کے آغاز کی بات ہے، نوجوانوں نے مل کر انجمن اصلاح المسلمین کو زندہ کیا، یہ پرانی انجمن تھی، خاموش پڑی ہوئی تھی، اس کو زندہ کیا اور اصلاحی جلسوں کا پروگرام شروع ہوا، مختلف مکانات کے اندر اصلاحی جلسوں کا آغاز ہوا، پندرہ روزہ جلسے شروع ہوئے، جس میں نماز، روزہ، عورتوں کے حقوق اور معاشرے میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی نشان دہی کی جاتی تھی، دوتین مہینے یا اس سے کچھ زیادہ ہمارا یہ پروگرام چلتا رہا۔ اس زمانے میں مولانا عبدالحمید رحمانی(۲) جو اس وقت اس جماعت کے

(۱) نمونہ دیکھنے کے لیے صفحہ ۴۹ تا ۵۷ کا مطالعہ کیجیے۔

(۲) مولانا عبدالحمید رحمانی اہلِ حدیث خطیب اور مصنف تھے، آپ کی پیدائش سدھارتھ نگر، یوپی میں ۱۹۴۰ء میں ہوئی، اور ۲۰/اگست ۲۰۱۲ء میں دہلی میں وفات پائی۔ (عبدالحمید رحمانی، ایک عہد ایک تاریخ)

بڑے لوگوں میں ہیں، دہلی میں ایک بہت بڑا ادارہ چلاتے ہیں، وہ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوکر آئے تھے، جامعہ سلفیہ یا اس وقت رحمانیہ نام تھا، اس میں استاذ ہوئے، نیا نیا خون تھا، انھوں نے جمعیۃ الشبان المسلمین قائم کی، میں نہیں جانتا کہ اس سے پہلے جمعیۃ الشبان المسلمین کا وجود تھا یا نہیں، کم از کم مدن پورہ کی سطح پر وہ نام پہلی بار سامنے آیا، اس کے جلسے شروع ہوئے اور روزِ اول سے ہی مذکورہ اختلافی مسائل کو عنوان بنایا گیا، حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان پر جلسہ ہوا، جس کو میں نے حاجی منّا حاجی نور کے مکان پر بیٹھ کر خود سنا۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کی ترجیحات:

اس کے مسائل کیا تھے؟ احناف جس طرح سے وتر کی نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے، عورتیں جس طرح سجدہ کرتی ہیں، یہ طریقہ غلط ہے، پست سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے، فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد سنت کی نیت باندھنا غلط ہے، سنت چھوٹ جائے تو نماز ختم ہونے کے فوراً بعد پڑھ لی جائے، دعا کے اندر کسی زندہ یا مردہ کا وسیلہ لینا غلط ہے، گویا پورے مسلم معاشرے کے اندر سب سے خراب یہی چیزیں تھیں، جن کی نشان دہی ضروری تھی، نہ کوئی بے نمازی تھا، نہ کوئی بد عمل تھا، نہ کسی اور خرابی کی نشان دہی کی ضرورت تھی، اس لیے ان مسائل کو بیان کیا گیا تھا۔ ہم نے اصلاح المسلمین کا جلسہ کیا، جس میں اُن کا جواب دیا، پھر ان کا دوسرا جلسہ ہوا، گول چبوترہ (۱) کے کسی مکان کے اندر، انھوں نے براہِ راست فقہ کے اوپر حملے کیے، ہم نے اس کا جواب دیا، پھر روڈ پہ موجود حافظ جی کی بیٹھک میں جلسہ ہوا، جس میں انھوں نے وہی کیا، ہم نے بھی جلسہ کیا۔

عارضی امن:

پھر اسی جماعت کے ایک سنجیدہ بزرگ مولانا عبد المجید الحریری کے صاحب زادے جن کو بابو عبید اللہ کہا جاتا تھا، وہ میرے بھی خاندانی بزرگ تھے، ہمارا خاندان ایک ہی

(۱) مدن پورہ کے اندرونی حصے میں واقع چند گھروں پر مشتمل ایک ذیلی محلّہ۔

ہے، میرے دادا یا پردادا ہوتے ہوں گے، انھوں نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا، وہ میرے بڑے تھے، انھوں نے کہا کہ یہ سلسلہ جو چل رہا ہے مناسب نہیں ہے، میں نے کہا آپ میرے بزرگ ہیں، آپ بتایئے کہ اس کا آغاز کس نے کیا؟ انھوں نے کہا کہ انھوں نے غلطی کی ہے، میں نے کہا کہ آپ اس کی ذمہ داری لیجیے کہ وہ احناف پر کیچڑ اچھالنا بند کردیں، تو ہم بھی جواب دینے کا سلسلہ بند کردیں گے، انھوں نے کہا میں ذمہ داری لیتا ہوں، انھوں نے کیا کیا؟ نہیں معلوم، البتہ وہ سلسلہ بند ہوا، اور ہم نے اسی کے بعد سے انجمن کے جلسوں میں اس کو عنوان نہیں بنایا۔

دوبارہ شرانگیزی کا آغاز:

کچھ دنوں کے بعد مدن پورہ میں کسی پان کی دوکان پر ایک پوسٹر لگا ہوا تھا:

''آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت احناف کی کتابوں سے''۔

عبید اللہ چچا مرحوم زندہ تھے، ان کے مکان سے تھوڑے فاصلے پر وہ دوکان تھی، میں ان کو اپنے ساتھ لے کر گیا، اور کہا کہ یہ پوسٹر دیکھ رہے ہیں، انھوں نے کہا ہاں، میں نے کہا: میں پوسٹر تیار کر رہا ہوں کہ بیس رکعت تراویح کا ثبوت غیر مقلدین کی کتابوں سے، وہ یہیں آکر لگے گا، فرمایا نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں اس کو اتروا تا ہوں، میں نے کہا: یہ ہر روز چٹکلہ بازی ہوتی رہے گی؟ کہا نہیں، میں ذمہ داری لیتا ہوں، میں مطمئن ہوں کہ ان کی زندگی بھر (وہ بہت کم دن زندہ رہے) پھر اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی، لیکن وہ پود جا چکی، مولانا عبد الحمید صاحب بھی جا چکے، اور ان کے جو دست و بازو تھے، وہ اب بزرگوں کی صف میں آچکے ہیں۔

موجودہ جو کھیپ تیار ہوئی ہے، نئے جوش وجذبے کے ساتھ آئی ہے، اور اس نے پھر اپنی حرکتیں شروع کردی ہیں، بجرڈیہہ ہو، ندیسر ہو، علئی پورہ(۱) ہو، مدن پورہ ہو،

(۱) شہر بنارس کے مختلف محلے۔

بھدوہی [1] ہو، ہر جگہ ان کی کاروائی چل رہی ہے، اور جو پمفلٹ تقسیم ہوا ہے، جمعیۃ الشبان المسلمین کے جلسے میں اعلان کے ساتھ ہوا ہے، جہاں پروگرام کا اعلان کیا گیا ہے، اس میں باقاعدہ لکھا ہوا ہے کہ وہاں بک اسٹال لگے گی، کتابیں اور کیسٹ بیچے جائیں گے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مرزا پور کا ایک پاگل تھا، اس نے آکر فروخت کر دیا، اور اگر یہ بات تھی، تو اس کے بیچے ہوئے سی ڈی اور کیسٹ بیٹھکوں میں کیوں بجائے جا رہے ہیں؟ اور ان پمفلٹوں کے حوالے سے حنفی نوجوانوں کو کیوں چھیڑا جا رہا ہے؟ کہ دیکھو تمہاری بہشتی زیور میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے، اس لیے:

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے رازِ سربستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

ہم مجبور ہیں:

قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

قارئین سے بھی میں درخواست کرتا ہوں کہ اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کردیں، یہ صرف ہمارا مسئلہ نہیں ہے، ہمارے اسلاف سے اعتماد اٹھایا جا رہا ہے، امت کے اس طبقے کا اسلاف سے رشتہ کاٹا جا رہا ہے، ان کے سلسلے میں بداعتمادی پیدا کی جا رہی ہے، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اعتماد اٹھ جائے گا، محدثین سے اعتماد اٹھ جائے گا، مجتہدین سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور ہمارے دین کی کل دوسو سال عمر بچے گی تو اس کا رشتہ کس سے جڑے گا؟

جماعتِ غیر مقلدین کی عمر:

میں بتلا چکا ہوں اور چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ غیر مقلدین کی جماعت کی عمر دوسو سال سے زیادہ نہیں ہے، اس سے پہلے آپ کو پوری دنیا میں نہ کہیں کوئی مسجد

---

(۱) بنارس سے متصل شہر۔

اہلِ حدیث ملے گی، نہ جمعیۃ اہلِ حدیث ملے گی، نہ جماعت اہلِ حدیث ملے گی، نہ غرباء اہلِ حدیث ملیں گے، نہ امراء اہلِ حدیث ملیں گے، یہ اہلِ حدیث کا مکتبہ، یہ اہلِ حدیث کا مدرسہ، اہلِ حدیث کی مسجد، اہلِ حدیث کا کتب خانہ، یہ اہلِ حدیث کی جماعت کیا بتلا رہی ہے؟ یہ بتلا رہی ہے کہ جس طرح تم ایک حنفی ہو، شافعی ہو، مالکی ہو، ہم بھی ایک جماعت ہیں۔ یہ ایک فرقہ بن چکا ہے، اگر پہلے سے اہلِ حدیث نام کے لوگ ہیں تو وہ محدثین ہیں، یہ اہلِ حدیث نہیں ہیں، ان نام نہاد اہلِ حدیث کی عمر دوسو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کے دام میں پھنسنے کا معنی یہ ہوا کہ ہم اپنا رشتہ چودہ سو سالہ تاریخ سے کاٹ دیں گے اور کل دوسو سال ہماری عمر بن جائے گی، ہمارے باوا آدم کون بنیں گے؟ عبدالحق بنارسی جس نے شیعیت اختیار کر لی تھی، (۱) میاں نذیر حسین دہلوی یا نواب وحید الزماں حیدر آبادی، جن کے یہاں کتّے کا پیشاب پاک ہے، خنزیر کا لعاب پاک ہے، کتّے کو لے کر نماز پڑھ سکتے ہیں، کتّا اگر کنویں میں گر جائے، پھول جائے، پھٹ جائے، سڑ جائے، پانی کا رنگ اگر نہ بدلے تو پانی پاک ہے۔ ان کے یہاں حیض کے خون کے علاوہ کوئی چیز ناپاک نہیں ہے۔ (۲) اور دلیل کیا ہے کہ ''میں لکھ رہا ہوں''، نہ کسی حدیث کا حوالہ نہ کسی آیت سے استدلال۔

احساسِ ذمہ داری:

کیا آپ اپنے نوجوانوں کو اور اپنی جماعت کو ان کے دام میں پھنسنے دیں گے؟ اسی طریقے سے گمراہ ہونے دیں گے؟ ہوش میں آئیں اور اپنی ذمہ داری کو سمجھیں کہ یہ دین میں تحریف ہو رہی ہے، اور ہم سے اس سلسلے میں باز پرس ہوگی، جس کو جتنی اللہ نے استطاعت دی ہے اس سلسلہ میں اتنی کوشش صَرف کرنا اپنی ضرورت ہے، ذمہ داری

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ص ر ۸۳-۱۰۳۔

(۲) اِن تمام مسائل کے حوالے گزشتہ تقریر میں گزر چکے ہیں۔

ہے۔اب ہم بھی مجبور ہیں، کھل کر گفتگو کرنی پڑے گی، اس میں کسی کی رعایت کی گنجائش نہیں ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جاہل کہا جائے گا، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دی جائیں گی، ان کے اوپر خطرناک قسم کے جملے؛ بل کہ شرمناک قسم کی پھبتیاں کسی جائیں گی! تو آپ کس کھیت کی مولی ہیں، بہت ہو چکا؛ اس لیے یا تو آپ اپنے رویے میں تبدیلی لائیے یا اینٹ کا جواب پتھر سے سننے کے لیے تیار ہو رہیے، جب آپ نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں بخشا تو ہم آپ کی رعایت کیوں کریں؟

دین میں اجماع کی حیثیت اور
جماعتِ اہلِ حدیث کا شذوذ

۲۶/اپریل ۲۰۰۵ء کی تفہیمی تقریر کے بعد غیر مقلدین کے رویے میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی؛ بلکہ اُن کی جارحیت میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہا، جس کے نتیجے میں مؤرخہ ۶/جون ۲۰۰۵ء کو بہ مقام مسجد بلال، مالتی باغ بنارس، ایک جلسۂ عام کا انعقاد عمل میں آیا اور اُس میں حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ مفصّل ومدلل خطاب فرمایا، حضرت والا کے بیانات میں یہ خطاب جس طرح منفرد اور علمی وتحقیقی ہے، اِسی طرح بنارس کی سرزمین پر ثمرات ونتائج کے لحاظ سے یہ خطاب سب سے دُوررَس واقع ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین میں اجماع کی حیثیت اور جماعتِ اہلِ حدیث کا شذوذ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه أجمعين. أما بعد:

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ، فَسَيَرَىٰ اخْتِلَافًا كَثِيْراً؛ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[1]

صدرِ محترم، علمائے کرام، بزرگانِ ملت!

وقت بہت ہو چکا ہے اور ہماری انجمن ''اصلاح المسلمین'' کے جلسے معمول کے مطابق اس وقت تک عموماً ختم ہو جاتے ہیں؛ لیکن آج کے جلسے کی نوعیت کچھ دوسری ہے، اس لیے میں کوشش کروں گا کہ اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی بات مکمل رکھوں؛

(۱) سنن أبي داؤد، باب في لزوم السنة، جلد ٤، صفحه ٣٢٩، رقم: ٤٦٠٧، ط: المكتبة الأنصارية بدهلي، الهند، ١٣٢٣هـ.

لیکن اگر مجبوراً اس میں کچھ وقت کا اضافہ ہوا، تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات اس کو انگیز کرلیں گے۔

اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں ہے:

بہت سی باتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں، آئی ہوئی باتوں کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ میں اپنی گفتگو کا آغاز یہاں سے کررہا ہوں کہ اللہ جل شانہ نے اس دنیا میں زندگی گزارنے کا جو پاکیزہ طریقہ ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ اسلام ہے۔ اور یہ قطعی اعلان فرمادیا کہ:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ (۱)

''دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''۔

اور یہ بھی اعلان فرمادیا کہ:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (۲)

''جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین طلب کرے گا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا''۔

اسی اسلام کے بارے میں کل قبر میں سوال ہوگا: مَن رَّبُّكَ؟ مَادِيْنُكَ؟ مَاتَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ (۳) ظاہر بات ہے کہ وہاں جب فرشتہ پوچھے گا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو ہم کہیں گے: اللہ۔ وہ پوچھے گا: تمہارا دین کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: اسلام۔ وہ پوچھے گا: تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو ہم کہیں گے: یہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہیں؛ لہٰذا اوّل اسلام اور آخر اسلام، اسلام ہی کے دامن کے ساتھ ہمیں وابستہ رہنا ہے، اسی اسلام کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے، اور تیئیس سالہ زندگی میں اسلام کی تعلیمات کو امت کے سامنے پیش فرمایا، اور اپنے آخری خطبے میں اسلام

---

(۱) سورة آلِ عمران:۱۹.

(۲) سورة آلِ عمران:۸۵.

(۳) سنن أبي داؤد، باب المسألة في القبر وعذاب القبر:۳۸۳/٤، رقم: ٤٧٥٣.

کی امانت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کردی، اللہ تعالیٰ نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر آیت نازل فرمائی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾(۱)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کردیا، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا''۔

(میں حافظِ قرآن نہیں ہوں؛ لہٰذا اگر کبھی کسی آیت کے پڑھنے میں مجھ سے غلطی ہوجائے تو متوجہ فرمادیں، اور خود بھی اصلاح کرلیں۔)

غائب سے مراد کون؟:

میں یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ جل شانہ نے یہ اعلان فرمادیا کہ میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا، پھر حجۃ الوداع کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سوال فرمایا: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے دین تم تک پہنچادیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اقرار کیا کہ: ہاں، آپ نے پہنچادیا۔ آپ نے ان کو ذمہ داری سپرد کی کہ:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.

''جو حضرات یہاں موجود ہیں، وہ غیر موجود لوگوں تک پہنچادیں''۔(۲)

شارحین کہتے ہیں کہ غیر موجود لوگوں سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں کہ جو اس زمانے میں موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر نہیں ہوئے؛ بل کہ قیامت تک آنے والے تمام لوگ غائبین میں شامل ہیں۔ پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ صحابۂ کرام دین کی اس امانت کو ان لوگوں تک پہنچادیں جن سے ان کی ملاقات ہو، پھر وہ

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۳۔

(۲) صحيح البخاري، باب حجة الوداع: ۸/۵۸۰، رقم: ٤٤٠٦.

لوگ ان لوگوں تک پہنچادیں جن سے ان کی ملاقات ہو، اسی طریقے سے تبلیغ کا فریضہ قیامت تک انجام پاتا چلا جائے گا۔

دینِ اسلام کا اصل ماخذ:

اب دو باتیں آپ کے سامنے رکھنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جس شکل میں دین عطا فرمایا تھا، وہ کیا تھا؟ اور اس دین کی ان لوگوں نے تبلیغ کس طرح کی؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ.(۱)

''میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں، ہرگز گمراہ نہ ہوگے جب تک کہ ان کو مضبوطی سے تھامے رہوگے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اللہ کے نبی کی سنت''۔

یہ وہ حدیث پاک ہے جو تمام مسالک کی اور تمام مذاہب کی بنیاد ہے، اور اس سے ہٹ کر کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت، یہی اصل دین ہے، اور یہی ماخذ اور سرچشمہ ہے سارے دین کا، اور ان کی بنیادی حیثیت ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ کرام نے اجماع امت اور قیاس صحیح کو جو حجت قرار دیا ہے، وہ بھی کتاب وسنت کے تقاضوں اور ان کے اشاروں کی بناء پر ہے۔ اگر کتاب اللہ میں یا سنتِ رسول اللہ میں کوئی ایسا اشارہ نہ ہوتا جس سے قیاس کی حجیت ثابت ہوسکے، یا اجماع امت کا حجت ہونا ثابت ہوسکے تو کوئی مجتہد قیاس کو یا اجماع امت کو حجت قرار نہ دیتا۔ الغرض! اصل ہے کتاب وسنت؛ لیکن آپ ﷺ نے کوئی مجلد قرآن یا مجموعۂ احادیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے نہیں کیا۔

(۱) موطأ مالك، باب النهي عن القول بالقدر: ۸۹۹/۲، رقم: ۳، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت، ۱۹۸۵ء.

کتاب وسنت امت کے حوالے کرنے کی صورت:

اللہ کے رسول ﷺ نے اِس حدیث میں جو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اپنی سنت۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ حدیث کے اندر جس کتاب اللہ کا تذکرہ ہے، اور جس سنت کا تذکرہ ہے، وہ کس شکل میں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کیا؟ کیا کوئی مجلد قرآنِ پاک صحابۂ کرام کو دے دیا تھا کہ یہ کتاب اللہ ہے، اس پر عمل کرنا، کیا احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیا تھا کہ دیکھو یہ میری سنت ہے، اس پر عمل کرنا؟ آپ بتلایئے کہ کتاب اللہ کہاں تھی؟ جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمایا۔ میں بتلاتا ہوں حضور ﷺ کے اوپر قرآنِ پاک کی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو اس کو کسی کاتبِ وحی صحابی کو بلا کر ان کو ہدایت فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں، فلاں آیت سے پہلے یا بعد میں لکھ لو، وہ لکھ لیتے، اور محفوظ کر لیتے۔ یہ کتابت کبھی کھجور کے درخت کی چھال پر کی جاتی تھی، کبھی پتھر کے کسی ٹکڑے پر، کبھی چمڑے کے کسی ٹکڑے پر، اور کبھی شانے کی کسی ہڈی پر؛ کیوں کہ اس زمانے میں عام طور پر کاغذ دستیاب نہیں تھا، اور مذکورہ چیزیں ہی کتابت کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ (۱)

پھر وہ ٹکڑے کہیں ایک صندوق میں، یا ایک بکس میں محفوظ نہیں کیے جاتے تھے؛ بل کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ہی محفوظ رہتے تھے۔ تیئیس سال میں اس طرح قرآن نازل ہوا، اور لکھا گیا۔ حضور ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے، تو قرآن کا کوئی مرتب نسخہ موجود نہیں تھا، قرآن کی کوئی جلد موجود نہیں تھی، بل کہ قرآن مختلف صحابہ کے پاس مختلف چیزوں کے ٹکڑوں پر لکھا ہوا موجود تھا، جسے رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کیا تھا۔ (۲)

---

(۱) علوم القرآن ص ۱۷۸-۱۷۹، ط: مکتبہ دار العلوم، کراچی ۱۴۱۵ھ۔

(۲) ایضاً ص ۱۸۱۔

اگر ہم یہ کہیں کہ جس شکل میں رسول اللہ ﷺ ہمیں دین اور کتاب دے کر گئے ہیں، ان میں کوئی اضافہ ہمیں قبول نہیں ہے، کسی کا کوئی عمل ہمیں منظور نہیں ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ قرآن کہاں ہے جو رسول اللہ ﷺ دے کر گئے ہیں؟ اگر اس پر اصرار ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور وہ عمل جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، اور نہ اس کا مشاہدہ کیا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے محض اپنی رائے سے عمل کیا ہے، اگر اس کو نکال دیا جائے، اور اس کو نا قابل حجت قرار دیا جائے، تو وہ قرآن کہاں ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود تھا۔

حضرت ابو بکر کا اجتہادی فیصلہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، فتنے اٹھے، جن میں ایک فتنہ منکرینِ زکاۃ کا تھا، جنھوں نے کہا کہ ہم زکاۃ نہیں دیں گے؛ کیوں کہ زکاۃ وصول کرنا رسول اللہ ﷺ کا اختیار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ﴾ (۱)

”آپ مسلمانوں سے زکاۃ وصول کیجیے، کہ زکاۃ وصول کرنے کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کریں گے، آپ ان کو دعا دیجیے کہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکینت ہوگی“۔

وہ جماعت یہ کہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ زکاۃ وصول کرتے تھے، دعا دیتے تھے، آپ کا دعا دینا ہمارے لیے باعث سکینت تھا، آپ تشریف لے گئے، اب ہم سے کوئی زکاۃ وصول نہیں کرسکتا۔ اللہ کے رسول نے پیشین گوئی نہیں فرمائی تھی کہ میرے بعد زکاۃ کا انکار کرنے والی ایک امت پیدا ہوگی، نیز کوئی ہدایت بھی نہیں دی تھی کہ تم کو ان کے بارے میں کیا کرنا ہے؟ اسی طرح کتاب اللہ کے اندر اس سلسلے میں کوئی حکم موجود نہیں تھا،

(۱) سورة التوبة: ۱۰۳.

رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس سلسلے میں کوئی اشارہ مذکور نہیں تھا کہ منکرینِ زکاۃ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؛ لیکن حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
لَأُقَاتِلَنَّهُمْ.

''میں ان کے خلاف قتال کروں گا''۔
لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ.

''جو نماز اور زکاۃ کے درمیان تفریق کرے گا اور کہے گا کہ میں نماز پڑھوں گا، لیکن زکاۃ نہیں دوں گا میں اس کے خلاف قتال کروں گا، جہاد کروں گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا:
''اے خلیفۂ رسول! كَيْفَ تُقَاتِلُ مَنْ قَالَ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ یہ تو کلمہ پڑھنے والے ہیں، لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے ہیں، ان سے آپ کیسے قتال کریں گے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ؟

زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے زبردست بنتے تھے، اور اسلام میں کمزور ہو گئے ہو؟ میں اس شخص کے خلاف بھی قتال کروں گا، جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بکری کا ایک بچہ زکاۃ میں دیتا تھا، اور آج انکار کر رہا ہے۔[1]

چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، اور اپنی رائے سے کیا، اپنے اجتہاد سے کیا، اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا۔

اس سلسلے میں کتاب اللہ میں کوئی صراحت موجود نہیں تھی کہ منکرینِ زکاۃ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ نہیں فرمایا تھا کہ منکرینِ زکاۃ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

---

(۱) صحيح البخاري، باب وجوب الزكاة: ۴۰۶/۳، رقم: ۱۳۹۹.

ایک نئی صورتِ حال میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَن لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ. فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ.(۱)

''مجھے یہ حکم ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ پہلے کلمہ کی گواہی دیدیں، پھر نماز قائم کریں، پھر زکاۃ ادا کریں، جب سب کام کرلیں گے، ان سب کو مان لیں گے تب ان کی جان ومال کی حفاظت کی گارنٹی دی جائے گی''۔

یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو ابھی کافر ہے، اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جارہی ہے، اس کو بتایا جارہا ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، کلمے کا اقرار کرلینے کے بعد اسلام کے اہم ارکان کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ یہاں ایک نئی صورتِ حال سامنے آئی ہے کہ ایک جماعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کلمہ پڑھنے کے ساتھ نماز بھی پڑھتی تھی، زکاۃ بھی دیتی تھی، اب بھی وہ کلمہ پڑھ رہی ہے، نماز پڑھ رہی ہے، اور کہہ رہی ہے کہ زکاۃ نہیں دوں گی؛ اس لیے نہیں دوں گی کہ قرآن میں آیا ہے کہ آپ زکاۃ وصول کرکے دعا دیجیے اور آپ کے بعد کوئی اس مقام کا دعا دینے والا نہیں ہے؛ اس لیے ہم زکاۃ نہیں دیں گے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں فیصلہ فرمایا اور ساری امت نے ان کا ساتھ دیا۔ بتلایئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں کوئی حکم تھا؟ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا عمل یہ ہوا، اور ان کے اپنے اجتہاد سے ہوا۔

---

(۱) صحيح البخاري، باب ﴿فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ ۱/۲۳۶، رقم: ۲۵.

دَورِ صدیقی میں جمعِ قرآن کا عمل:

اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت بھیجی، جنگ ہوئی، اسی جنگ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذّاب کو قتل کیا ہے، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا کفارہ ادا کیا ہے، ان ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، وحشی کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے دل میں یہ بات تھی کہ میں نے سب سے بہتر انسان کو قتل کیا ہے، تو سب سے بدتر انسان کو بھی میں ہی قتل کروں۔ مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشی نے اسی جنگ میں قتل کیا ہے، (۱) بہت بھیانک لڑائی ہوئی تھی، ستّر حفاظ شہید ہو گئے تھے، جن کو قراء کہا جاتا تھا۔

اختتامِ جنگ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے خلیفۂ رسول! جنگ بہت شدید ہوئی، لڑائی لوگوں کے درمیان بہت شدید ہوئی، بہت گرما گئی، یہاں تک کہ ستّر قراء شہید ہو گئے۔ اسی طرح اگر کئی ایک جنگیں ہو گئیں تو قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے؛ لہٰذا آپ قرآن کو ایک جگہ اکٹھا کروا دیجیے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں کیا جواب دیا؟ ان کا پہلا جواب تھا: كَيْفَ أَفْعَلُ؟ وہ کام میں کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں قرآن کو ایک جگہ جمع نہیں کروا سکتے تھے؟ جیسے قرآن لکھا جا رہا تھا، آپ فرما دیتے کہ اس کی ایک جلد بنا ڈالو، ایک جگہ اس کو اکٹھا کر لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں جب قرآن کو ایک جگہ اکٹھا نہیں کیا تو یہ کام میں کیسے کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی دلیل نہیں دی، صرف اتنا کہا: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ. حضرت یہی بہتر ہے، یہی بہتر ہے۔ حَتّىٰ شَرَحَ اللهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ. یہاں تک کہ اللہ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے کو کھول دیا، اور وہ بھی

---

(۱) صحيح البخاري، باب قتل حمزة: ۸/۱۵۰، رقم: ٤٠٧٢.

متفق ہو گئے کہ ہاں قرآن کو جمع کرنا چاہیے، ایک نیا کام ہے، اور ایسا کام ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہ خود کیا ہے، نہ اس کی وصیت فرمائی، اور نہ اس کا حکم دیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد قرآنِ پاک کو ایک جگہ جمع کرلیا جائے، حکم نہیں دیا تھا۔لیکن دونوں حضرات متفق ہو گئے۔ اور اس کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

حضرت زید بن ثابت ﷺ کے انتخاب کی وجہ:

شرح صدر ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوایا (پورا واقعہ بخاری شریف میں موجود ہے) ان کو بلا کر پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو نقل کی، دیکھو! یہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ جنگ یمامہ میں ستّر قراء شہید ہو چکے ہیں، اگر اسی طریقے سے قراء شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے؛ لہٰذا آپ قرآن کو ایک جگہ جمع کروا دیجیے۔ تو میں نے کہا کہ وہ کام میں کیسے کروں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے؟ تو عمر نے یہ کہا کہ یہی بہتر ہے، یہی بہتر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا۔ زید بن ثابت! تم جوان ہو، عقل مند ہو، اور ہم تم کو متّہم بھی نہیں کرتے، یعنی دیانت دار بھی ہو، قرآن کی کتابت میں خیانت بھی نہیں کروگے، اور تم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی کتابت کیا کرتے تھے، اس کا تجربہ بھی ہے۔ چار صفتیں بیان کیں کہ تم جوان ہو، عقل مند ہو، سمجھ دار ہو اور متّہم بھی نہیں ہو، دیانت دار بھی ہو۔ اور کتابت قرآن کا تجربہ بھی ہے، قرآن کو جمع کرو ''مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ'' جو لوگوں کے سینوں میں موجود ہے، ان کو بھی لے آؤ، اور جو چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا ہوا ہے اس کو بھی لے آؤ، اور جو پتھر کے ٹکڑوں پر لکھا ہوا ہے اس کو بھی لے آؤ، اور اس کو اکٹھا کر کے مرتب طریقے پر جمع کرو۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو جو جواب دیا تھا وہی جواب حضرت زید بن

ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو دیا، وہ کہنے لگے: كَيْفَ تَفْعَلَانِ مَالَمْ يَفْعَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، وہ کام آپ کیسے کریں گے؟ دیکھیے یہ بات دونوں کے سامنے ہے کہ یہ کام حضور ﷺ نے نہیں کیا ہے، اور اس کا حکم نہیں دیا ہے، اب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ، هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ. یہی بہتر ہے، یہی ہونا چاہیے، یہی ہونا چاہیے۔ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے زید بن ثابت کا بھی سینہ کھول دیا، وہ بھی مطمئن ہو گئے؛ لیکن فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات مجھ سے یہ کہتے کہ فلاں پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ لے جاؤ، تو میرے لیے اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا یہ کام میرے لیے بھاری ہوا۔[1]

بہر حال تعمیل ارشاد میں انھوں نے محنت کی، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے سن سن کر، اور ٹکڑوں کو اور کتابت کو اکٹھا کر کے قرآن کو ایک جگہ جمع کیا اور اِس طرح قرآن صحابہ اور خلفائے راشدین کے عمل سے ہم تک پہنچا ہے، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل اور حکم کے ذریعہ، اگر سنت خلفائے راشدین سنت نہیں ہے، تو پھر آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ قرآن حجت نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ قرآن اس شکل میں اللہ کے رسول ﷺ کا دیا ہوا نہیں ہے، اور آپ کو اس کا اعتراف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو اپنی حیاتِ طیبہ میں قرآن کو بین الدفتین جمع کروایا تھا، اور نہ اس کا حکم دیا تھا۔ اگر یہ اصرار ہے کہ ہم اسی شکل میں دین کو مانیں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ دے کر گئے تھے تو اس قرآن کو درمیان سے نکال دو، پھر بتلاؤ وہ قرآن کہاں ہے جس کو رسول اللہ ﷺ دے کر گئے تھے؟ موجودہ قرآن کے متعلق تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے و اجتہاد سے جمع کرنے کا حکم دیا تھا، جس پر تمام صحابہ نے اتفاق کر لیا تھا۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۲/۲۷۵، رقم: ٤٦٧٩.

خلفائے راشدین کی سنت کا معیار:

لہٰذا ایک غلط فہمی یہ بھی دُور ہو جانی چاہیے کہ حدیثِ نبوی عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ.[۱] (لازم پکڑو میری سنت کو، اور لازم پکڑو خلفائے راشدین کی سنت کو) کا مطلب یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی اور اس پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی عمل کیا ہے، اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، صرف خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے، یہ غلط ہے؛ کیوں کہ قرآن کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، قرآن کے ساتھ خلفائے راشدین نے وہ عمل کیا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا تھا، اور ان کو اقرار ہے کہ حضور ﷺ نے یہ عمل نہیں کیا ہے، اس کے باوجود ان لوگوں نے جو کچھ کیا اخلاص کے ساتھ کیا، دین کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھ کر کیا اور ساری امت نے اس کو قبول فرمایا۔

بس یہی معیار ہے کہ: عمل کرنے میں وہ مخلص ہوں، اور دین کا کام سمجھ کر دین کی حفاظت کے لیے کریں، اور امت اس کو قبول کر لے۔ جو عمل اس معیار پر آئے گا، وہ خلفائے راشدین کی سنت بنے گا، دین کا اسی طرح جزء بنے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے کتاب اللہ اور سنت کو چھوڑ کر گئے ہیں، اسی درجے میں رکھا جائے گا، اور یہی مصداق ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ کا۔

قرآنِ کریم کی جمع وترتیب کا معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہوا، ابھی تو اسے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ کر رکھ دیا گیا ہے، ابھی اس قرآن میں نہ کہیں نقطہ تھا، نہ کہیں زیر زبر تھا، نہ تیس پارے تھے، نہ کوئی رکوع تھا، نہ آدھے اور چوتھائی کا کوئی نشان تھا، صرف آیات کو جمع کر دیا گیا۔ یہ قرآن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة ٤/٢٠٠، رقم: ٤٦٠٧، ط: المكتبة العصرية، بيروت.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کا جو نسخہ تیار کروایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا؛ اس لیے اسے اپنی صاحب زادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا تھا۔ (۱)

عہدِ عثمانی میں لغتِ قریش پر جمعِ قرآن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ بہت دُور تک پھیل گیا اور عجم کے بہت سے ممالک اسلام میں داخل ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب قرآن اترا ہے تو اصل لغت قریش میں اترا؛ کیوں کہ عرب کی تمام زبانوں میں لغت قریش سب سے فصیح و بلیغ زبان تھی؛ لیکن عرب کے مختلف قبائل کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، جس طرح ہمارے یہاں ایک زبان، اردو ہے؛ لیکن لکھنؤ والوں کے بولنے کا انداز اور ہے، دلی والوں کا انداز اور ہے، حیدر آباد والوں کا انداز اور ہے، سب اردو کہلاتی ہے، مگر تھوڑا تھوڑا ان کے درمیان فرق ہے۔ اسی طرح عربی زبان تھی، کہ مختلف قبائل کی زبان میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا۔ عرب کے سات قبائل تھے جن کی زبان عام طور سے رائج تھی، اور ان کو لغات عرب کہا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے اجازت چاہی کہ مجھ کو ہر لغت میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی جائے، چناں چہ عرب کی سات لغات میں اس کو پڑھنے کی اجازت ملی، (۲) اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحيح البخاري: ۹/۲۸۰، رقم: ٤٦٧٩.

(۲) صحيح مسلم، باب بيان أن القرآن على سبعة أحرف وبيان معناه: ۲/۲۰۳، رقم: ۲۷٤، ط: دارالطباعة العامرة، تركيا، ۱۳۳٤هـ.

إن هٰذا القرآن أنزل علىٰ سبعة أحرف فاقرءوا ماتيسّر منه.(۱)

”قرآن سات طرح نازل ہوا ہے، جس طرح سہولت ہو، پڑھو“۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عجم کے ممالک فتح ہوئے، اور عجمی لوگ جو عرب کی زبان سے واقف نہیں تھے، وہ قرآن کو سن کر نقل کرنا چاہتے تھے، اس بنا پر ان کے زمانے میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ان کے سامنے قرآن جب مختلف لغات میں پیش کیا جائے گا تو کہیں یہ بہک نہ جائیں کہ اس میں اصل قرآن کون سا ہے؟ یہ ایسے پڑھ رہے ہیں، وہ ویسے پڑھ رہے ہیں، اس میں کون سا قرآن ہے؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشورہ ہوا، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ امیر المومنین! أَدْرِكْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ، حضور ﷺ کی امت کو سنبھال لیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے درمیان اختلاف ہو جائے، جیسا کہ یہود ونصاریٰ کے درمیان توریت اور انجیل کے بارے میں ہوا، انھوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ جو مختلف انداز سے قرآن پڑھا جا رہا ہے، لوگ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھیں گے، کہیں قرآن کے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں، لہٰذا آپ اسے صرف لغت قریش پر جمع کر دیجیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، اور ان سے فرمایا کہ قرآن صرف لغت قریش کے مطابق لکھا جائے، اور اس کے سات یا پانچ نسخے تیار کروائے، اور جہاں جہاں تک اسلام پھیلا تھا، ہر علاقے میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا، اور اس کے ساتھ یہ فرمان جاری کیا کہ صرف یہی قرآن ہے، اور اس کے علاوہ جس نے اپنے طور سے جو کچھ لکھ رکھا ہے، اس کو ختم کر دے۔(۲)

(۱) صحيح البخاري، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف ۲۷۱/۱۰، رقم: ٤۹۹۲.

(۲) صحيح البخاري، باب جمع القرآن، جلد ۱۰، صفحه ۲٦۲، رقم: ٤۹۸۷.

صحابۂ کرام کے درمیان اختلافِ قرأت:

یہاں اہم بات یہ ہے کہ حضور ﷺ جو قرآن چھوڑ کر گئے تھے، وہ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ یعنی سات طرح پڑھا جاتا تھا، اور مختلف صحابہ کے یہاں الگ الگ سورتوں کی ترتیب تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس سورتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، جس کو تہجد کی دس رکعتوں میں پڑھتے تھے، دو سورت ایک ساتھ، بخاری شریف میں ان کا تذکرہ موجود ہے، حاشیے پر اس کی ترتیب موجود ہے، (۱) وہ ترتیب موجودہ قرآن کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے، اسی طرح بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرأت اس سے کچھ الگ تھی۔ (۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝۳﴾ اس میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳﴾ نہیں تھا، اسی طرح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی پڑھتے تھے، (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمان جاری کرنے کے بعد وہ ساری قرأتیں ختم کردی گئیں، اور صرف لغت قریش پر قرآن کو باقی رکھا گیا، اور چوں کہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اخلاص کے ساتھ تھا، دین کی صیانت وحفاظت کے لیے تھا، اس لیے امت نے اسے قبول کرلیا، اور وہ دین بن گیا۔

اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا، تو پھر اس قرآن کو چھوڑ دیجیے، اور اس قرآن کو لائیے، جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے اور فرمایا تھا: تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ. (۴) اللہ کی کتاب

(۱) صحيح البخاري، باب تاليف القرآن، ۱۰/۲۷٦، رقم: ٤۹۹٦، فتح الباري ۹/٤۲.

(۲) أيضًا ۱۰/۲۷٥، رقم: ٤۹۹٥.

(۳) أيضًا، باب قوله: ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳﴾ ۱۰/۱۸۱، رقم: ٤۹٤٤.

(۴) موطأ مالك، باب النهي عن القول بالقدر ۲/۸۹۹، رقم: ۳.

میں نے تمہارے درمیان چھوڑی ہے۔آپ کہنے لگیں کہ لاؤ وہ کتاب کہاں ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، وہ کتاب اللہ وہی ہے، جس میں دخل ہے حضرت ابوبکر کا، حضرت عمر کا، زید بن ثابت کا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا، اگر ان کو درمیان سے نکال دیا جائے، تو قرآن ختم ہو جائے گا، کوئی قرآن آپ کے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔

موجودہ قرآنِ کریم میں حجاج کا دخل:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دور اور آگے چلا، حتیٰ کہ خلفائے راشدین کا دور ختم ہو گیا، عجمیوں کا زمانہ آیا، جو بغیر نقطوں کے الفاظِ قرآن میں فرق نہیں کر سکتے تھے، وہ فَاقْتُلُوْا اور فَاقْبَلُوْا میں فرق نہیں کر سکتے تھے کہ فَاقْتُلُوْا ہے یا فَاقْبَلُوْا ہے، وہ يَعْلَمُوْنَ اور تَعْلَمُوْنَ میں فرق نہیں کر سکتے تھے؛ لہٰذا عجمیوں کی رعایت کے لیے حجاج بن یوسف کے زمانے میں قرآن میں نقطے لگائے گئے۔(۱) وہ کوئی صحابی نہیں ہے، ظالم ترین شخص ہے؛ لیکن اللہ نے اس سے یہ کام لیا، اور حاشیہ پر نقطے نہیں لگے، بل کہ قرآن کے اندر نقطے لگائے گئے، اور ہر حرف کے اوپر اس کا نقطہ رکھا گیا۔کس لیے یہ کیا گیا؟ قرآن کی حفاظت کے لیے، اخلاص کے ساتھ یہ کام کیا گیا، امت نے قبول کر لیا، قرآن کے اندر وہ داخل ہو گیا، اور آج قرآن میں وہ نقطے لگے ہوئے ہیں۔قرآن کے حروف پر زیر زبر نہیں تھا، اس پر زیر زبر لگایا، اس لیے کہ جو نحو وصرف سے واقف نہ ہو، گرامر سے واقف نہ ہو، وہ قَتَلَ اور قُتِلَ میں فرق نہیں کر سکتا۔وہ مجہول ومعروف میں فرق نہیں کر سکتا۔وہ حاشیہ پر نہیں لگایا گیا، قرآن کے اندر لگایا گیا، اب جو قرآن ہمارے پاس ہے، وہ حضرت ابوبکر وعمر کا جمع کیا ہوا، حضرت عثمان کا لغتِ قریش پر لکھوایا ہوا، حجاج بن یوسف کا نقطہ لگایا ہوا، اور اس کے بعد کا زیر زبر لگایا ہوا۔

---

(۱) مناهل العرفان في علوم القرآن: ٤٠٦/١، ط: معطبعة عيسى البابي الحلبي، الطبعة الثالثة.

میں پوچھتا ہوں کہ یہ قرآن ہے یا نہیں؟ کیا اسی شکل میں اللہ کے رسول ﷺ دے کر گئے تھے؟ ہمارے پاس جو قرآن ہے وہ کیسے قرآن بنا؟ اجماعِ امت کے ذریعے بنا، اگر اجماعِ امت حجت نہیں ہے، تو قرآن حجت نہیں ہے، میری اس بات کو کاٹ سکتے ہو، تو کاٹ دو، اگر اجماعِ امت حجت نہیں ہے، امت اگر اجماعی طور پر کوئی فیصلہ کرے وہ حجت نہیں ہے، تو وہ قرآن لاؤ جو حضور ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، وہ قرآن کہاں ہے؟ اور یہی نہیں کہ خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین کے بعد اس زمانے میں جو تابعین موجود تھے، حجاج ظالم تھا؛ لیکن اس زمانے میں بعض صحابہ بھی موجود تھے، تابعین بھی موجود تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے، جو صحابہ زندہ تھے، جو صالحین امت زندہ تھے، خیر الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم. سب لوگوں نے اس کو قبول کیا، اس پر اتفاق کیا، تب یہ قرآن قرآن بنا، اور ہمارے درمیان ہے۔ اور آج اس کی دہائی ہم بھی دے رہے ہیں، آپ بھی دے رہے ہیں، کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرو۔

قرآن کے اندر خیر القرون کا عمل دخل:

اگر اجماع کو درمیان سے ہٹا دیتے ہیں، اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو درمیان سے ہٹا دیتے ہیں، "صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو جو حضور ﷺ نے نہیں کیا ہے" یہ بار بار دہرا رہا ہوں کہ سنۃ الخلفاء الراشدین سے یہ مراد لینا، یا یہ سمجھنا کہ جو سنت حضور ﷺ نے کی تھی اسی پر صحابۂ کرام نے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عمل کیا، تو وہ سنت بنی ہے، اور اگر صحابی نے کوئی عمل کیا، اور حضور ﷺ نے وہ عمل نہیں کیا تھا تو ہم تو سنتِ رسول کو اپنائیں گے، سنت صحابہ کو نہیں اپنائیں گے، تو قرآن سے ہاتھ دھو لیجیے، اور اس قرآن کو تلاش کیجیے جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، یہ تو اصل قرآن کی بات ہے۔

مکمل قرآن کی تیس پاروں میں تقسیم:

بعد میں ضرورت کے تحت تیس دنوں میں پڑھنے کے لیے پاروں کا نشان لگایا گیا،

تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا، رکوع مقرر کیے گئے، نصف اور چوتھائی کا نشان قائم کیا گیا، اس کو کسی نے بدعت نہیں کہا۔ یہ تیس پاروں میں کیوں تقسیم کر رہے ہو؟ حضور ﷺ جب قرآن چھوڑ کر گئے تھے تو ایک سو چودہ سورت چھوڑ کر گئے تھے، یہ تیس پارے کہاں سے آ گئے؟ پاروں کے اندر آدھا اور چوتھائی کہاں سے آ گیا؟ ایک ایک پارے میں رکوعات کہاں سے آ گئے؟ یہ بدعت نہیں کہلائی؛ اس لیے کہ امت نے دین کی بھلائی کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا تھا، اور ساری امت نے اس کو قبول کر لیا۔ جس زمانے میں یہ کام ہوا تھا، وہ نہ صحابہ کا دور تھا، نہ تابعین کا، بل کہ وہ ان کے بعد کا دَور تھا؛ (۱) لیکن جو علماء تھے، فقہاء تھے، اربابِ حل وعقد تھے، انھوں نے اس کو قبول کر لیا، یہ اجماعِ امت بنا، اور آج تک قرآن کے اندر موجود ہے، اب کسی کو یہ ہمت نہیں ہے کہ یہ کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد یہ نقطہ بڑھایا گیا ہے، اسے نکالو، زیر زبر بعد میں لگائے گئے ہیں، اسے نکالو، یہ رکوع کا نشان بعد میں لگایا گیا ہے، اسے ہٹادو، اور یہ تیس پاروں کی تقسیم بدعت ہے، حضور ﷺ نے نہیں کی ہے، اسے ہٹادو، میں ایسی آسان سی بات آپ کے سامنے عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو براہِ راست ذہن میں اتر سکے، اور کوئی بھی معمولی عقل والا ہو اس کو سمجھ میں آ جائے۔

حدیث کی نقل وروایت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل دخل:

قرآنِ پاک کے بعد حدیث شریف کا درجہ ہے، آپ بتائیے کیا حضور ﷺ بخاری شریف چھوڑ کر گئے تھے؟ یا مسلم شریف چھوڑ کر گئے تھے؟ یا ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور ابنِ ماجہ دے کر گئے تھے؟ کیا حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ میری احادیث کا مجموعہ تیار کرو؟

---

(۱) علامہ ابنِ تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں کہ: قرآن کی تیس اجزاء پر تقسیم حجاج بن یوسف کے دَور میں ہوئی۔

(مجموع فتاویٰ ابنِ تیمیہ: ۱۳/ ۴۰۹)

آپ نے تو فرمایا تھا:

لا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ شَيْئًا سِوَى الْقُرْآنِ.(۱)

''میری طرف سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھنا''۔

ظاہر حدیث کی رُو سے کتابت حدیث ممنوع ہوگئی، حدیث کا لکھنا جائز نہیں، کیوں کہ صریح نہی موجود ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے، اور انھوں نے مجموعہ تیار کرلیا تھا،(۲) حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، ان کو منع نہیں فرمایا تھا، نیز دو موقع پر اور کتابت ہوئی، آپ نے شاہانِ عجم کے نام دعوتی خطوط روانہ فرمائے:

''مِن مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ إِلىٰ هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ. سَلَامٌ عَلىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدىٰ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيْسِيِّيْنَ. ﴿يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ﴾''.(۳)

خط لکھوا کر آپ نے بھیجا، اسی طرح جب آپ نے خطبہ حجۃ الوداع دیا ہے تو یمن کے ابوشاہ نامی ایک صاحب نے کہا: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ! اُكْتُبُوْا لِي. حضور ﷺ اس کو لکھوا دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاه. ابوشاہ کے لیے اسے لکھ کر دے دو۔(۴)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم ۲۱۶/۱، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ۱۹۹۰ء.

(۲) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كتابة العلم: ۳۶۰/۱، رقم: ۱۱۳.

(۳) صحيح البخاري، باب بدء الوحي: ۲۰۲/۱، رقم: ۷.

(۴) سنن أبي داؤد، باب تحريم حرم مكة، ۲۱۲/۲، رقم: ۲۰۱۷، ط: المكتبة العصرية، بيروت.

محدثین نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی کتابتِ حدیث کو اور حضور ﷺ کے ان دونوں واقعات کو بنیاد بنا کر احادیث کو جمع کرنے کا کام کیا، اگر یہ سہارے نہ ہوتے تو حضور ﷺ کی حدیث ہے:

لَاتَكْتُبُوْا عَنِّيْ شَيْئًا إِلَّا الْقُرْآنِ.

''میری طرف سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو''۔

ہم بھی اس کی تاویل کرتے ہیں اور آپ بھی تاویل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ جہاں قرآن لکھا جارہا ہے اس کے ساتھ احادیث کو مت لکھو، تاکہ قرآن وحدیث خلط ملط نہ ہوجائیں؛ لیکن یہ تو ہم اور آپ کہہ رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے تو اتنا ہی ارشاد فرمایا تھا کہ میری طرف سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو، جو لکھوانا تھا وہ آپ نے خود لکھوادیا ہے، اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آپ نے اجازت دی ہے، یہ اجازت تو ان کی خصوصیت بھی ہوسکتی ہے، آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کو اجازت دے کر اپنی ممانعت کو واپس لیتا ہوں، اب جس کا جی چاہے احادیث کو لکھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں عام طور پر احادیث کو لکھنے کا دستور نہیں تھا، اللہ نے ان کو بے پناہ قوتِ حافظہ عطا فرمائی تھی، اور حفاظت قرآن اور حفاظت حدیث کے لیے اللہ نے ان کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا؛ لہٰذا اسی سے کام چلتا رہا، جو بات حضور ﷺ سے سن لی، اور جو عمل دیکھ لیا، اس کو اپنے سینے میں محفوظ کرلیا، اس پر عمل کررہے ہیں، اور دوسروں کو سنا رہے ہیں۔

رسول کی ممانعت کے باوجود تدوینِ حدیث:

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، قویٰ میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا، تو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ اور تابعین کے اقوال اور ان کے آثار بھی

لکھے اور ضبط کیے جانے لگے، اس بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کرو،(۱) اور صرف احادیث کو جمع کرنا، اس کے ساتھ کسی اور چیز کو مت لکھنا، اِس طرح باقاعدہ تدوین حدیث کا آغاز ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَاتَكْتُبُوْا عَنِّيْ شَيْئًا إِلَّاالْقُرْآنِ. اور آپ کے اس فرمان کا منشا کیا تھا؟ اسے صحابہ نے سمجھا اور صریح ممانعت کے باوجود ان میں سے بعض نے احادیث کو لکھا، اور پھر تابعین کے دور میں باقاعدہ کتابت کا آغاز ہوگیا، پوری امت لگ گئی، ان کا سب سے محبوب مشغلہ یہ تھا کہ حلقہ ہائے حدیث قائم ہوں، حضور ﷺ کے ارشادات کو سنیں اور لکھیں، انہوں نے اس خدمت کو اخلاص کے ساتھ کیا، دین کی ضرورت سمجھ کر کیا، احادیث کی حفاظت کے لیے کیا اور پوری امت نے اس کو قبول کیا، اجماع امت ہوگیا۔ اور یہ وہ عمل تھا جس کا حضور ﷺ نے حکم نہیں دیا تھا۔

اور سنت جو حضور ﷺ چھوڑ کر گئے ہیں، دو شکل کے اندر تھی: یا تو آپ کے الفاظ اور ارشادات تھے، یا آپ کے اعمال تھے، ان اعمال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو طرح سے نقل کیا۔

عمل کے ذریعے دین کی تبلیغ و ترسیل:

کچھ وہ چیزیں تھیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بول کر امت کو بتایا، کچھ وہ چیزیں تھیں جن کو انھوں نے کر کے دکھایا، ان چیزوں کا حکم بھی رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درمیان سے نکال دیا جائے تو سنت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) موطأ مالك، رواية محمد بن الحسن الشيباني، باب اكتتاب العلم، ص ۳۳۰، رقم: ۹۳۶. ط: المكتبة العلمية، بحرين.

لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهىٰ.(۱)

''نماز میں وہ لوگ میرے قریب ہوں جو سمجھ دار ہوں، عقل والے ہوں؛ تاکہ میری نماز کو غور سے دیکھیں، اور اس لیے دیکھیں؛ تاکہ خود پڑھیں اور بعد والے ان کو دیکھ کر نماز پڑھیں''۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

اِئْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَن بَعْدَكُمْ.(۲)

''تم میری پیروی کرو، مجھ کو دیکھ کر نقل کرو، اور بعد والے تمہاری نقل کریں گے''۔

یہ نہیں فرمایا کہ میری نماز دیکھ کر لوگوں سے بیان کرو، اس کو زبان کے ذریعے نقل کرو۔
آپ نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ.(۳)

''جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو، اُسی طرح تم نماز پڑھو''۔

صحابہ نے حضور ﷺ کی نماز کو دیکھا، اور نماز پڑھی۔ سنت کو محفوظ کیا اپنے عمل کے ذریعے، اور ان کے تلامذہ نے ان کو دیکھا، اور دیکھ کر اس کی نقل کی، سنت کو محفوظ کیا عمل کے ذریعے، ان کے تلامذہ نے ان کو دیکھا، اور دیکھ کر محفوظ کیا عمل کے ذریعے؛ چناں چہ متعدد روایتوں میں آتا ہے، کہ ایک صحابی آتے ہیں، اور اپنے شاگردوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں:

أَلا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

''کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟''

---

(۱) صحيح مسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأوّل فالأول: ۳۰/۲، رقم: ۱۲۳.

(۲) صحيح البخاري ۲۵۱/۱، رقم: ٦٨١، ط: دار ابن كثير.

(۳) صحيح البخاري: ۲۱۱/۲، رقم: ۲۳۱.

شاگرد کہتے ہیں:

بَلٰی ضرور دکھلائیے۔

چناں چہ وہ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک نماز پڑھتے ہیں، اور شاگرد دیکھتے ہیں۔ (۱)

عملی تواتر سے وضو کی تعلیم:

یہ کیا ہے؟ یہ کیا کر رہے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم دین کو کس چیز کے ذریعے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے عمل کے ذریعے، پھر ان کو دیکھ کر ان کے چھوٹوں نے سیکھا۔ پھر ان کو دیکھ کر ان کے چھوٹوں نے سیکھا۔ کوئی آ کر کہتا ہے کہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھلاتا ہوں؛ بل کہ عمرو بن ابی حسن، حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم سے کہتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے:

أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟

''ہمیں بتائیے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے وضو کرتے دیکھا ہے؟''

فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّن مَّاءٍ

انہوں نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور وضو کیا (وضو کر رہے ہیں اور لوگ دیکھ رہے ہیں) اس کے بعد کہا:

هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ. (۲)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے دیکھا ہے''۔

یہ وضو نقل ہو رہا ہے، کس چیز کے ذریعے؟ الفاظ کے ذریعے؟ نہیں بل کہ عمل کے

---

(۱) مسند أبي داؤد الطيالسي، أبومسعود البدري، ۲/۱۵، رقم: ٦٥٤، ط: دارهجر، مصر، ۱۹۹۹م، سنن الترمذي ۲/٤٠، رقم: ۲٥۷.

(۲) صحيح البخاري، باب الوضوء من التور:۱/ ٤٦۳، رقم: ۱۹۹.

ذریعے نقل ہورہا ہے، اوراسی طریقے سے ان کے بعد والوں نے ان سے سیکھا، اور ان کے بعد والوں نے ان سے سیکھا۔ یہ دین اسی طریقے سے صحابہ سے تابعین میں، اور تابعین سے تبع تابعین میں، اوراس کے بعد کے لوگوں میں آیا، اور آج تک اسی طرح منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

عملی تواتر کی ضرورت اوراس کا سبب:

احادیث میں ساری چیزیں نہیں ملیں گی، حدیث کی کتابوں میں ہر بات نہیں ملے گی، اوراگرآپ کہتے ہیں کہ ملیں گی، تو میں کہتا ہوں کہ حدیث کے ذخیرے میں سے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابنِ ماجہ، یہ تو صحاحِ ستہ ہیں، چھوٹی سے چھوٹی، کمزور سے کمزور، ضعیف سے ضعیف؛ بل کہ موضوع روایت پیش کردیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ قول کے ذریعہ اللہ اکبر سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک بیان کیا گیا ہو، کوئی یک حدیث کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو کانوں تک یا مونڈھوں تک یا سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے، اوراللہ اکبر کہتے تھے، اس کے بعد سینے پر یاناف پر یاناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ کہتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ یا إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ یا اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ، اس کے بعد کہتے تھے: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، پھر سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، پھر کوئی سورہ ملاتے تھے، پھر الله أكبر کہتے تھے اور کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے یا نہیں اٹھاتے تھے، (میں تمام مسالک متبوعہ کے مطابق بیان کررہا ہوں) پھر رکوع میں جاتے تھے، جب رکوع میں جاتے تھے تو آپ کا گھٹنا ایسے ہوتا تھا، ہاتھ یوں ہوتا تھا، نگاہ فلاں جگہ ہوتی تھی، اور پشت فلاں کیفیت پر ہوتی تھی، اور آپ تین دفعہ سبحان ربي العظيم کہتے تھے۔

جس طریقے سے فقہ کی کتابوں میں نماز کی پوری تفصیل موجود ہے، اور جس طرح

ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے، اور ایک باشعور بچہ بھی جانتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے، حدیث کی کسی کتاب میں مجھے دکھا دیجیے کہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بیان کیا ہو۔ نماز آپ کے پاس کیسے پہنچی؟ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں تمام تفصیلات کہاں ہیں؟ نماز سب سے پہلا فریضہ ہے، اس نماز کو حدیث میں آپ دکھلا دیجیے، کہ فلاں حدیث میں نماز موجود ہے، اگر نہیں دکھا سکتے تو یہ بتائیے کہ یہ نماز معتبر ہے یا نہیں؟ آخر یہ کیسے مستند ہوئی؟ اسی طریقے سے مستند ہوئی کہ ہر بعد والے نے پہلے والے پر اعتماد کیا، ہم نے اپنے پہلے والے پر اعتماد کیا، انھوں نے اپنے پہلے والے پر اعتماد کیا؛ یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک بات پہنچ گئی، اسی طرح دین آیا ہے۔

عملی پیروی ترسیلِ دین کا ذریعہ:

ایک صاحب کسی صحابی سے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست اور طور طریق کیا تھا؟ انھوں نے کہا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو؟ کہا: ہاں۔ تو صحابی نے کہا کہ ایسا کرو، صبح کے وقت جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلیں تو تم ان کے ساتھ ساتھ ہو لو، اور دیکھتے چلو کہ وہ کیسے چلتے ہیں؟ کیسے اٹھتے ہیں؟ کیسے بیٹھتے ہیں؟ کیسے بولتے ہیں؟ ہر عمل کو غور سے دیکھنا، جیسا ان کو کرتے ہوئے دیکھنا تو سمجھ لینا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے؛ کیوں کہ

إِنَّ أَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْياً بِرَسُوْلِ اللهِ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ.(۱)

”وہ رسول اللہ ﷺ سے چال ڈھال، طور طریق کے اعتبار سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، یہ مشابہت سب سے زیادہ ان کے اندر تھی“۔

تواترِ عملی حفاظتِ دین کی بنیاد:

بہر حال! ان ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے ذریعے شریعت آئی، یکے بعد دیگرے

---

(۱) صحيح البخاري، باب الهدي الصالح: ١٢/١٦٠، رقم: ٦٠٩٧.

ہو کر آئی، بعد والوں نے ان کی نقل کی، ان کے بعد والوں نے ان کو دیکھا، اس طرح دین ہم تک چلا آ رہا ہے، یہ ہے تواترِ عملی، یہی ہے دین کی حفاظت۔ اور اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں، ہم کو تو وہ دین چاہیے جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، براہِ راست وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ چاہیے جو آپ ﷺ دے کر گئے تھے، اور درمیان کے سارے واسطے ہٹا دیں گے، تو نماز کا منصوص طریقہ ہم کو بتا دیجیے، کون سی حدیث میں نماز کا طریقہ آیا ہے؟ یہ ملے گا کہ آپ نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہتے تھے، یہ ملے گا کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت آپ رفع یدین کرتے تھے، اور یہ ملے گا کہ صرف شروع میں رفع یدین کرتے تھے، اور یہ ملے گا کہ آپ سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ اجزاء ہوئے، مکمل نماز جو ہمارے اوپر فرض ہے، وہ کہاں سے ملی ہے؟ سوائے اس کے کہ ہم دین اس کو مانیں جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، اور صحابہ نے اس کو لیا، اور صحابہ سے ان کے بعد والوں نے لیا، اور یہ دین جس کی حفاظت کی ضمانت لی گئی ہے، وہ حفاظت کتاب کے ذریعے نہیں ہو رہی ہے، بل کہ تواترِ عملی کے ذریعے ہو رہی ہے، اگر اس کو درمیان سے نکال دیں گے، عمل کو ترک کر دیں گے اور تواترِ عملی کو ترک کر دیں گے، تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

تراویح اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

دو تین مثالیں میں نے پیش کی ہیں، کہ جس زمانے میں حالات کا جو تقاضا ہوا، اور اس زمانے کے جو دین دار لوگ تھے، انھوں نے اس کو دین کی ضرورت سمجھا، اور اس کو اختیار کیا، اور امت نے اس کو قبول کیا تو وہ دین ہے۔ اب اسی میں وہ اعمال آ جاتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک تراویح کی باقاعدہ جماعت نہیں ہوتی تھی، لوگ اپنے اپنے طور پر تراویح کی نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت گشت کے لیے نکلتے

ہیں، رمضان کا مہینہ ہے، دیکھا کہ مسجد نبوی میں ایک حافظ صاحب بحیثیت امام کھڑے ہیں، اوران کے ساتھ دو تین مقتدی ہیں، دوسرے گوشے میں ایک حافظ صاحب کھڑے ہیں، اوران کے ساتھ دو تین مقتدی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سب کو اگر کسی ایک امام پر جمع کر دیا جائے تو کتنا اچھا ہو! چناں چہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اور اگلے دن انھوں نے ساری جماعت ختم کر کے ایک جماعت تراویح کی شروع کی، اور ان کے پیچھے تمام لوگوں نے تراویح ادا کی۔ (۱) کسی نے یہ نہیں کہا کہ عمر! کیا کر رہے ہو؟ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، جو عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا، اور جو عمل آپ نے اب تک اپنی خلافت میں نہیں کیا، یہ عمل آپ کیسے کر رہے ہیں؟ اور کس نے آپ کو اس کا اختیار دیا ہے؟ نہیں؛ بل کہ سب نے اس کو قبول کیا، ساری امت نے قبول کیا، اور یہ عمل سنت بن گیا۔

فیصلۂ عمری سے سنت قرار پانے والے امور:

اس فیصلے سے کئی اعمال سنت بنے، جیسے: تراویح کی جماعت سنت بنی، اب تک باقاعدہ جماعت نہیں ہوئی تھی، انفرادی طور پر صحابہ اسے پڑھا کرتے تھے، تنہا تنہا بھی اور چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ بھی، تراویح میں قرآن کا ختم کرنا سنت بنا، اس سے پہلے تراویح میں قرآن ختم نہیں کیا جاتا تھا، اسی طرح بیس رکعت سنت بنی، پہلے اگر بیس رکعت کی کوئی روایت نہ بھی ہو، تو میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قبول کر لینے سے تراویح کی نماز سنت قرار پائی، اور قرآن کا اس میں ختم کرنا سنت بنا، پورے رمضان تراویح پڑھنا سنت بنا، جب یہ تمام امور سنت قرار پائے، تو بیس رکعت سنت کیوں نہیں بنے گی؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے تراویح پڑھی ہے؟ بخاری شریف کی روایت اٹھا کر دیکھیے: رمضان کا مہینہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے

---

(۱) صحيح البخاري، باب فضل مَن قام رمضان: ٤/٤١٣، رقم: ٢٠١٠.

کے اندر نفل نماز میں قرآن پڑھ رہے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شوق ہوا، انھوں نے پیچھے آ کر صف لگالی، چند لوگوں نے پڑھ لی، صبح کو چرچا ہوا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز پڑھی ہے، اگلے دن بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھا ہو گئے، بہت بڑی جماعت ہو گئی، اس سے اگلے دن نماز پڑھنے کے لیے اور بڑی جماعت اکٹھا ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہی نہیں ہوئے، اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھنکھار رہے ہیں، کوئی صحابی کنکری اٹھا کر چٹائی پر مار رہا ہے، کہ شاید آپ کی آنکھ لگ گئی ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے نہیں ہوئے۔

اگلی صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری سب حرکتیں دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا، تمہارے شوق کو دیکھ رہا تھا، لیکن میں اس لیے نہیں اٹھا کہ کہیں تمہارے شوق کو دیکھ کر یہ نماز تم پر لازم نہ کر دی جائے، پھر تم اس کو ادا نہ کر سکو۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک رمضان میں دو یا تین رات تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا ثابت ہے، وہ بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل (۲) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وقفے سے، (۳) تو سنت تو یہ ہے۔ اور ٹھیٹھ سنتِ نبوی کا لفظ جو لوگ استعمال کرتے ہیں تو ان کے لیے عرض ہے کہ اس سلسلے میں ٹھیٹھ سنتِ نبوی یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اخیر شب میں ایک دن یا دو دن یا تین دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھی ہے، اس کے علاوہ جماعت نہیں ہوئی ہے۔ اگر ٹھیٹھ سنتِ نبوی پر عمل کرنا ہے، تو پورے رمضان تراویح پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، ایک بڑی جماعت کرنے کی اور امام کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز پڑھی تھی، وہ اپنے

---

(۱) صحیح البخاري، باب فضل مَن رمضان ٤-٤١٥، رقم: ٢٠١٢.

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) سنن أبي داؤد، باب في قيام شهر رمضان ٢/٥٠، رقم: ١٣٧٥، ط: المكتبة العصرية، بيروت.

اعتکاف والے خیمے میں پڑھی تھی، وہاں جا کر نہیں پڑھائی تھی، جہاں آپ پنج گانہ نماز کی امامت کیا کرتے تھے، جس خیمے میں آپ معتکف تھے، اسی میں آپ کھڑے ہوئے تھے، حضور ﷺ چٹائی کے اندر تھے، اور لوگ باہر تھے، ایسا نہیں ہے کہ امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی پیچھے کھڑے ہوں، تراویح میں ٹھیٹھ سنتِ نبوی یہ ہے۔

تراویح کے مسنون ہونے کا مطلب:

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں کتنی تبدیلیاں کیں، ان کو حق تھا، سنۃ الخلفاء الراشدین کو اختیار کرنے کا، اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، کسی نے نہیں کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا، حضور ﷺ نے تو تین دن پڑھا، آپ پورے مہینے کیوں پڑھوا رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے صرف چند لوگوں کو پڑھایا تھا، آپ پوری جماعت کیوں کروا رہے ہیں؟ حضور ﷺ کے زمانے میں ختمِ قرآن کا طریقہ نہیں تھا، تراویح میں یہ ختمِ قرآن کیوں کیا جا رہا ہے؟ انھوں نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی تھی، آپ بیس رکعت کیوں پڑھوا رہے ہیں؟ اگر اس میں سے تراویح کی جماعت کو سنت قرار دیا جا سکتا ہے، پورے رمضان پڑھنے کو بھی سنت قرار دیا جا سکتا ہے، قرآن ختم کرنے کو سنت قرار دیا جا سکتا ہے، تو بیس رکعت کو سنت کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا؟ سنت کا مطلب یہ ہے کہ اسے بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آپ کہہ دیں گے کہ تراویح ہمارے یہاں کوئی ضروری نہیں ہے، کوئی شخص نہیں پڑھے گا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ با جماعت نماز تراویح کو آپ کے یہاں بدعت قرار نہیں دیا جاتا، پورے رمضان پڑھنے اور پورا قرآن ختم کرنے کو بدعت قرار نہیں دیا جاتا، تو آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے؟ آپ مذکورہ چیزوں کا التزام کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ کس کا اتباع کرتے ہیں؟ اور اگر ان ساری چیزوں کو قبول کیا ہے تو یہ رکعت کہاں سے کٹ گئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو بیس رکعت پڑھوائی تھی، اور آپ آٹھ رکعت پڑھ رہے ہیں۔

ایک سوال:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعت پڑھوائی تھی، آٹھ اور تین گیارہ۔ بہت اچھا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعت پڑھوائی تھی، تو یہ بیس کب سے شروع ہوئی؟ اور کس نے شروع کی؟ اس کی سند اور اس کی تاریخ بتایئے؟ آپ کے ذمے ہے۔ اور کیا کوئی بین الاقوامی کانفرس ہوئی تھی، جس میں اس زمانے کے تمام لوگ اکٹھا ہو گئے تھے، جس زمانے میں بھی شروع ہوئی ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات شروع نہیں کرائی، تو کیا سو سال، دو سو سال بعد ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعات تراویح پر اکٹھا ہو گئے تھے؟ اگر فقہ قائم ہو چکی تھی اور یہ چاروں مسلک وجود میں آ چکے تھے، تو احناف بھی آ گئے ہوں گے، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ بھی آ گئے ہوں گے۔ اور سب لوگوں نے مل کر طے کر لیا ہوگا کہ اب سے بیس رکعت پڑھی جائے گی، کیا شکل پیش آ گئی تھی؟ کچھ تو کہیں سراغ ملنا چاہیے کہ کسی زمانے میں دنیا کی کسی ایک مسجد میں آٹھ رکعت ہوئی ہو، جب سے تراویح باجماعت ہو رہی ہے، دنیا کی کسی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح ہوئی ہو، جماعت اہلِ حدیث کے وجود سے پہلے پوری دنیا میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی بات نہیں کر رہا ہوں، بل کہ میں مدینہ میں، کوفہ میں، بصرہ میں، شام میں، مصر میں، بغداد میں، پوری دنیا میں کہیں بھی جو عالمِ اسلام کے ممالک اور حصے ہیں، کسی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح باجماعت ہوئی ہو، دکھلا دیا جائے۔

محدثِ کبیر کا چیلنج:

یہ وہ چیلنج ہے جسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے "رکعاتِ تراویح"(۱) میں آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے شائع کیا تھا، اور انھوں نے خود سال بسال کے تسلسل

---

(۱) رسائلِ اعظمی، رسالہ "رکعاتِ تراویح" ص ۲۷۲۔

سے دکھلایا ہے کہ شام کے فلاں فقیہ ہیں، فلاں سن میں پیدا ہوئے، فلاں سن میں انتقال ہوا، وہاں کے لوگ ان کو مانتے تھے، اور ان کی تراویح بیس رکعت تھی، مصر کے فلاں عالم ہیں، ان کے ہاں بیس رکعت تراویح ہوتی تھی، کوفہ کے فلاں عالم ہیں، ان کے یہاں بیس رکعت ہوتی تھی، فلاں ملک کے فلاں عالم ہیں، ان کے یہاں بیس رکعت ہوتی تھی۔ مولانا نے وہاں سے لے کر آج تک تسلسل دکھلا دیا ہے، اس کے بعد یہ چیلنج کیا ہے کہ اس جماعت کے وجود میں آنے سے پہلے ساری دنیا میں کسی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح باجماعت ثابت کر دیجیے، ہم مان لیں گے، یہ چیلنج آج بھی باقی ہے۔

اپنے اصول کی رو سے غیر مقلدین سنت کے تارک:

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بیس رکعت نماز تراویح پر مجتمع نہیں کیا، تو کب سے اس کا آغاز ہوا؟ آپ تو کہہ دیں گے کہ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مانتے ہیں، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی تھی کہ ایک مہینہ تراویح پڑھی جائے، پورے رمضان پڑھی جائے، جماعت سے ادا کی جائے، ایک امام کے پیچھے پڑھی جائے، تسلسل کے ساتھ پڑھی جائے، ہر رمضان میں پڑھی جائے، ہر رات میں پڑھی جائے، اگر ضد ہوگی تو یہی کریں گے کہ تراویح چھوڑ دیں گے؛ تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر عمل نہ کرنا پڑے؛ لیکن اگر واقعی سنۃ الخلفاء الراشدین سے محبت ہے، اور اس طرح محبت ہے، جیسے اہلِ حق جانتے اور مانتے ہیں، تو آجاؤ اس کو بھی مان لو، جیسے اس کو مانا ہے کہ تراویح پورے رمضان پڑھی جائے گی، ہر سال پڑھی جائے گی، قرآن ختم کیا جائے گا، جماعت سے پڑھی جائے گی، جس اجماع کی بنیاد پر اس کو قبول کیا ہے، اسی کی بنیاد پر بیس رکعات کو بھی قبول کرلو؛ کیوں کہ خلفائے راشدین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منصب دیا ہے، اگر جماعت نہیں تھی تو جماعت قائم کرنے کا بھی حق نہیں تھا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام کے پیچھے ادا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، اور خلفائے راشدین یا ان میں سے کسی ایک کو اس کا حق نہیں تھا، تو ایک

جماعت کے ساتھ قائم کرنا بھی بدعت قرار پاتا؛ لیکن جب یہ سنت بن گیا، قابلِ قبول ہوگیا تو بیس رکعات بھی سنت ہونی چاہیے۔

مسئلۂ طلاق اور جمہور کا موقف:

تین طلاق کے مسئلے کا تعلق بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے، یہ مسئلہ مزلۃ الاقدام ہے، یعنی قدموں کے بچلنے کی جگہ، بہت سے افراد ایسے ہیں کہ غلطی سے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اور تمام علماء کے پاس بھاگتے رہے، دوڑتے رہے، حنفیہ کے مدرسے میں گئے، شوافع کے یہاں گئے، مالکیہ کے یہاں گئے، حنابلہ کے یہاں گئے، امام بخاری سے پوچھا، امام مسلم سے پوچھا، امام ترمذی سے پوچھا، امام ابوداؤد سے پوچھا، تمام محدثین سے پوچھا، سب نے کہا: تین ہوگئی۔ تمام فقہاء سے پوچھا، سب نے کہا: تین ہوگئی۔ لیکن یہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں دروازہ کھلا ہوا ہے، آؤ، رجعت کرلو، بیوی تمہارے لیے حلال ہے، کتنے اللہ کے بندے وہ ہیں جو اس راستے سے غیر مقلد ہوگئے، اور کیوں ہوگئے؟ اس لیے کہ نواب وحید الزماں صاحب نے ''نزل الابرار'' میں لکھا ہے:

''کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو تین طلاق دیدیتے ہیں، وہ خواہ مخواہ حلالہ جیسی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں، اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے:

لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.

''یعنی اللہ نے لعنت بھیجی ہے حلالہ کرنے والے پر بھی اور حلالہ کروانے والے پر بھی''۔

اس سے آسان یہ ہے کہ اہلِ حدیث ہوجاؤ، بیوی تمہارے لیے حلال ہوجائے گی''۔(۱)

اس لیے یہ مسئلہ بڑا مزلۃ الاقدام ہے۔

مسئلۂ طلاق میں فیصلۂ فاروقی:

حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد طاؤس، حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھتے

(۱) نزل الأبرار، كتاب النكاح: ۳۳/۲.

ہیں کہ کیا آپ یہ بات جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، دو سال یا تین سال تک تین طلاق ایک طلاق ہوتی تھی؟ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ پھر کیا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ النَّاسَ قَدِاسْتَعْجَلُوْا فِيْ أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ

''لوگوں نے ایک ایسے کام کے اندر جلد بازی شروع کردی ہے کہ جس میں ان کے لیے گنجائش تھی، تو کیوں نہ ہم اس کو ان پر نافذ کردیں''۔

فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ،

''چناں چہ ان کے اوپر نافذ کر دیا (کہ تین طلاق دو گے تو تین ہو جائے گی)۔[۱]

اس کو امت نے قبول کیا، ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا، محدثین نے قبول کیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ''باب من أجاز الطلاق الثلاث'' کا باب قائم کیا کہ جس نے تین طلاق کو نافذ کیا اس کا بیان۔[۲]

سیاسی فیصلہ یا شرعی حکم:

جب یہ روایت آتی ہے تو بڑے ٹھاٹ سے کہا جاتا ہے کہ یہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں ایک ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں سیاسۃً اس تین کو تین قرار دیا، یہ ان کا سیاسی فیصلہ تھا؛ تا کہ لوگ تین طلاق دینے سے باز آجائیں۔

---

(۱) صحيح مسلم، باب طلاق الثلاث، ٤/١٨٣، رقم: ١٤٧٢.

(۲) صحيح البخاري ١٠/٦٤٢.

مذکورہ روایت کی بناء پر غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم تو سنتِ رسول پر بھی عمل کرتے ہیں، کیوں کہ حضور کے زمانے میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، سنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی عمل کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے زمانے میں بھی تین ایک تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر بھی عمل کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی تین ایک تھی، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بھی عمل کر رہے ہیں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر بھی عمل کر رہے ہیں۔ اور مقلدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت سے منحرف ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعوذ باللہ سیاسۃً سہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے فیصلہ کو تبدیل کر دیا۔

سیاسی فیصلہ کہنے کا سنگین نتیجہ:

اس تبدیلی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ذرا غور کیجیے: اگر یہ سیاسی فیصلہ ہے، تو ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہے، اس کے بعد وہ رجعت کر لیتا ہے، اگر وہ تین طلاق ایک مانی جاتی ہے، تو بیوی اس کے لیے حلال ہوگئی، اس کی بیوی ہے، اس کی زوجیت میں لوٹ گئی؛ لہٰذا اس عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، اگر وہ نکاح کرے گی، تو حرام کاری لازم آئے گی۔

اور اگر تین طلاق ہو چکی ہے، عورت حرام ہوگئی ہے، اور وہ شخص اس سے رجعت کر لیتا ہے، تو رجعت نہیں ہوتی، اور وہ شخص حرام کاری کرنے والا ہوتا ہے۔ دو میں سے ایک خرابی بہر حال ہوگی، یعنی دونوں فیصلوں کے تقاضوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، دونوں کو جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تین مانیں گے، تو عورت قطعاً حرام ہو چکی ہے، اس لیے رجعت کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر رجعت کرے گا تو بھی نہیں ہوگی، اور اگر حرام نہیں ہوئی ہے، اور وہ رجعت کر لیتا ہے، تو وہ اس کی بیوی ہو جاتی ہے، اور عورت کے لیے دوسرا نکاح حرام ہے، اِس طرح دونوں فیصلوں کے تقاضوں میں زمین آسمان کا

فرق ہے، ان کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا ہے، گویا شریعت نے جس عورت کو اپنے شوہر کے لیے حلال قرار دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسۃً اس عورت کو اس کے شوہر کے لیے حرام قرار دے دیا۔

سیاسی فیصلے کے تحت اس تین طلاق کو نافذ کرنے کا معنی یہ ہوا کہ رجعت کر لینے کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عورت کو اس کے شوہر کے لیے حلال قرار دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں، حلال نہیں ہے، حرام ہوگئی ہے؛ حالاں کہ کسی حلال کو حرام کر دینے کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾

''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا، آپ اس کو حرام کیوں کرتے ہیں''۔

آگے فرماتے ہیں:

﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ (۱)

''آپ اپنی قسم کو توڑیے، اور کفارہ ادا کیجیے۔ لیکن حلال کو حرام مت کیجیے''۔

تحریم حلال اور تحلیل حرام کا حق کسی امتی کو نہیں پہنچتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حق کیسے پہنچ گیا کہ وہ ایک حلال چیز کو حرام قرار دیں، جب کہ عورت شوہر کے لیے حلال ہے، رجعت کر سکتا ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں، حرام ہوگئی۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جرأت کر سکتے ہیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتنے بے غیرت ہو گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کر لیں، اور کیا عقل ماری گئی ائمہ اربعہ کی، اور محدثینِ کرام کی، کہ وہ اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی ہے یا سیاسی، اور سیاسی فیصلے کا اثر شریعت کے اندر اس درجے دخل انداز ہو جائے کہ ایک حلال چیز حرام ہو جائے؟ حقیقت میں بات کچھ اور ہے، بات سمجھی نہیں جا رہی ہے۔

---

(۱) سورة التحريم: ۱،۲.

حضور ﷺ کے زمانے میں تین طلاق:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی تین طلاق تین طلاق تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تین طلاق تین طلاق تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تین طلاق تین طلاق تھی، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ تبدیل کرنے کا کسی کو حق پہنچتا ہے، اور یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں، جمہور علماء یہی کہہ رہے ہیں، ائمہ اربعہ کہہ رہے ہیں، محدثینِ عظام کہہ رہے ہیں، اور خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے متعدد واقعات ہیں، کہ آپ ﷺ کے سامنے تین طلاق دی گئی اور آپ نے تینوں کو نافذ کیا۔

عویمر عجلانی اپنی بیوی سے لعان کرتے ہیں، اور لعان کرنے کے بعد کہتے ہیں: میں لعان کرنے کے بعد اگر اس کو اپنی بیوی بنا کر رکھتا ہوں، تو گویا میں اس پر الزام لگانے میں جھوٹا ہوں، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ وہیں کھڑے کھڑے مسجدِ نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے تین طلاق دی ہے، فَأَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. مختلف کتابوں میں اس کے الفاظ مختلف ہیں، حاصل اس کا یہی ہے کہ آپ نے اس کو نافذ قرار دے دیا، فَكَانَ مَا صُنِعَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ سُنَّةً، یہی سنت قرار پائی، آپ ﷺ نے اس کو نافذ قرار دے دیا۔ (۱)

اسی طرح ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، تو رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے، فرمایا:

أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهرِكُمْ. (۲)

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھلواڑ کیا جاتا ہے"۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، باب في اللعان، جلد۲ صفحه ۲۷۴، رقم: ۲۲۵۰.

(۲) سنن النسائي، الثلاث المجموعة ومافيه من التغليظ ۱۴۲/۶، رقم: ۳۴۰۱، ط: المكتبة التجارية، القاهرة.

مسئلۂ طلاق کی اُصولی وضاحت:

بات دراصل یہ ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا ناجائز ہے، بدعت ہے، حرام ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں، اس کو طلاق بدعی کہا جاتا ہے؛ (۱) لیکن بدعی ہونے کے باوجود تین طلاق اگر کوئی ایک ساتھ دیتا ہے تو واقع ہوجائے گی۔

طلاق دینے کے بارے میں ابتدائی حکم یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں موافقت نہیں ہے، تو طلاق نہ دے، پہلے تنبیہ کرے، سمجھائے بجھائے، یہ بات آج وہ یعنی غیر مقلدین کہہ رہے ہیں، ہم بہت دنوں سے کہتے آ رہے ہیں، ہماری تقریروں میں، ہماری کانفرسوں میں یہ بات کہی جاتی رہی ہے، ہمارے مسلم پرسنل لا بورڈ کی مطبوعہ تجاویز میں بھی یہ بات موجود ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان موافقت نہ ہو تو پہلا کام یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو سمجھائے، اگر نہ مانے تو تنبیہ کرے، بولنا ترک کردے، اس پر بھی نہ مانے تو الگ سونے لگے، اس پر بھی نہ مانے تو ہلکی مار مارے، اس پر بھی نہ مانے تو ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (۲) پر عمل کرے، یعنی ایک حکم اپنی طرف سے، اور ایک حکم بیوی کی طرف سے پنچ مقرر کرے اور دونوں مل کر بات چیت کریں اور معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں، اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا فرمادیں گے۔ (۳)

طلاق دینے کا طریقہ:

لیکن اگر اس پر بھی کام نہ چلے، طلاق دینا ہی ناگزیر ہوجائے، تو شوہر کو اس کی

---

(۱) الدرالمختار، كتاب الطلاق، ٤/٤٣٤،٤٣٥، ط: زكريا ديوبند.

(۲) سورة النساء: ٣٥.

(۳) فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الخلع ٤/٢١٨، ط: الإتحاد ديوبند.

اجازت دی جاتی ہے کہ ایسے طہر میں، جس میں صحبت نہ کی ہو، ایک طلاق دے دے، حیض کی حالت میں طلاق نہ دے، ورنہ طلاق بدعی ہوجائے گی۔ جس طہر میں یعنی پاکی میں صحبت کی ہو، اس میں طلاق نہ دے؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اس صحبت کی وجہ سے حمل قرار پا گیا ہو، اور اس کے بعد طلاق دے دے گا، تو نومہینہ تک عورت لٹکی رہے گی، عدت گزارنے کے لیے اس کو انتظار کرنا پڑے گا؛ کیوں کہ حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہوتی ہے، نومہینہ انتظار کرنا پڑے گا؛ اس لیے اگر طلاق دینی ہے، طے کرلیا ہے، غور وفکر کرنے کے بعد طلاق ناگزیر ہوگئی ہے، تو پاکی کی حالت میں طلاق دو، حیض کی حالت میں طلاق مت دو، اور ایسی پاکی میں طلاق دو، جس میں صحبت نہ کی ہو، اور ایک طلاق دو۔ [۱] اس میں سے کوئی ایک چیز چھوٹے گی، تو طلاق بدعی ہوجائے گی، حیض کی حالت میں طلاق دے گا، تو بدعی ہوجائے گی، لیکن واقع ہوجائے گی۔ طہر میں صحبت کے بعد طلاق دے گا، تو بدعی ہوگی، لیکن پڑ جائے گی۔ اسی طرح تینوں طلاق ایک ساتھ دینا بدعی ہے، لیکن اگر دے گا تو پڑ جائے گی۔ [۲] یہاں یہ بات یاد رہے کہ ایک شئ کا واقع ہونا الگ چیز ہے اور اس کی ممانعت الگ چیز ہے، ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فعل ممنوع کا اگر ارتکاب کرلیا ہے، تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

دَورِ نبوی ﷺ میں تین طلاق کے وقوع پر بخاری شریف سے دلیل:

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آپ ناراض ہوئے کہ حیض کی حالت میں طلاق دے دی، پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسے حکم دو کہ اپنی بیوی سے رجعت کرے: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا اس سے

---

(۱) الدرالمختار، كتاب الطلاق ٤/٤٣٢.

(۲) أيضًا ٤/٤٣٥.

کہہ دو کہ اپنی بیوی سے رجعت کرے، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّىٰ تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَن يَمَسَّ.(۱)

دیکھیے آپ ﷺ نے حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق کو واقع مانا اور رجعت کا حکم دیا، اگر وہ پڑی نہیں تھی تو رجعت کرنے کا کیا معنی؟ پھر فرمایا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ انتظار کرتے رہیں، یہاں تک پاکی کا زمانہ آجائے اور پوری پاکی گزر جائے، پھر حیض آئے، وہ بھی گزر جائے، پھر پاکی آئے، اگر اب بھی اپنے ارادے پر قائم ہو تو اب طلاق دو۔

اب آپ سوچیں کہ طلاق تو حیض کی حالت میں منع ہے، اور حیض کے بعد جو پاکی آئی، اس میں طلاق دے سکتے تھے؛ لیکن شارحین اور محدثین کہتے ہیں کہ اگر اس پاکی میں طلاق دے دیتے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ رجعت کرنا طلاق دینے ہی کے لیے تھا کہ حیض کی حالت میں طلاق غلط ہو گئی تھی؛ لہٰذا کہا کہ واپس لے لو، پاکی آئی اور فوراً دوبارہ طلاق دے دی، یہ طلاق ضرورت کی بنا پر نہیں ہے۔(۲) اور جب حیض کے بعد ایک پاکی گزر گئی بغیر طلاق کے، پھر حیض آیا، پھر پاکی آئی، اب طلاق دے گا، تو وہ رجعت طلاق دینے کے لیے نہیں ہوئی، بل کہ یہ طلاق ضرورت کی بناء پر ہوئی۔

واضح رہے کہ طلاق دینا حالتِ حیض میں بدعی ہے، منع ہے، حرام ہے؛ لیکن اس کے باوجود طلاق دی گئی تو پڑ گئی، چناں چہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ آپ نے جو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی کیا وہ معتبر مان لی گئی؟ انھوں نے فرمایا:

أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ أَوِ اسْتَحْمَقَ.(۳)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الطلاق:۱۰/٦٣٤، رقم: ٥٢٥١.

(۲) حاشية السهارنفوري علىٰ صحيح البخاري، كتاب الطلاق: ۱۰/٦٣٤، رقم:٥٢٥١.

(۳) صحيح البخاري، باب مَن طلّق وهو يواجه الرجل امرأته بالطلاق، ۱۰/٦٤٢، رقم: ٥٢٥٨.

یعنی اگر کوئی آدمی صحیح طلاق نہ دے پائے یا حماقت کر بیٹھے تو کیا طلاق نہیں پڑے گی؟ طلاق پڑ جائے گی۔

الغرض! حضور ﷺ کے زمانے میں بھی تین طلاق تین مانی جاتی تھی۔

مسئلۂ طلاق پر چند مفید کتابیں:

اس وقت تفصیل کا موقع نہیں ہے، میں آپ کو چند کتابوں کے نام بتاتا ہوں: ''فتاویٰ رحیمیہ''(۱) مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس(۲) میں ''طلقاتِ ثلاث'' کے اوپر ایک مستقل رسالہ ہے، مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک(۳) رسالہ ہے۔ مولانا سرفراز(۴) خاں صفدر پاکستان کا ''عمدۃ الاثاث''(۵)

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ کے دارالاشاعت، کراچی والے نسخے میں یہ رسالہ بنام 'ایک مجلس کی تین طلاقیں'' جلد ہشتم (۸) میں صفحہ ۳۳۳ سے صفحہ ۳۷۰ تک ہے۔

(۲) فتاویٰ رحیمیہ، دس (۱۰) جلدوں پر مشتمل حضرت مفتی سیّد عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب دسمبر ۱۹۰۳ء میں نوساری، سورت (گجرات) میں پیدا ہوئے، جامعہ حسینیہ، راندیر سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۶، ط: دارالاشاعت، کراچی)

(۳) ''رسائلِ اعظمی'' میں ''الأعلام المرفوعه في حكم الطلقات المجموعة'' کے نام سے یہ رسالہ موجود ہے، جو صفحہ ۴۹۹ سے صفحہ ۵۹۲ تک ہے۔ (رسائلِ اعظمی، ط: زم زم پبلشر، کراچی)

(۴) مولانا محمد سرفراز خان صفدر بلند پایہ محدث اور کثیر التصانیف عالمِ دین تھے، اپنی بیش بہا خدمات کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے غیور فرزند اور مسلکِ احناف دیوبند کے وکیل و ترجمان کہلائے، آپ مانسہرہ، پاکستان میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، اور مئی ۲۰۰۹ء میں وفات پائی۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شمارہ ۹-۱۰، جلد: ۹۳، بابت: رمضان-شوال ۱۴۳۰ھ=ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۹ء)

(۵) ''عمدة الأثاث في حكم الطلقات الثلاث'' نامی کتاب ۱۲۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی آٹھویں اشاعت مکتبہ صفدر، گوجراں والہ سے فروری ۲۰۱۰ء میں ہوئی ہے۔

کے نام سے رسالہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا حبیب الرحمٰن[1] صاحب قاسمی کی ''طلاقِ ثلاث''[2] کے نام سے ایک کتاب میرے پاس موجود ہے۔

یہ حضرات تو حنفی دیوبندی ہیں، ان کے علاوہ تمام ائمۂ اربعہ بھی اس کو مانتے ہیں، اور محدثین بھی اس کو مانتے ہیں۔ کیا وہ حضرات یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نیا کام کیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا، اس کو قبول کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین طلاق دی گئی ہے، آپ نے ناراضگی فرمائی، خفگی کا اظہار کیا ہے، مگر اس کو آپ نے نافذ مانا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوسالہ دورِ خلافت کے زیادہ واقعات محفوظ نہیں ہیں، جس کی وجہ ہے کہ یہ فتنوں کا زمانہ ہے، ایک طرف منکرینِ زکاۃ ہیں تو دوسری طرف مدعیانِ نبوت ہیں؛ اس لیے اس زمانے میں دین کی تدوین کے سلسلے میں کوئی زیادہ کام نہیں ہوا ہے، جب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے دین کی سرحد کو، دین کے قلعے کو اندر اور باہر سے مضبوط کرلیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور ہر طرح سے اطمینان وسکون ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے فیصلے کیے ہیں، ان فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ بھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اِسْتَعْجَلُوْا (جلد بازی) کی تشریح:

اب حدیث میں مذکور الفاظ حدیث کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے لیے خود حدیث میں غور کیجیے، تو وہ بخوبی معلوم ہوجائے گا، فرمایا:

---

(۱) مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی قاسمی محدث اور مؤرخ تھے، آپ نے کم وبیش ۴۰ ؍برس دارالعلوم دیوبند کی مسندِ درس کو زینت بخشی، آپ کی ولادت جگدیش پور، اعظم گڑھ میں ۱۹۴۲ء میں ہوئی اور مئی ۲۰۲۱ء میں اپنے وطن مالوف میں وفات پائی۔ (ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ: ۸، جلد: ۱۰۵، بابت: ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق اگست ۲۰۲۱ء)

(۲) ''طلاقِ ثلاث، صحیح مآخذ کی روشنی میں'' ۹۶؍ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے، جو جمعیۃ علماءِ ہند، دہلی سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ أَنَاةٌ.

''لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جلد بازی شروع کردی، جس میں ان کے لیے شریعت کی طرف سے مہلت تھی''۔

یہ مہلت کس چیز میں تھی؟ تین طلاق دے کر ایک ماننے میں کوئی مہلت ہرگز نہیں تھی، اور نہ تین طلاق دینے میں کوئی جلد بازی ہے، اگر تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، تو تین ہزار دیں، تب بھی ایک ہی ہوگی، اور تین دیں تب بھی ایک ہی ہوگی، اور ایک دیں تب بھی ایک ہی ہوگی، ان کے دینے نہ دینے سے کیا فرق پڑتا ہے، ان کی جلد بازی کہاں کس چیز میں ظاہر ہوگی؟ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی چیز تھی کہ اگر یہ جلد بازی نہ کرتے، تو وہ ان کو حاصل ہوتی، اور جلد بازی کی وجہ سے ان کو اس سے محروم کیا جارہا ہے۔

وہ بات کیا ہے؟ طلاق کا ایک طریقہ تو وہ ہے، جو میں نے بیان کیا کہ طلاق ایسے یعنی پاکی کی حالت میں میں دی جائے، جس میں صحبت نہ کی ہو، اور پھر ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت گزر جائے اور عورت بائنہ ہوجائے۔ دوسری طلاق سنت وہ کہلاتی ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دی جائے۔ ایک طلاق دے دی ایسے طہر میں جس میں صحبت نہیں کی ہے، اور طلاق دے کر چھوڑے رکھا کہ عورت کے اندر اگر کچھ سمجھ بوجھ ہے، تو وہ عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کرلے اور اپنے عمل کو درست کرلے اور شوہر سے کہے کہ اپنی طلاق واپس لے لو، آئندہ میں ٹھیک ٹھاک رہوں گی؛ لیکن ایک مہینہ گزر گیا اور عورت کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا، تو تنبیہ کے طور پر ایک طلاق اور دے دے، یہ ہے مہلت کہ ایک طلاق دی ایک طہر میں، دوسری طلاق دوسرے طہر میں، اور اگر عورت اب بھی نہیں سدھری اور شوہر نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ یہ گاڑی ہرگز چلنے والی نہیں ہے، تو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے کر قصہ ختم کردے گا، یہ دوسرا طریقہ ہے طلاق دینے کا، اجازت اگر ہے تو اُس پہلی صورت کی ہے

اور اِس دوسری صورت کی ہے، یہ طلاق سنی ہے۔[1] اور تینوں اکٹھا دینا بدعی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ تھا، جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھا، جو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں تھا، لیکن لوگوں نے جلد بازی سے کام لینا شروع کردیا، وہ چیز جس میں ان کو مہلت تھی، وہ یہ تھی کہ تین طلاق کو تین طہر میں متفرق کرکے دیں؛ استعجلوا تو اس میں جلدی کرنے لگے، اور اکٹھا دینا شروع کردیا۔ الفاظِ حدیث کو دیکھیے، یہی مفہوم بنتا ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بنتا، لوگوں نے جلد بازی شروع کردی ایسے معاملے میں، جس میں ان کے لیے گنجائش تھی؛ لیکن انھوں نے گنجائش سے فائدہ نہ اٹھا کر جلد بازی میں تینوں اکٹھا دے ڈالی فلو أمضيناه تو ہم کیوں نہ اس کو نافذ کریں، وہ تو تین دیں اور ہم کہیں کہ نہیں ایک ہوئی، ایسا نہیں ہوسکتا؛ چناں چہ اس کو نافذ کردیا۔

حدیث کے الفاظ یہی بتاتے ہیں، چھوڑ دیجیے کہ کس نے کیا کہا؟ شارحین کے کیا اقوال ہیں؟ سب کو چھوڑ دیجیے، صرف حدیث کے الفاظ کو لے کر بتائیے، حدیث کا ایک ہی مفہوم بنتا ہے کہ ان کے لیے گنجائش تھی، انھوں نے جلد بازی کی۔ اور اس کا مصداق یہ ہے کہ شریعت نے ان کو گنجائش دی تھی کہ ایک طلاق دے کر انتظار کرو، پھر دوسرے طہر میں دوسری دینا، پھر انتظار کرنا، پھر تیسرے طہر میں تیسری اور آخری طلاق دینا؛ لیکن لوگوں نے جلد بازی کی کہ تینوں اکٹھا دے دی، اس پر تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہ میں اس کو نافذ کردوں، سو انھوں نے نافذ کردیا۔

تین طلاق کے حق میں جلیل القدر صحابہ کی تائید:

عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی مطلب سمجھا ہے؛ چناں چہ علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو مکثرین فی الحدیث یعنی کثرت سے روایات نقل کرنے والے ہیں،

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الطلاق: ٤/٤٣٢، ٤٣٣، ط: زکریا دیوبند.

جلیل القدر صحابہ کرام ہیں، ان کے نام گنوائے ہیں کہ یہ حضرات تین طلاق کو تین مانتے تھے۔وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ ہیں: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو نقل کر رہے ہیں، آپ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین ایک ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تین کر دیا؛ لیکن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ خود یہ فتویٰ دیتے ہیں، کہ ایک شخص آیا، اور آ کر اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دے دی، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاق سے تمہاری بیوی تمہارے نکاح سے نکل گئی، ستانوے طلاق تمہارے اوپر بوجھ ہیں۔(۲)

جہاں تین طلاق کا لفظ آتا ہے تو یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ تین کا مطلب ہوتا ہے تین طہر میں تین دینا، میں پوچھتا ہوں کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سو طہر میں سو طلاق دے کر آیا تھا؟

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں، جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی تھی آپ نے، تو فرمایا: تین طلاق سے تمھاری بیوی تمھارے اوپر حرام ہوگئی اور نوسو ستانوے تمھارے اوپر بوجھ ہے۔(۳)

---

(۱) إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان جلد۱، صفحه۳۱۹-۳۲۲، ط: مكتبة المعارف، الرياض.

(۲) المصنّف لابن أبي شيبة، باب في الرجل يطلّق امرأته مائةً أوألفًا في قول واحد: ٦٢/٤، رقم: ١٧٨٠٣. ط: مكتبة الرشد، الرياض ١٩٨٩ء.

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الاختيار للزوج أن لايطلّق إلا واحدة، ٥٤٢/٧، رقم: ١٤٩٤٥، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ٢٠٠٣ء.

اب یہاں سوال یہ ہے کہ کیا وہ ایک ہزار مہینے تک ایک ایک طلاق دیتا رہا؟ اور جب ایک ہزار کی گنتی پوری ہوگئی تب وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا؟ یا سو طلاق سو طہر میں دے کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا؟ ایک سو اور ایک ہزار طلاق ایک ہی مرتبہ میں تو دی ہوگی، تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تو معلوم ہی ہے، خود کہہ رہے ہیں اور آپ ہی روایت نقل کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال تک تین طلاق ایک ہوتی تھی، وہ کہہ دیتے کہ تم ایک ہزار دو ایک ہی پڑے گی؛ مگر فرماتے ہیں کہ تین طلاق سے تمہاری بیوی بائن ہوگئی اور باقی ستانوے طلاق کا بوجھ تمہارے اوپر ہے۔

اسی طریقے سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص،(۱) حضرت ابوہریرہ،(۲) حضرت امِّ سلمہ،(۳) حضرت عمران بن حصین،(۴) حضرت مغیرہ بن شعبہ،(۵) حضرت انس بن مالک،(۶) حضرت حسن بن علی،(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود(۸) رضی اللہ عنہم وغیرہ

---

(۱) موطأ مالك، باب طلاق البكر ۵۷۰/۲، رقم: ۳۸، ط: دارإحياء التراث العربي، بيروت ۱۹۸۵ء.

(۲) أيضًا ۸۲۱/٤، رقم: ۲۱۱۰، ط: مؤسسة زايد بن سلطان، أبوظبي ۲۰۰٤ء.

(۳) المصنّف لابن أبي شيبة، باب في الرجل يتزوج المرأة ثم يطلّقها، ٦٧/٤، رقم: ۱۷۸۵۷.

(۴) المستدرك للحاكم، ذكر مناقب عمران بن حصين الخزاعي، ۵۳۷/۳، رقم: ۵۹۹٦، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ۱۹۹۰ء.

(۵) السنن الكبرىٰ، باب ماجاء في إمضاء الطلاق الثلاث وإن كنّ مجموعات ۵٤۹/۷، رقم: ۱٤۹۷۰.

(٦) سنن سعيد بن منصور، باب التعدّي في الطلاق ۳۰۲/۱، رقم: ۱۰۷۳، ط: الدارالسلفية، الهند ۱۹۸۲ء.

(۷) سنن الكبرىٰ، باب المتعة، ٤۱۹/۷، رقم: ۱٤٤۹۲.

(۸) المعجم الكبير للطبراني، ۳۲٦/۹، رقم: ۹٦۳۱، ط: مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطبعة الثانية.

صحابۂ کرام کے آثار موجود ہیں کہ انھوں نے تین طلاق کو تین قرار دیا ہے، اسی طرح متعدد جلیل القدر تابعین ہیں، جنھوں نے تین طلاق کو تین قرار دیا ہے۔(۱)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کی وضاحت:

مذکورہ تفصیلات پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی نیا کام نہیں کیا ہے، جو کچھ کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہوتا چلا آرہا ہے، اپنی دلیل کے طور پر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آکر کہا:

یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے، آپ نے فرمایا کہ مَا أَرَدتَّ بِهَا؟ تم نے کتنے کی نیت کی تھی؟ انھوں نے کہا: میں نے ایک کی نیت کی تھی، آپ نے فرمایا: واللہ! خدا کی قسم؟ انھوں نے کہا: واللہ! خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَهُوَ مَا أَرَدْتَّ: یہ تمہاری نیت کے اوپر ہے۔

یہ روایت ترمذی(۲) کے اندر بھی ہے اور ابوداؤد(۳) کے اندر بھی ہے۔ جامعہ سلفیہ کے جلسے میں یہ روایت پیش کی گئی تھی، اسی مضمون کی روایت ابنِ ماجہ(۴) مجتبائی میں بھی ہے اور ابوداؤد مجتبائی میں بھی۔

---

(۱) إغاثة اللهفان: ۳۲۲/۱.

(۲) سنن الترمذي، باب ماجاء في الرجل يُطلّق امرأته البتة: ۴۷۲/۳، رقم: ۱۱۷۷.

(۳) سنن أبي داؤد، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، ۲۵۹/۲، رقم: ۲۱۹٦.

(۴) سنن ابن ماجه، باب طلاق البتّة، ٦٦۱/۱، رقم: ۲۰۵۱، ط: دارإحياء الكتب العربية، مصر.

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِيْ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيْفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ.(۱)

''جو روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی جاتی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قرار دیا تھا، وہ روایت ضعیف ہے، اور اس کے راوی مجہول ہیں''۔

اور اصل روایت یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِيْ الْبَتَّةَ.

میں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دے دی ہے، تین طلاق کا لفظ نہیں ہے، یقینی طلاق دے دی ہے، فَقَالَ مَا أَرَدتَّ بِهَا؟ تم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی اس کا مدار نیت کے اوپر ہے، اگر اس لفظ سے تم تین کی نیت کروگے تو تین ہو جائے گی، اور ایک کی نیت کروگے تو ایک ہی ہوگی، انھوں نے کہا: وَاحِدَة، میں نے ایک کی نیت کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! ایک کی نیت کی تھی؟ انھوں نے کہا خدا کی قسم! ایک کی نیت کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری نیت کے اوپر ہے۔

یہاں تین طلاق دینے کا معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں، اور تین طلاق کی جو روایت نقل کی جاتی ہے، وہ روایت ضعیف ہے، اس کے راوی مجہول ہیں۔

انکارِ حدیث اور تضعیفِ حدیث میں جلد بازی:

ہم جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا تو

---

(۱) شرح النووي على مسلم، باب طلاق الثلاث، ۷۱/۱۰، ط: دارإحياء التراث العربي، بيروت، ۱۳۹۲ھ.

تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ کہا: سنتِ رسول اللہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ تو کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ غالباً مولانا رضاء اللہ صاحب (۱) فرماتے ہیں کہ پہلے تو اس کا حدیث ہونا ثابت کیجیے، اور حدیث ہونا ثابت کیوں کیجیے؟ اس لیے کہ اس میں مجہول راوی موجود ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ اگر ہم کوئی روایت پیش کرتے ہیں اور اس میں کوئی مجہول راوی آجاتا ہے، تو آپ اس کے حدیث ہونے کا انکار کر دیتے ہیں کہ وہ حدیث ہی نہیں ہے، مولانا کے الفاظ جا کر ٹیپ ریکارڈر پر سن لیجیے، اس کا حدیث ہونا تو ثابت کیجیے، جس روایت کے اندر کوئی راوی مجہول آگیا ہو، چاہے سند متصل ہی سے منقول ہو، چاہے وہ ابوداؤد میں بھی ہو، ترمذی میں ہو، بیہقی میں بھی ہو، مسند احمد بن حنبل میں بھی ہو، لیکن اس کے اندر کوئی راوی مجہول آگیا، تو آپ جامعہ سلفیہ میں بیٹھ کر مائیک سے اعلان کریں کہ پہلے اس کا حدیث ہونا ثابت کیجیے۔

اس کا سیدھا سیدھا مطلب ہوا کہ یہ حدیث نہیں ہے، مسئلے کی سنگینی کو سمجھیے! کیا عمل بالحدیث کا مطلب صراحتاً حدیث کا انکار ہے؟ کبھی کہہ دیتے کہ اس کا راوی مجہول ہے، کبھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ کیا منقطع حدیث، حدیث نہیں ہوتی؟ مجہول راوی کی روایت حدیث نہیں ہوتی؟ حدیث کا کوئی راوی مجہول ہو، تو ہم سے مطالبہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کا حدیث ہونا ثابت کیجیے، اور آپ جس روایت کو پیش کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاق دی تھی، اور حضور ﷺ نے نیت کے بارے میں دریافت کر کے اور قسم دے کر ان کی تصدیق کر دی تھی، اس کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری جامعہ سلفیہ، بنارس کے سابق شیخ الجامعہ تھے، آپ ۱۹۵۲ء میں مبارک پور میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰۳ء میں وفات پائی۔

أَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِيْ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ.(۱)

''مجہول قوم سے یہ روایت مروی ہے، اس کے راوی مجہول ہیں، اور امام ابوداؤد نے دونوں روایتوں کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ طلاق بتہ والی روایت قوی ہے، اور جہاں تین کا لفظ آیا ہوا ہے، وہ اس کے مقابلے میں کمزور ہے''۔

اِس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تین طلاق نہیں دی گئی، طلاقِ بتہ کو آپ نے قسم دے کر ایک قرار دیا ہے، اور جہاں تین دی گئی ہے اس کو آپ نے نافذ کیا ہے، عویمر عجلانی کا واقعہ بخاری شریف کے حوالے سے پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے،(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے کہ شریعت نے گنجائش دی تھی کہ غور کرلو، ایک طلاق دے کر ایک مہینہ انتظار کرلو، پھر ایک دے کر کے ایک مہینہ انتظار کرلو، پھر طلاق دے دو، لوگ اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے، جلد بازی کر رہے ہیں، ہم کیوں نہ اکٹھی نافذ کردیں، الفاظِ حدیث صراحت سے یہی بول رہے ہیں۔ بہرحال! تین طلاق کا مسئلہ تو سیدھا سیدھا ہے، پھر یہ کہ تمام لوگوں نے اس کو اختیار کیا ہے۔

شیخ ابنِ باز(۳) اور علمائے سعودیہ کا فتویٰ:

سعودی عرب میں حکومت کی طرف سے ۸/۷/۱۳۹۱ھ کو ایک کمیٹی تشکیل دی گئی: هيئة كبار العلماء یعنی سعودی عرب کے جو بڑے علماء تھے، جن میں شیخ عبدالعزیز

---

(۱) شرح النووي على مسلم، باب طلاق الثلاث: ۷۱/۱۰، ط: دارإحياء التراث العربي، بيروت ۱۳۹۱هـ.

(۲) سنن أبي داؤد، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث: ۲۵۹/۲، رقم: ۲۱۹۶.

(۳) شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آلِ باز معروف سلفی عالم اور حکومتِ سعودیہ کے سابق مفتیٔ عام ہیں، آپ ۱۳۳۵ھ میں ریاض میں پیدا ہوئے اور محرم ۱۴۲۰ھ میں طائف میں وفات پائی۔
(جوانب من سيرة الإمام عبد العزيز بن باز ص۳۰، ص۵۷٤)

بن عبداللہ بن باز بھی شامل تھے، ان سترہ علماء پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی اور ان کو اس کا مکلف بنایا گیا کہ تین طلاق کے مسئلے پر تمام مذاہب اور تمام مسالک کے علماء کی آراء کو، دورِ قدیم سے لے کر زمانۂ حال تک، سب کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں کہ کیا ہونا چاہیے؟ اس کمیٹی نے خوب غور وفکر کیا اور اس کے اندر سب کچھ لکھا، فقہاءِ اربعہ کے مذاہب بھی لکھے، جو لوگ اس کے موافق تھے، اُن کی بھی رائے لکھی اور جو لوگ مخالف تھے ان کی بھی رائے و دلائل لکھے اور موازنہ کیا، اور آخر میں قرارداد لکھی، رپورٹ کے ص: ۱۴۲ پر ایک جملہ موجود ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''مسئلے کا جائزہ لینے کے بعد، اور آپس میں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد، اور ان تمام اقوال کا جائزہ لینے کے بعد جواب تک اس بارے میں کہے گئے ہیں، اور ہر قول پر جتنے اعتراضات پڑتے ہیں سب کا جائزہ لینے کے بعد مجلس کثرت رائے سے اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ تین طلاق اگر ایک لفظ سے دی جائے تو وہ تین ہوگی۔'' (۱)

اور یہ فیصلہ لکھ کر حکومت کے پاس بھیج دیا، اور حکومت نے اس کو نافذ کر دیا۔ یہ فیصلہ کرنے والوں میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز بھی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہونے کے بعد جو لوگ اس سے متفق نہیں تھے، انھوں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا کہ ہم اس سے متفق نہیں ہیں، یہ فیصلہ اتنے لوگوں کا ہے؛ بلکہ فیصلے میں وہ بھی شامل ہیں جنھوں نے اس سے اتفاق کیا ہے، اور وہ بھی شامل ہیں جن کی رائے اس سے الگ تھی۔ آج عالم عرب اور خاص طور پر سعودی حکومت میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ کیا کسی کا دباؤ ہے، کسی حنفی کا دباؤ ہے، کسی شافعی کا دباؤ ہے، اور ان علماء کی دیانت داری پر انگلی اٹھائی جائے گی؟ اس میں کون لوگ تھے؟ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز جیسی شخصیت، جو بادشاہ کے بعد سعودی عرب میں پہلی حیثیت کے مالک ہیں، بڑی اونچی شخصیت کے مالک ہیں، کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم سے کم سعودیوں کے یہاں اور جماعت اہلِ حدیث میں ان کا اونچا مقام ہے، کیا یہ سب بہک گئے، سب گمراہ ہو گئے، سب دباؤ میں آ گئے، سوچ سمجھ کر بات کہنی چاہیے۔

(۱) احسن الفتاویٰ: ۵/ ۲۲۵، ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

فیصلۂ فاروقی پر صحابہ کا اتفاق:

میں کہہ رہا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا فیصلہ کیا ہے کہ لوگ جب تین اکٹھا دے رہے ہیں، اور مہلت کا فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں تو کیوں نہ اس کو نافذ کر دیا جائے، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکمِ شریعت میں کوئی تبدیلی کرتے، تو آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہتے! ہرگز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دباؤ نہیں تھا، ان کا ڈنڈا نہیں منواتا تھا، ان کی تلوار نہیں منواتی تھی، یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ہے۔ متعدد واقعات ہیں جس میں امت نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا۔

عدمِ اتفاق کی صورت میں مخالفت کا اظہار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے ہیں، تو انھوں نے ایک خطبہ دیا، فرماتے ہیں:
میں تمہارے جیسا انسان ہوں، اگر کسی فیصلے میں مجھ سے غلطی ہو جائے تو ٹھیک کر دینا۔ ایک اعرابی کھڑا ہوا، اور اس نے تلوار کی نوک کی طرف اشارہ کر کے کہا: عمر! گھبراؤ نہیں، اگر تم ٹیڑھے ہوگے، تو تلوار کی نوک سے تم کو ٹھیک کر دوں گا۔ کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بپھر گئے؟ نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس پیغمبر کی امت میں پیدا کیا جس میں ایک ادنی آدمی عمر کی غلطی کو تلوار کی نوک سے ٹھیک کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ (۱)

چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض مواقع پر اپنی رائے ظاہر کی، تو لوگوں نے قبول نہیں کیا؛ اس لیے وہ شریعت نہیں بنی، ہر واقعے کے ساتھ ایک جملہ نقل کر رہا ہوں:

"انھوں نے اخلاص کے ساتھ ایک عمل کیا، اور دین کی حفاظت کے لیے کیا، اور امت نے قبول کر لیا، اور جس چیز کو امت نے قبول نہیں کیا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے پر ختم ہو گیا۔"

---

(۱) الزهد والرقائق لابن المبارك ۱/ ۱۷۹، رقم: ۵۱۲.

مہر کے متعلق ایک عورت کی مخالفت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ لوگ بہت لمبا لمبا مہر باندھتے ہیں:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَلَا لَاتُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَىٰ عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ، مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ نَكَحَ شَيْئًا مِّنْ نِّسَائِهِ وَلا أَنْكَحَ شَيْئًا مِّنْ بَنَاتِهِ عَلَىٰ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَةً.(۱)

”اے لوگو! بہت لمبا مہر مت باندھا کرو، اگر لمبا مہر باندھنا لوگوں کے درمیان عزت کی بات ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ اس کے تم سے زیادہ حق دار تھے، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ یعنی چار سواسّی درہم سے زیادہ پر کیا ہو“۔

یہ بات انھوں نے فرمائی پھر کہا:

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مہر کی مقدار محدود کردی جائے کہ اس سے زیادہ مہر نہیں باندھنا چاہیے، پابندی عائد کردینی چاہیے۔

تو ایک عورت کہتی ہے: امیر المؤمنین! آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ جس چیز کی اللہ نے تحدید نہیں کی ہے، اسے آپ محدود کردیں، قرآن کہتا ہے:

﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾(۲)

”کہ اگر مہر میں تم نے عورتوں کو سونے کا ڈھیر (بھی) دے دیا، تو اس میں سے کچھ واپس مت لو“۔

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في مهور النساء: ۳/۴۱۴، رقم: ۱۱۱۴.

(۲) سورة النساء: ۲۰.

معلوم ہوا کہ سونے کا ڈھیر مہر بن سکتا ہے، لہٰذا آپ کیسے تحدید کرتے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم ٹھیک کہتی ہو، میں اپنی رائے واپس لیتا ہوں۔[1]

وہاں ناک کا مسئلہ نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا، وہ حجت نہیں بنی، وہ شریعت نہیں بنی؛ مگر جس فیصلے کو سب نے تسلیم کرلیا، وہ سنتِ خلفائے راشدین بن گئی، وہ شریعت بن گئی۔

حجِ تمتع کے متعلق حکمِ فاروقی سے عدمِ اتفاق:

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ مکہ مکرمہ میں اللہ نے دو رکن رکھے ہیں، ایک ہے عمرہ اور ایک ہے حج؛ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ عمرہ کے لیے مستقل سفر کریں، اور حج کے لیے مستقل سفر کریں، تمتع نہ کیا کریں، ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرلیا جاتا ہے، یہ نہ کریں، لوگوں کو منع کر دیا؛ لیکن لوگ نہیں مانے، متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے تمتع کیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم نے تمتع کیا ہے، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے کچھ کہتے ہیں تو کہا کریں، ہمیں منظور نہیں ہے،[2] چناں چہ اس کو قبول نہیں کیا گیا، اور امت متفق ہے کہ تمتع جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک رائے تھی، وہ شریعت میں تبدیلی نہیں کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ اللہ نے اپنے گھر میں حاضر ہونے کے دو موقعے دیتے ہیں؛ لہٰذا بڑی بے مروتی کی بات ہے کہ ایک دفعہ جاؤ، اور دونوں کر کے چلے آؤ، ارے اللہ کے بندو! کم سے کم دو مرتبہ تو جاؤ، ایک مرتبہ جاؤ تو مستقل عمرہ کرلو، ایک مرتبہ جاؤ تو مستقل حج کرلو، تمتع مت کرو۔ وہ حکم کو منسوخ نہیں کر رہے تھے، اپنی رائے دے رہے تھے؛ لیکن

---

(۱) المصنّف، عبد الرزاق، باب غلاء الصداق، ٦/٢٥٤، رقم: ١١٢٦٦.

(۲) مسند البزار: ١٢/٢٦٤، رقم: ٦٠٣٨، ط: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة ٢٠٠٩ء.

کسی نے اس رائے کو قبول نہیں کیا، اس لیے شریعت نہیں بنی۔

آپ دیکھیے کہ یہ مثالیں بھی موجود ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بات کہہ رہے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول نہیں کیا، تو وہ حجت نہیں بنی؛ لیکن جس چیز کو قبول کرلیا، تراویح کی بیس رکعت اور جماعت کو قبول کرلیا تو وہ شریعت بنے گی، تین طلاق کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا، اور جماعتِ صحابہ نے اس کو قبول کرلیا، تو اس کو قبول کیا جائے گا۔

زمانۂ رسالت کے بعد چند فرقوں کا وجود اور ان کے نظریات:

اب تھوڑا سا آگے بڑھیے: جس طرح میں نے ماقبل میں مثالیں پیش کی ہیں کہ ضرورت پیش آنے کی صورت میں اربابِ حل وعقد، جو اس زمانے کے دین دار لوگ تھے، انھوں نے جس چیز کو اختیار کیا، اخلاص کے ساتھ اختیار کیا، اور امت نے قبول کیا، وہ بدعت نہیں قرار پائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسائلِ دینیہ کے متعلق جس کو جو ضرورت پیش آتی تھی، اس کے بارے میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، جس کا جس سے جی چاہتا مسئلہ معلوم کرلیتا، اور اس پر عمل کرلیتا۔

خوارج کا ظہور:

پھر صحابہ کے دور میں متعدد فرقے اور جماعتیں وجود میں آئیں، ایک جماعت سب سے پہلے خوارج کی پیدا ہوئی، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی دشمن اور ان کو کافر قرار دینے والی، ان کا بھی مستدل قرآنِ پاک کی آیت تھی:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾

"فیصلہ صرف اللہ کا چلے گا"۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾

"اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق جو فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے"۔

اسی آیت کا سہارا لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے رہے تھے۔ جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ.

''بات تو صحیح ہے؛ لیکن غلط معنی میں استعمال کی جارہی ہے''۔

یہی کچھ المیہ اب کثرت سے پیش آرہا ہے کہ صحیح باتیں غلط معنی میں استعمال کی جارہی ہیں۔ الغرض! ایک جماعت پیدا ہوئی خوارج کی، وہ یہ کہتے تھے کہ کوئی شخص کوئی گناہ کرے گا، تو وہ ایمان سے خارج ہوجائے گا، ایک نماز بھی کوئی قصداً چھوڑ دے گا تو ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ (۱) اور ان کے قریب قریب ایک فرقہ معتزلہ تھا، جو کہتا تھا کہ گنہ گار شخص ایمان سے نکل جائے گا مگر کافر نہیں ہوگا۔ یہ ایک درجہ ہے ایمان اور کفر کے درمیان، جس کو فسق کہتے ہیں، اس کو نہ مومن کہیں گے اور نہ کافر کہیں گے، یہ جماعت معتزلی کہلاتی تھی، یہ ہر چیز کو عقل سے پرکھتے تھے۔ (۲)

مرجئہ:

ایک جماعت پیدا ہوئی مرجیہ کی، جو کہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. کہ جو لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے گا، جنت میں چلا جائے گا، وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، چاہے چوری کرے، چاہے زنا کرے؛ لہٰذا عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ایمان لانے کے بعد کھانا کھاؤ یا نماز پڑھو، دونوں برابر ہے، بڑے سے بڑا گناہ کرو، اور بڑی سے بڑی نیکی کرو، دونوں برابر ہے، کوئی فرق نہیں پڑتا، اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی بھی تمہارے ایمان کو کوئی نفع نہیں

---

(۱) الملل والنحل للشهرستاني:۱/۱۱۴، ۱۸۸، ط: مؤسسة الحلبي، القاهرة ۱۹٦۸ء.

(۲) أيضًا ۱/۴۳-۴۵.

پہنچائے گی اور سب سے بڑا گناہ بھی تمہارے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، یہ جماعت مرجیہ کہلاتی تھی۔(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب الایمان مرجیہ کی تردید میں لکھی ہے۔ایک جماعت پیدا ہوئی کرامیہ کی، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دل میں انکار نہ ہو،تو صرف زبان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینا مؤمن ہونے کے لیے کافی ہے۔(۲)

اہل السنۃ والجماعۃ:

یہ باطل فرقے وجود میں آئے، اور اہلِ حق نے ان سے مقابلہ کیا اور ان سب کے مقابلے میں جو جماعت تھی وہ اہلِ سنت والجماعت کہلاتی ہے۔ ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ صحَابِيْ'' کے مصداق جو لوگ تھے، وہی اہلِ سنت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

> میری امت میرے بعد بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے، اور وہ فرقہ وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔(۳)

اس کا مصداق اہلِ حق کی جماعت ہے، جو اہلِ سنت والجماعت کہلاتے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور ان کے نظریات پر قائم تھے، اور وہی اہلِ سنت والجماعت درحقیقت کامل مسلمان ہیں، وہ حنفی بھی ہیں، شافعی بھی ہیں، وہ مالکی بھی ہیں، وہ حنبلی بھی ہیں، اور جو ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ'' کو مانتے ہیں، چاہے ان کا نام کچھ بھی ہو، وہ سب کے سب اہلِ سنت والجماعت میں ہیں؛ اس لیے کہ وہ مرجیہ نہیں ہیں، کرامیہ نہیں ہیں، معتزلہ نہیں ہیں، خوارج نہیں ہیں، اہلِ سنت والجماعت کا لفظ مذکورہ باطل جماعتوں کے بالمقابل ہے۔

اہل الحدیث کے مصداق:

اور اس کے بعد مسائل کے سلسلے میں دو طبقے پیدا ہوئے، ایک جماعت ان لوگوں

(۱) الملل والنحل للشهرستاني:۱/۱۳۹، ط: مؤسسة الحلبي، القاهرة ۱۹۶۸ء.
(۲) أيضًا ۱/۱۱۳.
(۳) سنن الترمذي، باب ماجاء في افتراق هٰذه الأمة: ۵/۲۶، رقم: ۲۶۴۱.

کی تھی جن کی ساری توجہ الفاظ حدیث کو محفوظ کرنے، اور ان کو جمع کرنے پر مبذول تھی، اس جماعت کو اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث کہا جاتا تھا، یعنی جن کا رات دن کا اوڑھنا بچھونا اور مستقل مشغلہ حدیث کا جمع کرنا تھا۔ اور ایک جماعت وہ تھی جو مسائل کے استخراج اور استنباط کے اندر لگی ہوئی تھی، ایک ایک آیت سے، ایک ایک حدیث سے مسائل کو مستنبط کرتی تھی، یہ فقہاء کی جماعت کہلاتی تھی، ایک طرف راویانِ حدیث ہیں اور وہ بھی دینی خدمت اور اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، دوسری طرف فقہاء ہیں، جو منشا نبوت کے سمجھنے اور قرآن وحدیث سے مسائل کے استخراج واستنباط میں لگے ہوئے ہیں، دونوں جماعتیں دین کی خدمت کر رہی ہیں، ایک کا نمایاں کام تھا حدیث کو روایت کرنا، حدیث کو جمع کرنا، حدیث کو محفوظ رکھنا، وہ لوگ اصحاب الحدیث تھے؛ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اصحاب الحدیث میں سے ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اصحابِ حدیث میں سے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اصحابِ حدیث میں سے ہیں، کیوں کہ تینوں محدث ہیں۔ اِسی طرح بعد کے جتنے لوگوں نے حدیث کی خدمت کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنایا ہے، وہ سب اصحاب الحدیث ہیں۔ دوسری جماعت وہ تھی جو مسائل کے استنباط واستخراج میں لگی ہوئی تھی، وہ فقہاء کہلاتے تھے، ان کے یہاں محض الفاظ کے ظاہر کو نہیں دیکھا جاتا تھا؛ بل کہ آیات واحادیث میں غور وخوض کر کے ان سے احکام کا استنباط واستخراج ان کا کام تھا۔

اہلِ ظواہر:

اس زمانے میں بھی دو طبقے پیدا ہوئے: ایک اصحابِ ظواہر کہلاتے تھے، جیسے داؤد ظاہری اور ابنِ حزم صاحب ''محلی''، ان کے یہاں ظاہر پرستی اتنی تھی کہ حدیث میں آتا ہے:

لَايَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ.(۱)

''تم میں کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے''۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم: ۱/۵۰۰، رقم: ۲۳۹.

اہلِ ظاہر کے یہاں حدیث کا مفہوم یہ تھا کہ اگر پانی کسی گڈھے میں ٹھہرا ہوا ہے، اس میں آدمی ڈائریکٹ پیشاب کرے گا تو پانی ناپاک ہوجائے گا؛ لیکن اگر باہر پیشاب کرتا ہے اور بہہ کر پیشاب گڈھے میں چلا جاتا ہے تو ناپاک نہیں ہوگا؛ (۱) اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہوگا، یہ نہیں آیا ہے کہ اگر کوئی برتن میں پیشاب کرکے اس میں ڈال دے تو ناپاک ہوجائے گا، یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہ اصحابِ ظواہر ہیں، ظاہر حدیث میں جو کچھ مذکور ہے، اسے لے لیا، اور عقل کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا، پانی کے ناپاک ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس پر غور نہیں کیا، صرف الفاظِ حدیث کو دیکھا، اور اس سے زیادہ یہ اصحابِ ظواہر کچھ نہیں جانتے۔

اہلِ فقہ و درایت:

اور ایک وہ حضرات تھے، جو منشأِ نبوت کو سمجھتے تھے، ایک حدیث اور ایک لفظ سے کتنے مسائل مستنبط ہوتے ہیں؟ اس میں لگے ہوئے تھے، وہ فقہاء تھے، رائے کو بھی دخل دیتے تھے، اور عقل کو بھی استعمال کرتے تھے، عقل کو نص کے مقابلے میں نہیں؛ بل کہ نص سے مسئلہ نکالنے کے لیے استعمال کرتے تھے؛ اس لیے کہ قیاس مظہر ہوتا ہے، مثبت نہیں ہوتا۔ مولانا عبدالمتین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲) نے خوب مثال دے کر بتلایا ہے کہ جیسے زمین

---

(۱) قال ابن حزم: إن البائل في الماء الراكد الذي لايجري حرام عليه الوضوء بذٰلك الماء والاغتسال به لفرض أولغيره. ثم قال: فلو أحدث في الماء أوبال خارجا منه ثم جرىٰ البول فيه فهو طاهر، يجوز الوضوء منه والغسل له ولغيره. (المحلى بالآثار:١٤٢/١، ط: دارالفكر، بيروت)

(۲) مولانا عبدالمتین قاسمی جامعہ اسلامیہ، بنارس کے مدرس اور معروف عالم وخطیب تھے، مولانا عبدالمتین صاحب ۶/جنوری ۱۹۴۳ء کو مدن پورہ، بنارس میں پیدا ہوئے اور ۱۸/جنوری ۲۰۱۳ء کو اپنے وطن میں ہی وفات پائی۔

کھود کر پانی نکالا جاتا ہے، محنت کی جاتی ہے، عقل استعمال کی جاتی ہے، آلات استعمال کیے جاتے ہیں، اسی طرح قیاس کے ذریعے قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالا جاتا ہے؛ البتہ جونص کے مقابلے میں قیاس ہوگا وہ رد ہوگا۔ شیطان کا قیاس اسی لیے رد ہوا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ آدم کا سجدہ کرو، تو اس نے کہا تھا کہ میں نہیں کروں گا؛ اس لیے کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، اور آدم کو مٹی سے، اور مٹی نیچے کی چیز ہے، اور آگ اوپر کی چیز ہے؛ لہٰذا مٹی آگ کے سامنے جھکے گی، آگ مٹی کے سامنے نہیں جھکے گی۔ اللہ کا حکم ہے، نص ہے، اور دوسری طرف اس کا قیاس ہے، یہ قیاس نص کے مقابلے میں تھا، اس لیے رد کر دیا گیا، وہ ملعون ہوگیا، مردود ہوگیا؛ لیکن جہاں منشأ نبوت کو سمجھنے کے لیے قیاس کیا جائے، چاہے بظاہر حدیث کی مخالفت لازم آتی ہو، (بات سمجھے گا، میں آگے بڑھ کر بات کہہ رہا ہوں) بظاہر الفاظِ حدیث کی مخالفت لازم آتی ہو، الفاظِ حدیث کے ظاہر کی مخالفت لازم آتی ہو، لیکن منشأ نبوت کو سمجھنے کے لیے عقل کو استعمال کیا گیا ہے، وہ قیاس جائز ہے، اور قابلِ قبول ہے۔ (۱)

درایتِ حدیث کی واضح مثال:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف میں ہے:

إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَاتَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْغَرِّبُوْا. (۲)

”جب تم بیت الخلاء جاؤ تو قبلے کی طرف نہ چہرہ کرو، نہ پشت کرو؛ بل کہ مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھو، یا مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھو“۔

---

(۱) المجموعة للقواعد الفقهية مع هوامشها للمفتي عميم الإحسان، ص ۱۴،۱۵، ط: مكتبة البشرىٰ، كراتشي.

(۲) صحيح البخاري، باب قبلة أهل المدينة:۱/۶۸۳، رقم: ۳۹۴.

حدیث کے یہ الفاظ بخاری شریف میں موجود ہیں، جب استنجاء کے لیے جاؤ، پاخانہ کے لیے جاؤ، تو نہ قبلے کی طرف چہرہ کرو، نہ قبلے کی طرف پشت کرو؛ بل کہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھو۔ اب عقل کو تو بالائے طاق رکھ دیجیے اور مسئلے کو حل کیجیے، کبھی حل نہیں ہوگا، آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم کو بتلائیے کہ آپ کس رخ پر بیٹھیں گے؟ قبلے کی طرف نہ چہرہ ہو نہ پشت، بل کہ آپ کا چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف ہو، اب اگر مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھتے ہیں تو قبلہ مغرب کی طرف ہے قبلہ کی طرف چہرہ ہوتا ہے اور اگر مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھتے ہیں تو قبلے کی طرف پشت ہوتی ہے، حدیث پر کیسے عمل کریں گے؟

اب مجتہدین کی ضرورت پڑی، وہ کہیں گے کہ حضور ﷺ کے منشا کو سمجھو، بات کی گہرائی میں اترو، درحقیقت یہ خطاب اہلِ مدینہ کو ہے، چوں کہ مدینہ والوں کا قبلہ جانبِ جنوب میں ہے، مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے دکھن کی طرف پڑتا ہے، اس لیے آپ نے اہل مدینہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ استنجاء کرنے کے لیے بیٹھو، تو قبلہ کی طرف رخ کر کے مت بیٹھو، بل کہ مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھو، یا مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھو، مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھو گے تو قبلہ تمہارے دائیں ہو جائے گا، اور مغرب کی طرف رخ کر کے بیٹھو گے تو قبلہ تمہارے بائیں ہو جائے گا۔

یہاں حدیث کے پہلے ٹکڑے [۱] پر عمل کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ حدیث کے دوسرے ٹکڑے [۲] کو چھوڑا جائے، بغیر حدیث کے دوسرے ٹکڑے کو چھوڑے ہوئے شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا کے حقیقی معنیٰ پر ہندوستان میں رہ کر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اگر عمل کریں گے، تو پہلے ٹکڑے کو چھوڑنا پڑے گا، اور حدیث کی مخالفت لازم آئے گی، یہی درایتِ حدیث ہے۔

---

(۱) إذا أتيتم الغائط فلاتستقبلوا القبلة ولاتستدبروها.

(۲) ولٰكن شرّقوا أوغرّبوا.

درایت پر عمل کرنے کی دوسری مثال:

ایک واقعہ، غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کی شکایت پہنچائی گئی کہ اس نے زنا کیا ہے، حضور ﷺ کے سامنے واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ کو یقین آ گیا، آپ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل کرنے کے لیے گئے، وہ شخص برہنہ ہو کر کنویں میں نہا رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کو باہر نکالا، تو اُن کی نگاہ اُس کے ستر پہ پڑی، تو اس کا عضو جڑ سے کٹا ہوا تھا، وہ تھا ہی نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً واپس چلے آئے، اور کہا یا رسول اللہ! یہ تو مجبوب ہے، مقطوع الذکر ہے، اس لیے میں نے قتل نہیں کیا، آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی۔ (۱)

حضور ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل نہیں کیا، مگر یہ مخالفت نہیں ہوئی، کیوں کہ انھوں نے منشا کو سمجھا، حضور ﷺ اس کو زانی ہونے کی بناء پر قتل کا حکم دے رہے ہیں، حالاں کہ وہ مجبوب ہے، مقطوع الذکر ہے؛ لہٰذا اس سے زنا کا صدور ہو ہی نہیں سکتا؛ اس لیے یہ قتل کا مستحق نہیں ہے، اس حکم پر عمل نہیں کیا؛ یہ ہے درایتِ حدیث کہ حضور ﷺ کے منشا کو سمجھا جائے۔

درایت کے درست ہونے کی دلیل:

غزوۂ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد جب بنو قریظہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو روانہ فرمایا، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ:

"لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ"(۲)

تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ میں جا کر۔

---

(۱) صحيح مسلم، باب براءة حرم النبي من الريبة: ۸/۱۱۹، رقم: ۲۷۷۱.

(۲) صحيح البخاري، باب مرجع النبي من الأحزاب، ۸/۲۰۸، رقم: ٤۱۱۹.

ظہر کے بعد روانگی ہوئی تھی، راستے میں عصر کا وقت ہوگیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ عصر کی نماز وہیں جا کر پڑھیں گے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی منشا یہ تھی کہ عصر تک وہاں پہنچ جاؤ، وہاں جا کر عصر پڑھنا، جیسے کہتے ہیں کہ دوپہر کا کھانا ہم کو فلاں جگہ چل کر کھانا ہے، اب گاڑی راستے میں بگڑ گئی، اور رات کے آٹھ بج گئے، تو کیا دوپہر کا کھانا نہیں کھائیں گے؟ اس جملے کا معنیٰ فقط یہ ہے کہ اتنی رفتار سے ہم چلیں کہ وہاں دوپہر کا کھانا کھالیں؛ چناں چہ منشاِ نبوت کو سمجھ کر کچھ لوگوں نے کہا کہ وقت ہوگیا ہے، اس لیے راستے میں ہی ہم نماز پڑھیں گے، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم جب تک بنو قریظہ کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں اس وقت تک عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ جب واقعہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو فلم یعنف واحدًا منهم، آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی کو نہیں ڈانٹا، کیوں کہ راستے میں نماز پڑھنے والی جماعت نے درایت پر عمل کیا تھا، اور راستے میں نہ پڑھ لینے والوں نے ظاہر حکم پر عمل کیا تھا۔

الغرض! تو ایک جماعت فقہاء کی تھی، یہ اہل الرائے اس لیے کہلاتے تھے کہ یہ لوگ صرف الفاظ کے ظاہر کو نہیں دیکھتے تھے؛ بلکہ منشاِ نبوت کو سمجھ کر اس کے مطابق کوئی فیصلہ کرتے تھے۔

مجتہدین فقہاء:

اور حضور ﷺ کے زمانے سے دوری ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ دوسری اور تیسری صدی آ گئی، ان دونوں صدیوں میں مجتہدین فقہاء کی ایک بڑی جماعت تھی، جیسے: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد، امام سفیان ثوری، امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم، جو فتاویٰ دیتے تھے اور مسائل مستنبط کرتے تھے، اللہ کی مصلحت تھی کہ چار حضرات کے علاوہ باقی مجتہدین کے مذاہب مدون نہیں ہوسکے، ان کی تفصیلی فقہ سامنے نہیں آسکی، ترمذی شریف اٹھا کر دیکھیے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کوئی باب قائم کرتے ہیں، روایت نقل کرتے ہیں، پھر بتلاتے ہیں کہ اس باب میں فلاں فلاں

حضرات سے بھی روایتیں منقول ہیں، پھر حدیث کا درجہ نقل کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں: ''وَبِهِ يَقُوْلُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ ''(۱) اور اسی کے قائل ہیں فلاں فلاں حضرات ہیں، اس میں امام ثوری اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا نام آتا ہے، کیوں کہ یہ کام کوئی پروگرام بنا کر نہیں ہوا ہے کہ لاؤ اسلام کو چار حصوں میں بانٹ دیا جائے۔

بعض مقلد محدثین کا ذکر:

قرآن وحدیث کی حفاظت کے سلسلے میں یہی فقہاء سامنے آئے، ان سے لوگ مسئلہ پوچھتے تھے، ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کو آیات اور احادیث سے مستنبط کیا، اور جہاں آیات اور احادیث میں صریح حکم نہیں ملا، تو اجماعِ صحابہ کو دیکھا، اور جہاں وہ بھی نہیں ملا تو پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں استنباط کیا، جس کو حمل النظیر علی النظیر کہا جاتا ہے۔ علت تلاش کی، اور جہاں وہ علت ملی اس کو تلاش کر کے لے آئے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حجتیں چار ہیں، اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ یہی طریقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، وہ کسی بھی حکم کو پہلے کتاب اللہ میں تلاش کرتے تھے، پھر سنتِ رسول اللہ میں، اس کے بعد اجماعِ صحابہ، اس کے بعد قیاس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام بیہقی کی سننِ کبریٰ میں ص: ۱۱۰ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے بہت سارے فیصلے اور فتاوے موجود ہیں۔

الحاصل! بغیر کسی اجتماع کے، بغیر کسی پروگرام کے خودبخود امت کے لوگ ان چاروں فقہاء سے وابستہ ہو گئے، اور بڑے بڑے محدثین اس کے اندر ہیں، جو کسی نہ کسی سے وابستہ ہیں۔ اگر تقلید شرک ہے تو فیصلہ کیجیے، میں نام لیتا ہوں: علامہ ابنِ عبد البر مالکی، علامہ ابنِ حجر عسقلانی، علامہ ابنِ قدامہ مقدسی، حافظ بدر الدین عینی حنفی، امام قرطبی مالکی، علامہ ابنِ رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہم، جتنے نام آپ سنیں گے سب کسی نہ کسی مسلک سے وابستہ ہیں،

(۱) سنن الترمذي ۳٦/۲، ۸٦، ۱۵۱، رقم: ۲۵٦، ۲۹۱، ۳۳۱.

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ حنبلی، محمد بن عبدالوہاب حنبلی رحمۃ اللہ علیہما، جن کے فرزند شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

”نَحْنُ أَيْضًا فِي الْفُرُوْعِ عَلَى مَذْهَبِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ“

”کہ فروع میں ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں“۔ (۱)

پہلے گزر چکا ہے (۲) کہ تقلید کا تعلق مسائل اور فروع ہی سے ہے، عقائد سے تقلید کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ تمام حضرات کو ایمان سے خارج کر دیجیے، سب کو مشرک قرار دے دیجیے، اور پھر بتائیے کہ کتنے لوگ صاحبِ ایمان باقی بچیں گے؟

ایک سوال اور اُس کا جواب:

ایک سوال ہے کہ پہلے کے اہلِ حدیث جو پانچ، چھ سو سال پہلے تھے، یہ وہی اہلِ حدیث ہیں جو آج ہیں، کیا وہ بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اہلِ حدیث متقدمین میں موجود تھے، تمام محدثین اہلِ حدیث تھے، اور ان میں سے بہت سے حنفی بھی تھے، اور چوں کہ حدیث کا پڑھنا پڑھانا، اس کی حفاظت اور ان سے مسائل کا استخراج واستنباط ان کا مشغلہ تھا، اس لیے وہ اہلِ حدیث بھی تھے: حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ اہلِ حدیث تھے، انھوں نے بخاری شریف کی شرح ”فتح الباری“ لکھی ہے، لیکن وہ شافعی تھے۔ ایک آج کے اہلِ حدیث ہیں، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم وہی اہلِ حدیث ہیں جو اس زمانے سے چلے آ رہے ہیں۔ اب میں ان شاء اللہ آخری فیصلے کے طور پر اس مسئلہ کو نمٹانا چاہتا ہوں، اور پوری غیر مقلد دنیا کو بانگِ دہل چیلنج کرتا ہوں۔

موجودہ جماعتِ اہلِ حدیث مستقل فرقہ:

ہم شروع سے یہ بات کہتے آئے ہیں کہ اپنے کو اہلِ حدیث کہنے والے ایک مستقل

(۱) الدرر السنية في الأجوبة النجدية ۲۲۷/۱، الطبعة السادسة ۱۹۹۶.

(۲) کتاب کا صفحہ نمبر ۴۷ دیکھیے۔

فرقہ اور جماعت ہیں اور اب آپ خود بھی کہہ رہے ہیں، یہ رضاء اللہ عبدالکریم صاحب [۱] مدنی کی کتاب ہے "مسئلۂ قرأت کی حقیقت" اس میں خود انھوں نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے، اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ فرقۂ اہلِ حدیث ایک مستقل فرقہ ہے، اور فلاں زمانے میں بھی تھا، اور فلاں زمانہ میں بھی تھا، یعنی ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایسا مکتب فکر ہے کہ جس میں مختلف حضرات رہے ہوں، بل کہ ایک مستقل مکتب فکر ہے، "کیا اہلِ حدیث کوئی مذہب نہیں؟" یہ عنوان ہے، اور اس کے ص: ۱۳۸ پر لکھتے ہیں: بعض جاہل اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث کوئی فرقہ یا جماعت نہیں ہے؛ بل کہ یہ لوگ ابھی نکلے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہوا کہ جاہل یہ کہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کوئی فرقہ یا جماعت نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کا دعویٰ یہ ہوا کہ اہلِ حدیث ایک فرقہ یا جماعت ہے، اور اس کے بعد ثابت کیا ہے کہ کتبِ احناف میں اہلِ حدیث کا ذکر بطور مستقل مکتبۂ فکر، کتب شافعیہ میں اہلِ حدیث بطور مستقل مکتبۂ فکر، علماء مالکیہ کے یہاں اہلِ حدیث ایک مستقل مکتبۂ فکر، علماء حنابلہ کے یہاں اہلِ حدیث ایک مستقل مکتبۂ فکر، علماء فرق و مذاہب کے یہاں اہلِ حدیث ایک مستقل مکتبۂ فکر کے طور پر مذکور ہیں، حنفی ایک مکتبۂ فکر، شافعیہ ایک مکتبۂ فکر، حنبلی ایک مکتبۂ فکر ہیں، اور ساتھ میں وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ حدیث ایک مستقل مکتبۂ فکر ہے۔

کسی بھی مکتبۂ فکر کی خصوصیات و امتیازات:

ہر مکتبۂ فکر کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جماعت جب جماعت بنے گی، تو کچھ علامت ہوگی یا نہیں؟ ہماری علامت کیا ہے؟ ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں تو رفعِ یدین نہیں کرتے، آمین زور سے نہیں بولتے، ہاتھ کان تک اٹھاتے ہیں اور ناف کے نیچے باندھ

---

(۱) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی غیر مقلد عالم اور مناظر ہیں، جنوری ۱۹۵۷ء میں بدایوں، یوپی میں آپ کی ولادت ہوئی، فی الحال جامعہ سیّد نذیر حسین دہلوی، دہلی میں استاذ اور جمعیۃ اہلِ حدیث سے منسلک ہیں۔ (دیوبندی کتاب "بارہ مسائل بیس لاکھ انعام" کا حقیقت پسندانہ جائزہ ص ۴۵۱، ط: مکتبۃ الفہیم، مئو)

لیتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ یہ حنفی ہے، سلام کرتے ہیں تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں، لوگ جانتے ہیں کہ یہ اہلِ حدیث (غیر مقلد) نہیں ہے حنفی ہے، اسی علامت سے پہچانے جاتے ہیں، جتنے حنفی ہوں گے سب یہی کریں گے؛ چناں چہ جو علامت ہوتی ہے، امتیاز ہوتا ہے، اس فرقے کے سارے افراد میں پایا جاتا ہے، اسی کو پلٹ کر کہہ دیجیے کہ جو چیز فرقے کے سارے افراد میں پائی جائے، اور سارے لوگ بلا تفریق اس پر عمل کرتے ہوں، وہی اس جماعت کی پہچان ہے، وہی اس کی علامت ہے، وہی اس کا امتیاز ہے۔ واضح سی بات ہے، کوئی علمی بات نہیں ہے کہ جو عمل ایک جماعت کے سارے افراد کرتے ہوں اور کہتے ہوں کہ یہی صحیح ہے، اور اس کو اختیار کرتے ہوں، اور کبھی اس کے خلاف نہ کرتے ہوں، وہ ان کا شعار اور امتیاز بن جاتا ہے۔

موجودہ زمانے کے اہلِ حدیث (غیر مقلدین) کی خصوصیات وامتیازات:

اب ہم جائزہ لیتے ہیں، کہ ایک وہ اہلِ حدیث ہیں جو آج موجود ہیں، اور ایک وہ اہلِ حدیث تھے، جن کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے، آج کے زمانے میں جو اہلِ حدیث نام کی جماعت ہے، ان کے امتیازات کو شمار کیجیے:

(۱) تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک ہوتی ہے۔

(۲) تراویح کی آٹھ رکعت ہے، بیس رکعت سنت نہیں ہے۔

(۳) جمعہ کے دن منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے بعد خطبہ سے پہلے اذان دی جائے گی، اس کے علاوہ اور کوئی اذان نہیں دی جائے گی، یعنی صرف ایک اذان ہوگی، دو نہیں ہوگی۔

(۴) اور نائلون کا موزہ ہو، یا سوتی موزہ ہو، اس پر مسح کیا جاسکتا ہے، چمڑے کا ہونا ضروری نہیں ہے۔[۱] (میں یہ نہیں کہتا کہ یہ غلط ہے یا صحیح ہے، میں صرف پہچان بتا رہا ہوں۔)

---

(۱) فتاویٰ صراطِ مستقیم ص ۱۳۰، ط: مکتبہ قدوسیہ، لاہور۔

(۵) مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے۔

(۶) وتر کی ایک رکعت پڑھی جائے گی، اگر چہ جائز تین بھی ہے، پانچ بھی ہے، سات بھی ہے۔ لیکن ویسے نہیں جیسے حنفی پڑھتے ہیں، یعنی اگر تین رکعت پڑھیں گے تو یا تو ایسے پڑھیں گے کہ قعدہ کریں گے ہی نہیں، پہلی رکعت میں بھی اٹھ جائیں گے، دوسری رکعت میں بھی اٹھ جائیں گے، اور اخیر میں بیٹھیں گے۔ یا دو رکعت پر سلام پھیر دیں گے اور ایک رکعت الگ سلام سے پڑھیں گے، [1] لیکن جیسے ہمارے یہاں وتر کی نماز قعدۂ اولیٰ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اپنے کو اہلِ حدیث کہنے والا کوئی کہیں کا بھی ہو اس طریقے سے وتر پڑھنے والا نہیں ملے گا، یا تو ایک رکعت پڑھے گا یا تین رکعت: مگر کسی اور طریقے سے، اور شاید ہی کوئی تین پڑھتا ہو، ورنہ عموماً ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں۔

(۷) وتر کے اندر قنوت رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھیں گے، چاہے ہاتھ اٹھا کر پڑھیں، چاہے ہاتھ چھوڑ کر پڑھیں۔

(۸) اگر عید کے دن یا بقر عید کے دن جمعہ پڑ جائے، اس دن جمعہ کی جماعت ضروری نہیں ہے۔

یہ وہ مسائل ہیں جن کے اوپر اس زمانے کے تمام اہلِ حدیث (غیر مقلدین) حضرات کا عمل ہے، اور یہ ان کی پہچان ہے، اس سے ان کا کوئی فرد انکار نہیں کر سکتا، ایسا کوئی اہلِ حدیث آپ ہم کو دکھلا دیجیے جو رمضان میں بیس رکعت پڑھتا ہو، زمانہ موجودہ میں ایسا کوئی اہلِ حدیث آپ ہم کو دکھلا دیجیے جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہو، اور یہ کہتا ہو کہ نہیں صاحب تین طلاق دینے سے تین پڑے گی، کوئی اہلِ حدیث ایسا ہے جو کہتا ہو کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بھی اسی طرح مسنون ہے جس طرح سے خطبے والی دوسری اذان ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بازار میں ضرورت کی بناء پر اذان دلوادی تھی،

(۱) مجموعہ مقالات وفتاویٰ، ص ۱۲۷، ط: دار ابی الطیب، گوجراں والہ، پاکستان۔

مجمع کی بناء پر دلوادے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ جو درجہ پنج گانہ نماز کے لیے ہے، اسی درجے میں پہلی اذان کو مانتا ہو، بہرحال! ان امور کو ماننے والا کوئی اہلِ حدیث یعنی غیر مقلد آپ ہم کو دکھلا دیجیے، جتنے شعار میں نے گنائے ہیں، ایک بار پھر گن لیجیے:

(۱) تین طلاق کو ایک طلاق ماننا۔

(۲) تراویح کی آٹھ رکعت کو سنت ماننا۔

(۳) جمعہ کے دن صرف ایک اذان دینا۔

(۴) ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا۔

(۵) وتر کی ایک رکعت پڑھنا۔

(۶) قنوتِ وتر رکوع کے بعد پڑھنا۔

(۷) نائلون کے موزے پر مسح کو جائز سمجھنا۔

(۸) عیدین اگر جمعہ کے دن پڑ جائیں تو پہلی کو فرض اور دوسری کو سنت کہنا۔

موجودہ غیر مقلدین کی آٹھ علامات:

اس وقت جو لوگ اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں ان کی یہ علامت اور شعار ہے، ان کے اہلِ حدیث ہونے کا مطلب یہ ہوا ان میں یہ آٹھوں علامتیں موجود ہوں گی، اگر کوئی شخص ان علامتوں سے خالی ہو تو وہ اہلِ حدیث ہوسکتا ہے؟ نہیں ہوسکتا، آج کی جماعت اہلِ حدیث میں اس کو شامل مانا جائے گا؟ نہیں مانا جائے گا، آمین اور رفع یدین یہ شعار نہیں ہے؛ اس لیے کہ رفعِ یدین کے قائل تو شوافع بھی ہیں، یہ زمانۂ موجودہ کے اہلِ حدیث (غیر مقلدین) کی پہچان نہیں ہے، یہ تو صرف امتیاز کے لیے اختیار کرلیا ہے، تاکہ آپ سے الگ رہیں۔ رفعِ یدین، آمین بالجہر، قرأت خلف الامام شوافع کا مسلک ہے، شافعی بھی یہی کہتے ہیں؛ لہٰذا یہ غیر مقلدین کا امتیاز نہیں ہے، علامت اس کو کہتے ہیں:

مَایُوْجَدُ فِیْہِ وَلَایُوْجَدُ فِیْ غَیْرِہٖ.(۱)

''جواس میں پائی جائے، اور دوسرے میں نہ پائی جائے''۔

ان آٹھوں کے مجموعے کو علامت کہہ رہا ہوں، یہ آٹھ جو میں نے گنائے ہیں اس کے مجموعے کو کہہ رہا ہوں، الگ الگ نہیں، یہ مجموعہ علامت ہے۔ اور ہر چیز اپنی علامت کے ساتھ پہچانی جاتی ہے، علامت کو اگر نکالا جائے تو وہ چیز نہیں رہے گی۔ الغرض! آج جماعت اہلِ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جماعت جو تین طلاق کو ایک مانتی ہو، اسی کو حق کہتی ہو، اور اسی پر زور دیتی ہو، جو تراویح کی بیس نہیں آٹھ رکعت مانتی ہو، جو ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت کہتی ہو، نائلون اور سوت کے موزے پر مسح کو جائز کہتی ہو، جو عید کے دن جمعہ کو ضروری نہ سمجھتی ہو، جمعہ کے دن پہلی اذان کو پنج گانہ نماز کی اذان کی طرح ضروری نہ سمجھتی ہو، یہ علامتیں جس جماعت میں پائی جاتی ہیں، آج کل ان کو جماعتِ اہلِ حدیث کہا جاتا ہے۔

موجودہ غیر مقلدین اور اسلافِ محدثین میں بنیادی فرق:

آج کے اہلِ حدیث کا ذکر مع علامات گزر چکا، ایک دوسرے اہلِ حدیث ہیں، جن کا تذکرہ کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر آج کے زمانے تک اہلِ حدیث کے عنوان سے چلا آرہا ہے، موجودہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ہم اسی زمانے سے چلے آرہے ہیں، یعنی ہماری جماعت اسی زمانے سے چلی آرہی ہے؛ لہٰذا میں پھر اپنا دعویٰ دہرا رہا ہوں کہ میں پوری دنیائے غیر مقلدیت کو مسجد مالتی باغ (۲) میں بیٹھ کر

(۱) جامع العلوم في اصطلاحات الفنون: ۲/۵۲، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت ۲۰۰۰ء.

(۲) بنارس کے مسلم اکثریتی محلّے ''مدن پورہ'' میں مختلف ذیلی محلے بھی ہیں، جن میں سے ایک ''مالتی باغ'' نامی محلّہ ہے، اس محلے کی معروف مسجد ''مسجد بلال'' اہلِ علاقہ کے درمیان ''مسجد مالتی باغ'' سے مشہور ہے، ۲۰۱۷ء سے قبل حضرت اقدس مہتمم صاحب مدظلہم کے رمضان اور دیگر اصلاحی پروگرام اور معمولات اسی مسجد میں انجام پاتے تھے، گزشتہ تقریباً چھ (۶) سالوں سے رمضان کے اعتکاف سمیت مختلف اصلاحی تقریبات جامعہ محمودیہ، بلوڑی، بنارس کی مسجد میں منتقل ہوگئی ہیں۔

چیلنج کر رہا ہوں کہ:

''برطانیہ کے دور سے پہلے دنیا کے کسی خطے میں کسی ایسی جماعت کا وجود ثابت کر دیں جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتی ہو، اور بحیثیت مجموعی یہ آٹھوں علامتیں اس کے اندر موجود ہوں۔''

مذکورہ آٹھ علامتوں میں سے زمانۂ قدیم میں انفرادی طور پر کوئی علامت کسی کے اندر پائی جاتی رہی ہو، تو اس کو دلیل میں پیش کرنے سے کام نہیں چلے گا، مثلاً یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ فلاں صاحب نائلون کے موزے پر مسح کرتے تھے، بل کہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ آٹھوں علامتوں پر عمل پیرا تھے، میں نے جن آٹھ علامتوں کا تذکرہ کیا ہے، آج کوئی بھی اہلِ حدیث (غیر مقلد) ان سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے، بل کہ تمام علامتوں کو اپنائے ہوئے ہے، یہی ان کی پہچان ہے، آج پوری جماعت اس پر کار بند ہے۔

اور آپ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت زمانۂ قدیم سے چلی آ رہی ہے، کوئی ایک آدمی تین طلاق کو ایک مانتا ہو، تو وہ ایک فرد ہے، اس کا اختلاف ایک بات میں ہے، جماعت اس وقت بنے گی یا اسی ایک فرد کو لے لیجیے، وہ آج کے اہلِ حدیث کے ساتھ اس وقت جڑے گا، جب وہ اور علامتوں میں شریک ہو، وہ جمعہ کی پہلی اذان کو بھی نہ مانتا ہو، وہ تراویح کی آٹھ رکعت مانتا ہو، وہ دیگر تمام علامتوں کو مانتا ہو، تمام علامتیں جب اس کے اندر پائی جائیں گی، تب اُس جماعت کو اِن غیر مقلدین کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا حق حاصل ہوگا، اور اگر نہیں، تو یہ نام پر ڈاکہ ڈال کر اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہنا چوری اور سینہ زوری ہے۔

لفظ ''اہلِ حدیث'' انگریزوں کا عطیہ:

اس جماعت نے بہت غور کیا، موحد بنے، فٹ نہیں بیٹھا، محمدی بن گئے، یہ بھی اچھا

نہیں لگا، اب کیا کریں؟ وہابی کہے جانے لگے، انگریزوں کی نظر میں معتوب ہو گئے، یہ بھی ٹھیک نہیں ہے؛ لہٰذا باقاعدہ انگریز بہادر کے دربار میں درخواست دے کر اپنا نام اہلِ حدیث الاٹ کروایا، اور اس پر بڑی مرچ لگی ہے، تب جا کر رنگ چوکھا ہوا ہے، کتابوں میں لکھا ہوا ہے، (۱) یہاں "الاقتصاد فی الجہاد" بھی موجود ہے، ترجمان وہابیہ بھی موجود ہے، اصل کتاب موجود ہے، پوری کاروائی موجود ہے، اور اس پر باقاعدہ شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اور انگریز بہادر کے اتنا ممنون ہیں کہ شکریے کے ایڈریس میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے زیر سایہ ہمیں مذہبی آزادی اتنی حاصل ہے، جتنی بلادِ اسلامیہ میں بھی حاصل نہیں ہے، ہم کو کہیں اور وہ سکون حاصل نہیں ہے، جو سرکار انگلشیہ کے زیرِ سایہ ملا ہوا ہے۔ (۲)

انگریزوں کی قصیدہ خوانی:

اس فرقے نے اپنا نام انگریز بہادر سے الاٹ کروایا ہے، اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ نواب وحید الزماں صاحب، نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ابراہیم سیالکوٹی، میاں نذیر حسین دہلوی تک سب کے سب انگریزی حکومت کے قصیدہ خواں اور مدح خواں رہے ہیں، اور نواب صاحب نے تو حد ہی کر دی، انگریز بہادر کو مطمئن کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے: کسی نے نہ سنا ہوگا کہ سرکار انگلشیہ کے خلاف بغاوت کرنے والے، ہلڑ کرنے والے وہ لوگ ہوں جو اپنے آپ کو موحد کہنے والے ہیں، وہ سب کے سب حنفی ہیں۔ (۳) میں مفہوم نقل کر رہا ہوں، اصل الفاظ کتاب میں موجود ہیں؛ اس لیے الفاظ کو نہ پکڑا جائے۔

---

(۱) ترجمانِ وہابیہ ص ۹۰، ۹۳، ط: مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۰۰ھ۔

(۲) ایضاً ص ۱۲-۲۶۔

(۳) ایضاً ص ۳۶۔

ترجمانِ وہابیہ میں لکھا ہے:

''یہ بغاوت ہندوستان میں بزمانۂ غدر جو ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے، جو دینِ اسلام سے آگاہ نہیں ہیں، اور ملک میں فساد کرنا اور امن اٹھانا چاہتے ہیں۔'' (۱)

فرماتے ہیں:

''کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد، متبعِ سنت، حدیث وقرآن پر چلنے والا، بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو، یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو، جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا، احکام انگلشیہ کے برسرعناد ہوئے، وہ سب کے سب مقلدانِ مذہبِ حنفی تھے۔'' (۲)

ترجمان وہابیہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی کتاب ہے، جس میں مذکورہ عبارت بطورِ تحریر موجود ہے۔

انگریزوں کی طرف سے وفاداری کا سرٹیفکٹ:

اس کے باوجود یہ زعم ہے کہ جتنا خون ملک کی آزادی کے لیے ہمارا بہا ہے، کسی جماعت کا نہیں بہا ہے، حالاں کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والوں کے بارے میں نواب صاحب کی یہ مہر لگی ہوئی ہے کہ وہ سب کے سب مقلدانِ مذہبِ حنفی ہیں۔ اس میں وہ فوٹو بھی ہے، جو انگریز کی طرف سے میاں نذیر حسین صاحب کو تیرہ سو روپیہ انعام ملا تھا، اور سرٹیفکٹ ملا تھا کہ یہ ہمارے بڑے وفادار ہیں، اب آپ چاہیں تو اس کو بھی علامتوں میں شمار کریں، چاہے نہ کریں، لیکن میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں، پوری پختگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں، اور جہاں تک جو میری آواز کو پہنچا سکتا ہو پہنچا دے کہ ان آٹھ علامتوں کے بغیر کوئی غیر مقلد اپنے آپ کو اہلِ حدیث نہیں کہہ سکتا، اس زمانے میں (زمانۂ سلف میں) جو اہلِ حدیث تھے، ان کے ساتھ آپ کا کیا جوڑ

(۱) ترجمانِ وہابیہ: ص۱۹۔

(۲) ایضاً ص۳۶۔

ہے؟ وہ اہلِ حدیث اور تھے، اور آپ اگر وہی جماعت اہلِ حدیث ہیں، تو اپنی مذکورہ بالا علامتوں کو ان اسلاف محدثین کے اندر ثابت کیجیے۔

میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ برطانیہ کے دور سے پہلے اس نام نہاد اہلِ حدیث کا کوئی وجود ہی نہیں تھا، تاریخِ ہند کوئی بہت دور کی چیز نہیں ہے، انگریز کا منحوس قدم ہندوستان میں پڑنے سے پہلے پورے ہندوستان کے اندر، کوئی اہلِ حدیث کا مدرسہ، کوئی اہلِ حدیث کی مسجد، کوئی اہلِ حدیث کی کتاب، حدیث کی شرح، فقہ کی کوئی کتاب، پورے ہندوستان کے اندر کہیں بھی دکھادی جائے، میں نے ایک کتاب کا حوالہ دیا تھا، ''اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات'' ۱۹۸۰ء میں جامعہ سلفیہ سے چھپی تھی، میں نے اس کی عبارت کا حوالہ دیا تھا، اور وہ یہاں موجود ہے، اس میں لکھا ہوا تھا ''نزل الابرار'' کے بارے میں کہ یہ فقہ اہلِ حدیث کی کتاب ہے، اور عوام میں بہت مقبول ہے۔ کل بجرڈیہہ (۱) میں ایک صاحب نے بتایا کہ اس کتاب کی طبع ثانی ۱۹۹۲ء میں ہوئی ہے، اور میں نے جس کا حوالہ دیا ہے وہ ۱۹۸۰ء میں چھپی تھی، اب اس میں تھوڑی سی تبدیلی کردی گئی کہ اس کو فقہ اہلِ حدیث کے بجائے فقہ اسلام کردیا گیا ہے اور اس میں بڑھا دیا گیا ہے کہ روزمرہ کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں؛ مگر شیخ سے بعض مسائل میں لغزش ہوگئی ہے، مثلاً توسل کے مسئلے میں۔

غیر مقلدین کی حرکتیں:

اور میں آپ کو بتاؤں کہ توسل کے مسئلے کا حوالہ کیوں دیا؟ اس وجہ سے کہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے اس کتاب ''نزل الابرار'' کو شائع کیا، اس کے حاشیے پر اپنا اختلاف نوٹ کردیا، باقی پوری کتاب مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی نظر سے گزری ہے، اور کسی مسئلے میں انھوں نے اختلاف نہیں کیا ہے، آپ دیکھیں گے، میرا سوال نامہ بھی

---

(۱) شہر بنارس کا نواحی اور نَو آباد محلّہ۔

تحریری شکل میں آچکا ہے، ہم چور کی طرح کام نہیں کرتے، ہمارے جلسے کے بعد سے روز بیٹھکہ میں ایک پرچی پڑی ہوئی ملتی ہے، کسی کوٹھی میں ایک پرچی پڑی ہوئی ہے، کوئی چپکے سے کسی کو تھما رہا ہے، کس نے چھاپا؟ کس نے بانٹا؟ پتہ نہیں، ہمارے یہاں چوری چھپے کام نہیں ہوتا۔ ''نزل الابرار'' میں مذکورہ مسائل کے بارے میں سوال نامہ ہم نے چھپوایا ہے، جو آپ کے نزدیک مستند کتاب ہے، اس کتاب کو نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے، اور وہ آپ کے علماء میں ہیں، آپ ان کو اپنا عالم مانتے ہیں، اور اس کو کس نے چھاپا ہے؟ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے چھاپا ہے؛ چناں چہ سرِورق پر درج ہے:

''قد طبع في مطبع سعيد المطابع الواقعة في بلد بنــارس ١٣٢٨هـ''

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی شخصیت سے آپ چاہے واقف ہوں یا نہ ہوں، لیکن یہ حضرات خوب جانتے ہیں، بنارس کے تمام اہلِ حدیث میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی شخصیت بہت اونچی تھی، اس پایہ کا کوئی عالم نہیں تھا، انھوں نے اس کتاب کو چھاپا ہے، اور اپنے مطبع سے چھاپا ہے، اتنی موٹی کتاب میں کہیں کہیں تو انھوں نے اختلاف کیا ہے، مثلاً توسل کا مسئلہ آیا ہے، تو نواب صاحب لکھتے ہیں:

اَلتَّوَسُّلُ إِلَى اللهِ تَعَالَىٰ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهِ جَائِزٌ، يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ.(۱)

''اللہ تعالیٰ سے وسیلہ لینا انبیاء کے ذریعہ اور نیک بندوں کے ذریعہ جائز ہے، اس میں زندہ، مردہ سب برابر ہیں''۔

سیف صاحب نے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مردوں سے وسیلہ لینا جائز نہیں ہے، اس لیے مولانا مستقیم (۲) صاحب نے جب دوبارہ تصنیفی خدمات کی فہرست

---

(۱) نزل الأبرار، حصه۱ صفحه۵.

(۲) مولانا محمد مستقیم سلفی اہلِ حدیث عالم اور مصنف ہیں، آپ کی ولادت مئی ۱۹۴۶ء کو سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی، آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ اور سابق شیخ الجامعہ ہیں۔

مرتب کی تو کہہ دیا کہ شیخ سے اس میں کہیں کہیں لغزش ہوگئی ہے، جیسے کہ توسل والا مسئلہ؛ لیکن اور مسائل کے بارے میں انھوں نے اور کوئی رائے نہیں دی، مسائل فقہیہ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا، حالاں کہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی نگاہ تو پوری کتاب پر گزری ہے، اور وہ جماعت کے سرخیل ہیں، اپنے مطبع سے انھوں نے چھاپی ہے، اور صرف شائع ہی نہیں کیا ہے، بل کہ وہ کتنے اعلیٰ درجے کی کتاب ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں، ذرا عبارت دیکھیے:

جو صاحب اس کتاب مقدس کو ملاحظہ کرنا چاہیں، پہلے سب اغلاط حسبِ صحت نامہ درست فرمالیں۔ (۱)

آپ کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، بائبل کو کتاب مقدس نہیں کہہ رہے ہیں، بل کہ یہ کتاب مقدس ''نزل الابرار'' ہے، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اپنے قلم سے لکھ رہے ہیں کہ یہ کتاب مقدس ہے، اور جب تین اساتذہ مولانا رئیس احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، (۲) مولانا مستقیم سلفی نے جامعہ سلفیہ سے یہ کتاب شائع کی ہے، تب تو ۱۹۸۰ء تک وہ فقہ اہلِ حدیث کی کتاب تھی، اور وہ بدلی ہے کب؟ جب میں نے ترجمان الاسلام (۳) میں ''عورتوں کا طریقۂ نماز'' (۴) مضمون لکھا اور اس میں مَیں نے ''نزل الابرار'' کا حوالہ دے دیا، وہ بھی کہتے ہیں کہ مَردوں کا سجدہ عورتوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے، حاشیے پر میں نے ''تصنیفی خدمات'' کی وہ عبارت نوٹ کردی، اور جب ۱۹۹۲ء میں وہ کتاب

---

(۱) نزل الأبرار: ۲۸۹/۱.

(۲) مولانا عبدالسلام رحمانی اہلِ حدیث عالم اور جامعہ سلفیہ کے استاذ تھے، آپ ضلع بلرامپور، یوپی میں اگست ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے اور ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۳ء کو بونڈیہار، بلرامپور میں وفات پائی۔ (مولانا عبدالسلام رحمانی ص ۳، ۱۰)

(۳) ''ترجمان الاسلام'' جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب، بنارس کا مرحوم سہ ماہی مجلّہ ہے، مشہور قلم کار مولانا نظام الدین اسیر ادروی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مدیرِ تحریر اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہم العالیہ مدیرِ اعلیٰ تھے۔

(۴) حضرت والا کا یہ مضمون اِسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۶۳ پر موجود ہے۔

چھپی، تو اس کے ذمہ دار تنہا مولانا مستقیم صاحب بنے تھے، اور انھوں نے پہلے ایک ہزار مصنفین کا نام لکھا تھا، اس کے بعد اب موجودہ طبع میں ساڑھے تین ہزار علماء اہلِ حدیث کا نام ہے؛ لیکن اس میں سے نواب وحیدالزماں صاحب کا نام خارج نہیں کیا گیا ہے، اب بھی وہ علماء اہلِ حدیث میں شامل ہیں، ان کی تصنیفات کو بھی نہیں نکالا گیا ہے، اب بھی نزل الابرار اور ہدیۃ المهدی ان کی تصنیفات میں موجود ہیں، صرف ایک مسئلے کو مثال کے طور پر پیش کیا کہ اس میں کچھ لغزش ہوگئی ہے۔

جماعت کی عمر کے متعلق خود اہلِ جماعت کا اعتراف:

مولانا مستقیم صاحب فرماتے ہیں کہ زیرِ نظر کتاب میں زمانۂ شاہ اسماعیل شہید سے تا حال علماء اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات کو جمع کیا گیا ہے، اور مولانا مقتدیٰ حسن ازہری (۱) دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ۱۹۸۰ء مؤتمر الدعوۃ والتعلیم کے موقع پر جامعہ سلفیہ کے بعض اساتذۂ کرام نے جماعتِ اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی تھی، جس میں علماءِ اہلِ حدیث کی تقریباً ایک ہزار کتابوں کا تذکرہ ہے۔ یہ پہلی طبع میں ہے، جس کا میں نے حوالہ دیا تھا، پہلی اشاعت کی تیاری میں حصہ لینے والوں میں ایک استاذ مولانا مستقیم صاحب سلفی نے دوسری بار اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور بڑی محنت ولگن اور جستجو سے تین ہزار سے زائد مؤلفات علماء اہلِ حدیث کا تعارف کرایا، اس پر مقتدیٰ حسن صاحب کا دستخط ۲۰؍رجب ۱۴۱۲ھ کی تاریخ کے ساتھ ثبت ہے۔

میرا سوال ہے کہ ساڑھے تین ہزار مؤلفات کا تعارف کرایا ہے، لیکن مولانا مستقیم صاحب فرماتے ہیں کہ زمانۂ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تا حال، آخر معاملہ کیا ہے؟

---

(۱) ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جماعتِ اہلِ حدیث کے نامور عالمِ دین اور جامعہ سلفیہ کے رئیس تھے، آپ کی ولادت اگست ۱۹۳۹ء کو مئوناتھ بھنجن میں ہوئی اور اکتوبر ۲۰۰۹ء میں کانپور کے اندر وفات پائی۔ (ماہنامہ محدّث، دسمبر ۲۰۰۹ء)

جماعت تو آپ کی آفاقی ہے، حضور ﷺ کے زمانے سے چلی آرہی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی تھی، تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے میں بھی تھی، سندھ میں بھی تھی، آذربائیجان میں بھی تھی، یہاں بھی تھی اور وہاں بھی تھی، اور جب تصنیفات شمار کرانے کا موقع آیا، تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے آغاز ہو رہا ہے، کیا معاملہ ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے، بات وہی ہے کہ اس سے پہلے وجود ہی نہیں ہے، انگریز بہادر کے آنے سے پہلے نہ کوئی مدرسہ ہے اس جماعت اہلِ حدیث کا، نہ کوئی مسجد ہے، نہ کوئی جماعت ہے، نہ کوئی تصنیف ہے۔ اور یہ جو تصنیف کر رہے ہیں اور اپنے علماء کی کتابوں کو جمع کر رہے ہیں، اگر بارہ صفحہ کا کوئی رسالہ ہوگا تو اس کو بھی لکھیں گے، ان کو حق ہے؛ اس لیے کہ ساڑھے تین ہزار کی گنتی ان کو پوری کرنی ہے۔ بہر حال اگر مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کوئی اہلِ حدیث جماعت تھی تو اس کی تصنیف کہاں ہے؟

یہ سوال اہم ہے کہ ان کا وجود کب ہوا؟ زمانۂ نبوت سے، زمانۂ صحابہ سے؟ آٹھ علامتوں والی جماعت اہلِ حدیث جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتی ہے، اس کا وجود کب ہوا؟ اور اگر ان آٹھ علامتوں کو ان سے چھین لیا جائے، تو خود بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں اور جو شخص بغیر ان آٹھ علامتوں کے کہے کہ میں اہلِ حدیث ہوں، تو اس کو جامعہ سلفیہ میں گھسنے نہیں دیں گے کہ تم اہلِ حدیث کیسے ہو؟ اس لیے کہ اہلِ حدیث اس کو کہتے ہیں، جس کے اندر یہ چیزیں پائی جاتی ہوں۔ اس جماعتِ اہلِ حدیث کو وہاں (اسلاف) تک جوڑ کر دکھلاؤ۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ہمارا چیلنج ہے پوری جماعت کو، میں جماعت کا خادم ہوں، ہمارے پاس کوئی الدکتور حفظہ اللہ نہیں ہیں، جن کو ہم دلی سے بلا کر لے آئیں، مئو سے بلا کر لے آئیں، گونڈہ سے بلا کر لے آئیں، ہم ہی چند خدام ہیں، اپنی جماعت کی خدمت کر رہے ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تنقید کے نام پر حدیث کا استہزاء:

فضائلِ اعمال پر تنقید انکار حدیث کا ایک ذریعہ ہے، یہ غیر مقلد اپنے آپ کو

اہلِ حدیث کہتے ہیں، مگر ان سے بڑا دشمن حدیث کوئی نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم! ان سے زیادہ مخالف حدیث کوئی نہیں ہوسکتا، محدثین کی اصطلاح میں اگر کوئی حدیث ہے، تو یہ اتنی حقارت سے نام لیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بکواس ہے، اور حدیث ضعیف کے ساتھ اور عجیب معاملہ ہوتا ہے، فضائلِ اعمال میں حضرت شیخ حدیث (۱) نقل کرتے ہیں، عربی کی عبارت نقل کرتے ہیں، ترجمہ کرتے ہیں، حوالہ دیتے ہیں کہ حدیث کی کس کتاب سے اس کو نقل کیا گیا ہے، اس کے بعد راویوں کے حالات نقل کرتے ہیں، انھوں نے کتنا کام کیا ہے، حضرت نے حدیث گڑھی نہیں ہے، حدیث نقل کی، کتاب کے حوالے سے لکھی، ہاں اتنا ہے کہ وہ حدیث فضائل کے باب کی ہے، بخاری ومسلم کے درجے کی نہیں ہے، ان کا تبصرہ بتاتا ہوں۔

پہلی مثال:

حضرت شیخ نے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (میرے سامنے کتاب نہیں ہے، اس کا مفہوم نقل کررہا ہوں) کہ:

”جس شخص سے بخل کی بناء پر مال بھی خرچ نہ ہوسکے، بزدلی کی بناء پر جہاد بھی نہ ہوسکے، سستی کی بناء پر عبادت بھی نہ کرسکتا ہو، میں اس کو ایک عمل بتاتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے۔“(۲)

یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، فضائل ذکر میں حضرت شیخ نے اس کو نقل کیا ہے، اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔

حدیث کا مقصد ہے ذکر پر لوگوں کو آمادہ کرنا، اور اسی فضائلِ اعمال کے متعلق اُن

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ، ولادت: فروری ۱۸۹۸ء، وفات: مئی ۱۹۸۲ء۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص ۴۹-۱۷۵)

(۲) فضائلِ اعمال، فضائلِ ذکر، جلد ۱، صفحہ ۳۵۴، ط: ادارۂ دینیات، ممبئی، ۲۰۱۲ء۔

کی جانب سے ''بربادیٔ اعمال'' یا ''فضائلِ اعمال'' پوسٹر چھپا ہوا ہے، اور ابھی اعظم گڑھ میں موضع انباری میں ان کی ''اتباعِ سنت کانفرنس'' ہوئی ہے، اُس میں ایک مقرر صاحب نے کہا اور ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کتاب میں بھی مل جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے، اور کنجوسی کی وجہ سے نفلی صدقات کے طور پر مال بھی خرچ نہ کیا جاسکتا ہو، اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کرسکتا ہو، اس کو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے، یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو نفلی عبادت میں ہوتی ہے، اللہ کے ذکر کی کثرت اس کو دور کردے گی''۔

اس پر تبصرہ فرماتے ہیں:

''دیکھا آپ نے جہاد جیسی فرض عبادت کو زکریا صاحب نفل میں شمار کرکے اس کی اہمیت کو کس طرح گھٹا رہے ہیں؟ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چوں کہ ان کو پسند نہیں تھا، اس لیے انگریزوں کے خلاف جہاد کو ختم کرنے کے لیے یہ کررہے ہیں''۔

یہ مذاق کس کا اڑایا جارہا ہے؟ کیا زکریا صاحب نے جہاد کو ختم کیا ہے؟ یہ مذاق رسول اللہ ﷺ کا ہورہا ہے یا زکریا صاحب کا ہورہا ہے؟ حدیث کا مذاق اڑانے والا کون ہوگا بھائی! وہ اہلِ حدیث ہوسکتا ہے؟ وہ متبع سنت ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں ہوسکتا۔

دوسری مثال:

فضائلِ صدقات میں ایک حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''مبارک باد ہے اس شخص کے لیے (میں مفہوم نقل کررہا ہوں) جو تھوڑے مال والا ہو، اور کم عیال والا ہو، گمنام زندگی بسر کرنے والا ہو، اور چٹکی بجاتے چلا گیا ہو، قَلِيْلُ الْعِيَالِ قَلِيْلُ الْمَالِ''

یہ مولانا زکریا صاحب نے حدیث نقل کی ہے، اس پر تبصرہ فرماتے ہیں:

دیکھو نس بندی کے لیے راستہ ہموار کررہے ہیں، قلیل اولاد کس کو ہوگی؟

دشمنی کیا کیا کراتی ہے، یہ حدیث کا مذاق ہوا یا زکریا صاحب کا؟ فضائلِ اعمال یا بربادیٔ اعمال؟ فضائلِ اعمال یقیناً آپ کے اعمال اور ایمان کو برباد کررہی ہے، نہ کہ ہمارے اعمال اور ایمان کو؛ اس لیے کہ ہم تو پڑھ کے حدیث کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی زیادتی کی تعلیم دی ہے۔ اور آپ اس سے یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ جہاد کو ختم کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے، ہم جب روایت پڑھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ مولانا زکریا صاحب حضور ﷺ کی روایت نقل کرکے دنیا کے مال ومتاع زیادہ نہ جمع کرنے کی تلقین کررہے ہیں؛ لیکن آپ کو سمجھ میں آرہا ہے کہ نس بندی کی تعلیم دے رہے ہیں، اپنے اپنے فہم کا معاملہ ہے۔

غیر مقلدین کے ہر فرد کے لیے مسئلے کی دلیل معلوم کرنا فرض ہے:

فضائلِ اعمال کے جو دو دو نمونے میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، ان ہی کو واہی تباہی کہا جاتا ہے۔ ''نزل الابرار'' سے انتخاب کرکے ہمارا ایک سوال نامہ چھپ چکا ہے، اور ہم نے اسے آویزاں کردیا ہے، ہمیں اس کا جواب چاہیے۔

میں جماعت اہلِ حدیث کے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ اس بات پر غور کریں کہ قرآن وحدیث کا حوالہ دے کر ان کو کتنا بے وقوف بنایا جارہا ہے، اس کے پردے میں کتنی غلاظت ہے، کس قدر گندگی ہے، اور کہاں سے اعتماد اٹھایا جارہا ہے، یعنی درمیان سے سارے رشتے کاٹ کر نہ صحابہ قابلِ اعتماد، نہ ائمہ قابلِ اعتماد، نہ مجتہدین قابلِ اعتماد۔

ان کا فیصلہ سیاسی تھا، ان کا فیصلہ وقتی تھا، کہ ہم تو وہاں سے چلیں گے اور وہاں سے چلنے کے لیے یہاں سے وہاں تک کے سارے سلسلے کاٹ کر بے جڑ کے ہوگئے، بے بنیاد کے ہوگئے۔ جڑ الحمد للہ یہاں سے وہاں تک ملی ہوئی ہے، منقطع نہیں ہوئی ہے اور آپ نے مولانا عبدالمتین صاحب کے خطبۂ صدارت کے اندر سن لیا کہ ہماری تقلید کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شارع یعنی صاحب شریعت مانتے ہیں؛

بل کہ شارح مانتے ہیں، ہم اس بناء پر ان کی بات مانتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث کے ماہر ہیں، ہم کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم بتائیں گے، ہمیں اللہ نے اتنا فہم نہیں دیا ہے، ہم کو اتنا درک نہیں دیا ہے، آپ کہتے ہیں کہ غلط ہے، تو آپ ہر فرد کو ذمہ دار بنارہے ہیں، ہر نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ بیچ میں کسی کو نہ لائے، ڈائریکٹ کتاب اللہ سے مسئلہ معلوم کرے، یا اگر مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھنے جائے، تو اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان سے پوچھے کہ کتاب وسنت کے اندر اس کی دلیل کیا ہے؟ خدانخواستہ بغیر کتاب وسنت کی دلیل معلوم کیے، اپنے عالم کے بتانے پر عمل کرلے گا تو شرک ہوجائے گا، اس لیے کہ تقلید شرک ہے، اور تقلید کا معنی یہی ہے کہ بغیر دلیل کا مطالبہ کیے ہوئے محض اعتماد کے اوپر مسئلہ معلوم کرکے عمل کرلینا تقلید ہے، اور تقلید شرک ہے۔

لہٰذا جماعت اہلِ حدیث کے ہر نوجوان، پڑھے لکھے، جاہل، دیہاتی، شہری، غرضے کہ ہر فرد کے ذمہ فرض ہوجاتا ہے، کہ ہر مسئلے کی دلیل براہ راست کتاب وسنت سے معلوم کرے، اگر کسی مسئلے کی دلیل معلوم نہیں ہے، اور کسی مولوی یا کسی دکتور یا کسی فضیلۃ الشیخ سے پوچھ کر کسی مسئلے پر عمل کرلیا، تو یہ شرک ہوگیا، اول تو دکتور صاحب اور فضیلۃ الشیخ کی ذمہ داری ہے کہ ساتھ میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے دلیل پیش کریں، اور اگر وہ نہیں پیش کرتے، تو سائل کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کہے: ہم کو دلیل بتایئے، اگر بغیر دلیل جانے ہوئے عمل کرلے گا مقلد ہوجائے گا، اور مقلد ہوجائے تو مشرک ہوجائے گا۔

تقلیدِ ائمہ کانفرنس کے متعلق ایک ضروری وضاحت:

''سياحة الجنان بمناكحة أهل الإيمان'' والے مسئلے کے متعلق عرض ہے کہ سرائے میر میں ''تقلیدِ ائمہ کانفرنس'' ہوئی تھی، اس میں مولانا بشیر احمد گونڈوی نے تین طلاق کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد کہا تھا کہ:

''غیر مقلد کے یہاں تین طلاق ایک طلاق ہوتی ہے، آپ اپنی لڑکی، اپنی بہن ان کے

نکاح میں دیں گے، شوہر غیر مقلد ہے وہ تین طلاق دیدے گا اور کہہ دے گا کہ رجعت کرلی، اور پھر رکھ لے گا، اب آپ سوچیے کہ آپ کے اعتبار سے آپ کی لڑکی حرام ہوچکی ہے، اور وہ ان کے نکاح میں ہے، اور اس نے تین دے کر رجعت کرلیا ہے، آپ دل کی گہرائی سے مانتے ہیں کہ تین طلاق تین طلاق ہے۔اب آپ اس کو کیسے گوارہ کرلیں گے کہ آپ کی بچی نکاح ٹوٹ جانے کے بعد، حرام ہوجانے کے بعد، اس کی زوجیت میں رہے؟''

یہ کسی نے نہیں کہا ہے کہ اس فتنے سے بچنے کے لیے ان سے نکاح کا رشتہ نہ کیا جائے۔ اوّلاً تو انھوں نے ایک رائے دی تھی، دوسرے یہ بات انہوں نے کہی تھی، میں نے میں نے اپنی تقریر میں نہیں کہی تھی، میں چلا آیا تھا، اس کے بعد دوسرے دن چند تجویزیں پاس ہوئیں، اور اس میں ایک یہ بھی تجویز تھی؛ لیکن اس میں یہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، وہ مشرک ہیں، ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، بات یہ تھی کہ نکاح کروگے اور وہ تین طلاق دے دیں گے، پھر رکھ لیں گے یہ کہہ کر کے کہ میں نے رجعت کرلی ہے، یہ صحیح نہیں ہوگا۔ یہ رپورٹ اخبار ''آواز ملک'' میں شائع ہوگئی، پھر وہیں سے طوفان شروع ہوا ہے۔

ایک صاحب[1] نے میرے نام ایک پرچہ لکھا، بڑے اچھے سلجھے ہوئے آدمی ہیں، کتابیں بھی انھوں نے کئی لکھی ہیں، وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ مجھ کو پہچانا نہیں گیا، لیکن معاملہ یہ ہے کہ:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم
(جو بھی لباس پہن لو، اپنے قد سے پہچانے جاؤگے)

---

(۱) یہ صاحب جناب ابوالقاسم شاد عباسی تھے، بنارسی حلقوں میں مصنّف وقلم کار کی حیثیت سے معروف ہیں، بعد میں مذکورہ رقعے کے متعلق خود بھی اعتراف کیا تھا۔

میں نے جس کے مسودات دیکھے ہیں، میں نے جس کی کتابیں باقاعدہ پڑھی ہیں، تصحیح کی ہے، اس کے اندازِ تحریر کو میں نہیں پہچان سکوں گا؟ ایسا نہیں ہوسکتا، میں خوب پہچانتا ہوں؛ لیکن آج تک میں نے ان سے اس کا اظہار تک نہیں کیا، سلام کلام بھی ہوتا ہے، آمنا سامنا بھی ہوتا ہے، اگر ان تک میری آواز پہنچ رہی ہو، اور ضرور پہنچ رہی ہوگی، تو شاید ان کو کچھ سوچنے کا موقع ملے، سب سے پہلے میرے نام سے پرچہ آیا، اس کے بعد ہاشم صاحب نیا چوک کا پرچہ آیا، جو زبان استعمال کی گئی اور جس طرح ذاتیات کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی، آپ لوگوں نے اس کو دیکھا، اس کے بعد اپنے جلسے میں جو ''نزل الابرار'' کا میں نے حوالہ دیا تھا، اس کا تو کوئی جواب نہیں آیا، ایک مسئلے کا بھی جواب نہیں آیا، اس کے بجائے روز چور کی طرح ''ہدایہ''، ''درمختار''، ''منیۃ المصلی'' اور ''حلبی کبیر''[۱] کے بارے میں ایک پرچی آرہی ہے، یہ سب چل رہا ہے۔ بہرحال! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ اِس طرح اٹھا کہ کانفرنس میں یہ بات آگئی تھی کہ ان کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔

نکاح کے متعلق خود ان کا فتویٰ:

اس وضاحت کے بعد عرض ہے کہ: ''سیاحة الجنان بمناكحة أهل الإيمان'' جناب مولانا ابوالشکور عبدالقادر صاحب خطیب جامع مسجد گنگا ضلع حصار کی کتاب ہے، ان کی پوری کتاب کا حاصل یہ ہے:

''اہلِ حدیث کا نکاح کسی حنفی کے ساتھ، یا کسی مقلد کے ساتھ جائز نہیں ہے۔''

چناں چہ ٹائٹل ہی پر لکھتے ہیں:

''کہ بہت کم ایسے اہلِ حدیث، اہل توحید اور اہلِ سنت والجماعت ہوں گے، جو خدا تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوں گے، اپنا یا اپنے کسی عزیز کا نکاح کسی دین دار اور

---

(۱) یہ تمام فقہِ حنفی کی معتبر و معروف کُتب ہیں۔

موحدہ لڑکی سے کرتے ہوں گے، یا اپنے کسی عزیز کی لڑکی کا نکاح کسی موحد اور متبعِ سنت لڑکے سے کرتے ہوں گے؛ ورنہ اکثر توحید اور اتباعِ سنت کا دم بھرنے والے حضرات خدا تعالیٰ کے اس فرمان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے، بددین، مشرکہ، مبتدعہ عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں، اور مشرکوں، بددینوں اور بدعتیوں کے حوالے اپنی دین دار لڑکیاں کر دیتے ہیں، جو پرلے درجے کا ظلم، بے انصافی اور بے غیرتی ہے"۔ (۱)

اپنے ہی لوگوں کو غیرت دلا رہے ہیں؛ چناں چہ مزید لکھتے ہیں:

"موحد اہلِ حدیث لڑکی کا نکاح جب کسی مشرک بدعتی سے کیا جاتا ہے یعنی حنفی مقلد سے کیا جاتا ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ نکاح میں زوجین کا اسلام شرط ہے، اسی طرح مشرک بدعتی کی لڑکی جب کہ وہ بالغہ ہو کر اسی مذہب پر ہو، تو اس کا نکاح اہلِ حدیث موحد سے نہیں ہوسکتا، چناں چہ قرآن میں ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اور فرمایا: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ یعنی مشرکین کو اپنی لڑکیاں نکاح میں نہ دو؛ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور مشرکہ عورتوں کا نکاح نہ کرو؛ یہاں تک کہ مومنہ ہو جائیں، حنفیوں کے عقائد واعمال ذکر کرکے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں، اور بدعتی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ بدعتی اسلام سے اسی طرح نکل جاتا ہے، جس طرح آٹے سے بال نکل جاتا ہے، قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مشرکین کو نکاح میں مت دو، اور نہ مشرکہ عورتوں کو نکاح میں لاؤ۔ تو پھر اس زمانے کے مدعیان عمل بالحدیث کس منھ سے اہلِ حدیث بنتے ہیں، حنفی مذہب والوں کو اپنی لڑکیاں دے رہے ہیں، یہ دیدہ ودانستہ قرآن وحدیث کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اپنے وعظوں میں، مجلسوں میں اور تقریروں میں تو کہہ رہے ہیں کہ حنفی مذہب جھوٹا ہے، حنفی بدعتی ہے، اور کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں؛ لیکن جب موقع آتا ہے تو لڑکی دے بھی دیتے ہیں، اور لے بھی لیتے ہیں۔ پھر تو:

(۱) سیاحة الجنان بمناکحة اهل الإیمان ص٦٠ ط: مدرسہ محمدیہ ومسجد، ممبئی۔

حرص و شہوت مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

اس پر مزید تعجب یہ ہے کہ بعض علماء اس مناکحت کو جائز کہہ رہے ہیں۔

پھوٹ نے ہمیں لیا لوٹ، ہوئے خوار وذلیل
مٹ گئے، پھر بھی نہ گئی آپس کی اَن بن"(۱)

یہ ان کی عبارت تھی، اور ہم نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ نکاح ہوجاتا ہے، طلاق کے بعد رکھ لے گا تو معاملہ بے شرمی کا ہوگا۔ آپ نے عبارت دیکھ لی ہوگی، یہ ہماری کتاب نہیں ہے، یہ جماعت اہلِ حدیث کی کتاب ہے، مولانا عبدالشکور عبدالقادر جماعت اہلِ حدیث کے عالم ہیں۔

اور یہ کہنے سے اب کام نہیں چلے گا کہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں، تمہاری جماعت کے جس فرد کے منھ میں جو آئے بک دے، جو غلاظت چاہے اگل دے، جو چاہے کہہ دے، اور جب پکڑا جائے تو کہہ دے کہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں، تو تم ہو کون؟ پھر جماعت کس کا نام ہے؟ اور پھر اہلِ حدیث کا رونا کیوں روتے ہو؟ اگر تم کسی کے مقلد نہیں ہو تو "نزل الابرار" پر اعتراض سے کیوں چیں بہ جبیں ہو؟ اب کیوں اِدھر اُدھر چلّا رہے ہو اور بکواس کر رہے ہو؟ اعتراض ہو رہا ہے تو ہونے دو، نواب وحید الزماں صاحب قبر سے اٹھ کر آئیں گے اور جواب دیں گے، آپ کو کیوں پریشانی ہو رہی ہے؟ اعتراض ہو رہا ہے "نزل الابرار" پر، اور جلسہ ہو رہا ہے جامعہ سلفیہ میں، آپ کسی کے مقلد نہیں ہیں، تو کیوں صفائی دے رہے ہیں؟ کل کے جلسے میں تاویلیں کر رہے تھے کہ وہ یوں نہیں اور یوں نہیں، حضرت مولانا مستقیم صاحب نے یوں نہیں لکھا، اور یوں نہیں لکھا، انھوں نے "نزل الابرار" کے بارے میں یہ کہا تھا وغیرہ وغیرہ، جب آپ کسی کے مقلد نہیں ہیں تو آپ کو پریشانی کیوں ہو رہی ہے؟

---

(۱) سياحة الجنان بمناكحة اهل الإيمان ص ۱۵-۱٦.

خنجر چلے کسی پہ، تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

معاملہ کچھ ضرور ہے، اس لیے اب یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں اور کسی کی تحریر کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔

کسی غیر مقلد کا قول پوری جماعت کا قول ہے:

پوری جماعت اہلِ حدیث کا ایک فرد بھی کوئی تحریر لکھے گا، کوئی بات کرے گا، پوری جماعت ذمہ دار بنے گی، اس لیے کہ جامعہ سلفیہ کے جلسے میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے ان تمام کاروائیوں کی پیٹھ ٹھونکی ہے، شاباشی دی ہے، اور اس کے بعد للکارا ہے، کیسٹ موجود ہے کہ یہ سلسلہ مسلسل جاری رہنا چاہیے، تسلسل کے ساتھ چلنا چاہیے، جماعتِ حقہ کی دعوت دینی چاہیے، جامعہ سلفیہ کا ڈائریکٹر اور اس کا وکیل جامعہ کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کررہا ہے، کہ میں بہت خوش ہوں اور بہت اچھا کیا، یہ جلسہ کرکے، تو یہ سلسلہ مسلسل چلنا چاہیے، اور جماعت حقہ کی دعوت دینی چاہیے۔ جب جامعہ سلفیہ کا ذمہ دار یہ کہہ رہا ہے، ہمت بندھا رہا ہے اور جماعت کے عمل کو اپنا عمل کہہ رہا ہے، تو یہ کہہ کے پیچھا نہیں چھوٹے گا، کہ فلاں نے جو کہا ہے ہم نہیں جانتے۔

ہمارے یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ہم حنفی ہیں، اس لیے حنفی ہونے کی حیثیت سے اگر کوئی مسئلہ آئے گا، تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر بہشتی زیور کا کوئی مسئلہ فقہ کے خلاف ہوگا، ہماری حنفیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، تذکرۃ الرشید [1] کا کوئی مسئلہ خلاف پڑے گا، تو ہماری حنفیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لیے کہ ہم اپنے کو حنفی

---

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی تصنیف ہے، جو حضرت نے سرخیلِ دیوبندیت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کی حیات وخدمات پر تحریر کی ہے، کتاب متداول ہے اور بے شمار نسخے موجود ہیں۔

کہتے ہیں۔ بہارِ شریعت [۱] کا کوئی مسئلہ فقہ کے خلاف پڑ جائے گا تو حنفیت کے خلاف نہیں پڑے گا، فتاویٰ رضویہ [۲] کا کوئی مسئلہ اگر خلاف پڑ جائے گا تو ہمارے خلاف نہیں پڑے گا، کیوں کہ حنفیت کے خلاف کوئی بات ہوگی، جو ہم نے مانا ہے، تب ہمارے اوپر اثر پڑے گا۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب وسنت کو مانتے ہیں، اور ہماری جماعت ہے، اور یہ وہی جماعت چلی آرہی ہے، یہ جماعت کوئی فقہی مسلک نہیں رکھتی ہے، ہم نے جو کتاب فقہی مسلک سے پیش کی، اس سے براءت کا اظہار کر رہے ہیں، لہٰذا اب آپ جو فتویٰ دیں گے وہ آپ کا مسلک ہوگا، جو آپ لکھیں گے وہ آپ کی کتاب ہوگی، جو آپ تقریر کریں گے، جماعت کا کوئی فرد کرے گا وہ آپ کا ہوگا، اس لیے کوئی فرد کوئی تصنیف کرتا ہے اور اپنے آپ کو جماعت کا فرد کہتا ہے تو جماعت ذمہ دار ہے، یہ مولانا عبدالشکور صاحب کی کتاب پڑھ کر سنائی گئی ہے، انھوں نے تفریق کا بیج بویا ہے، پہلے مشرک کہا ہے، بدعتی کہا ہے، نکاح کرنے کو حرام قرار دیا ہے، آج ہم نے صرف اتنا کہا کہ نکاح کرنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ حرام کا اندیشہ ہے، تو اس قدر ہنگامہ برپا ہوگیا۔

کل جلسے میں ایک ہندی کتاب خورشید محمدی کی تقسیم ہوئی ہے، مولانا عبداللہ [۳] بہاول پوری کی تصنیف ہے، اور پوری کتاب میں لکھا ہے کہ اہلِ حدیث کی نماز غیر اہلِ حدیث کے پیچھے باطل ہوتی ہے۔ ہماری مسجد میں کئی اہلِ حدیث بھائی آتے ہیں، ہم ان کا استقبال کرتے ہیں، ہم ان سے کبھی نہیں کہتے کہ رفع یدین مت کیجیے، امام کے پیچھے قرأت

---

(۱) ''بہارِ شریعت'' بریلوی عالمِ دین مولانا امجد اعظمی کی کتاب ہے، جو فقہِ حنفی کے مطابق شرعی مسائل پر مشتمل ہے۔

(۲) ''فتاویٰ رضویہ'' مولانا احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

(۳) مولانا عبداللہ بہاول پوری اہلِ حدیث مبلغ ومناظر تھے، آپ نے ۲۱ر اپریل ۱۹۹۱ء کو بہاول پور میں وفات پائی۔

مت کیجیے، وہ اپنی نماز پڑھتے ہیں، ہمارے پیچھے پڑھتے ہیں، نہ ان کو ہم سے کوئی شکایت اور نہ ہم کو ان سے کوئی شکایت۔

اب یہ کتاب آئی ہے، کل بجر ڈیہہ احیاء السنہ کے دفتر میں بکی ہے، اس کا عنوان ہی یہی ہے کہ اہلِ حدیث کی نماز غیر اہلِ حدیث کے پیچھے باطل ہوتی ہے، اور اس کے متعلق کچھ کہہ ہی نہیں سکتے؛ اس لیے کہ اس کتاب کے اندر جمعیۃ اہلِ حدیث کا تصدیق نامہ چھپا ہوا ہے، مولانا اصغر علی امام مہدی[1] جنرل سکریٹری ناظم جمعیۃ اہلِ حدیث کی طرف سے تصدیق نامہ ملا ہوا ہے کہ خورشید محمدی صاحب دین کا کام کر رہے ہیں اور اس کی نشر واشاعت کر رہے ہیں، اور اس پر ۱۲ رمئی ۲۰۰۵ء کی تاریخ ہے، ان کا بھی جلسہ ''جمعیۃ الشبان المسلمین'' کے تحت ہو چکا ہے، اور ہمارا بنیا باغ کا جلسہ بھی ہو چکا ہے، اس جلسے کے بعد اس شخص نے وہاں سے سرٹیفکٹ حاصل کیا ہے، پینترے سمجھ میں آ رہے ہیں، یہ پمفلٹ وہاں ہندی میں تقسیم ہوا تھا، احتجاج کیا تو کہا کہ پتہ نہیں وہ کہیں کا پاگل آدمی ہے، ہم لوگوں نے نہیں بلایا تھا، وہ آیا اور بیچ کر چلا گیا، حالاں کہ یہ بھی غلط ہے، ''شبان المسلمین'' کا جو پوسٹر لگا ہوا ہے، آخری سطر سے پہلے اس پر یہ جملہ لکھا ہوا مل جائے گا کہ اس جلسے میں دینی کتابوں، کیسٹوں اور سیریز کا اسٹال لگے گا، پہلے سے اعلان ہے اور وہی لگا۔ اور اسٹال پہ کیا تھا ''علمائے دیوبند کی حقیقت بھاگ ۱[2]، اور بھاگ ۲ اور جہنمی زیور۔'' ہم نے کچھ اعتراض کیے، دیگر لوگوں نے بھی کیے، تو کہا ارے وہ پاگل آدمی ہے، پتہ نہیں کون تھا بیچ کے چلا گیا، ہم لوگوں نے نہیں بلایا تھا۔

بنیا باغ کے جلسے میں ۶، ۷ رمئی کو یہ واقعے ہو چکے ہیں، اس پر ہم نے اعتراض کیا تو اس کے ایک ہفتے بعد اس شخص نے دلی جا کر، یا لیٹر پیڈ لکھ کر جمعیۃ اہلِ حدیث کے لیٹر پیڈ پر مولانا اصغر علی امام مہدی کے دستخط سے تصدیق نامہ حاصل کر لیا اور اس کتاب

---

(۱) اب سلفی صاحب امیرِ جمعیۃ اہلِ حدیث ہیں۔

(۲) بھاگ یعنی حصہ۔

میں تصدیق نامہ مطبوعہ ہے، مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث کی طرف سے اس پر مہر لگ چکی ہے کہ کسی اہلِ حدیث کی نماز غیر اہلِ حدیث کے پیچھے نہیں ہوتی ہے۔ یہ تفریق کون کر رہا ہے؟ نکاح کرنا مشرک کے ساتھ حرام ہے، نماز حنفیوں کے پیچھے نہیں ہوتی وغیرہ، یہ آپ ہی تو کر رہے ہیں۔

ہمارے کچھ سوالات:

اب ہم انتظار میں ہیں کہ اس جماعت اہلِ حدیث کا رشتہ مذکورہ آٹھ علامتوں کے ساتھ اوپر سے کیسے جوڑا جائے گا؟ ذرا یہ معلوم ہو جائے۔ ہمارا پہلا اشتہار آیا ہے سلسلہ نمبر(۱) کا کہ یہ ہم کو ان درج ذیل مسائل کے سلسلے میں صرف کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ سے جواب دے دیں، ہم اس کو سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ درمختار میں بھی لکھا ہے، ہدایہ میں بھی لکھا ہے، منیۃ المصلی میں لکھا ہے، ان کتابوں میں لکھا رہے، تم مقلدین کی کتابوں کا نام کیوں لے رہے ہو؟ ہماری کتاب میں اگر لکھا ہے تو کیا تمہارا صحیح ہو گیا؟ اور ہمارے یہاں تو جہاں مسئلہ لکھا ہے، وہاں اس کی دلیل موجود ہے، یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جس کو ضرورت ہو اصل کتاب میں ہم مسئلہ دکھائیں گے، اور ان کی کتاب "نزل الابرار" کے میں نے جو حوالے دیے ہیں، وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔

ایک اعتراض:

ایک اعتراض کل آیا تھا کہ:

> "کتے اور سؤر کے لعاب کے بارے میں جو یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نزل الابرار میں لکھا ہے کہ "محققین علماء کے نزدیک یہ پاک ہے"، تو جواب یہ ہے کہ مفتی صاحب نے پوری عبارت نہیں نقل کی، اس کے آگے یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ہمارے اکثر اصحاب اس کو ناپاک کہتے ہیں، خیانت کر گئے"۔

سوچیں ابھی تو یہ دُہائی چل رہی تھی کہ اکثریت اور اقلیت کچھ نہیں ہوتا، یہ دو آنے کا

طعنہ مت دو ہم کو، یہی کہتے ہیں نا! جب کوئی کہتا ہے کہ مقلدین اکثریت میں ہیں، زیادہ تر لوگ مقلد ہیں، تو کہتے ہیں کہ اقلیت اور اکثریت کچھ نہیں ہوتا، جو حق ہے وہ حق ہے، اب یہی نواب وحید الزماں نے لکھا ہے کہ محققین کے نزدیک کتے اور سُوّر کا لعاب پاک ہے۔[1] اکثر علماء کہا کریں، اس سے کیا ہوتا ہے، مردم شماری تھوڑی کرنی ہے، محققین جو کہتے ہیں وہ آپ کا مذہب ہوتا ہے، اب کیوں نہیں ہے؟

کتنی چیزیں ہیں: حیض کے علاوہ ہر خون پاک ہے،[2] تو نفاس بھی پاک ہے، استحاضہ بھی پاک ہے، اس لیے کہ وہ حیض کے علاوہ ہے، استحاضہ الگ ہے، نفاس الگ ہے اور پیپ بھی پاک ہے، خون بھی پاک ہے، کتے کا لعاب بھی پاک ہے، سُوّر کا لعاب بھی پاک ہے، کتے کا پاخانہ پاک ہے، پیشاب پاک ہے، شراب پاک ہے، قے پاک ہے، ساری چیزیں پاک ہیں۔

یہ آپ کی کتاب کے مسائل ہیں، ہم کو اس کا جواب چاہیے۔ ایک تو اس کا جواب، اور دوسرے یہ کہ موجودہ جماعت اہلِ حدیث کا اُس جماعت اہلِ حدیث سے رشتہ جوڑ کر دکھایئے، اسفل والی کو اعلیٰ سے جوڑنا ہے، ان آٹھ علامتوں والی جو جماعت اہلِ حدیث ہے، اِس کا اُس جماعت اہلِ حدیث (محدثین اسلاف) سے کیا رشتہ ہے یہ بتا دیجیے؟ بس بات ختم کرتا ہوں، اگر ہو دم خم جواب لاؤ؟ میرے سوال تمہارے سر پر سوار ہیں۔

❁❁❁

---

(۱) نزل الأبرار ۱/۴۹.

(۲) حوالۂ سابق۔

غیر مقلدین کی شر انگیزیاں اور ہمارے کچھ سوالات

۶؍جون ۲۰۰۵ء کی مفصل تقریر میں غیر مقلدین سے مختلف نظریاتی وفقہی سوالات کیے گئے تھے؛ لیکن اُن کی جانب سے کوئی جواب آنے کے بجائے تعصب آمیز مخالفت زور پکڑنے لگی، دیوبندیت، اکابرِ دیوبند اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہم کے خلاف اعلانیہ جلسے ہونے لگے، جس کے نتیجے میں ایک ماہ بعد ۱۸؍جولائی ۲۰۰۵ء کو ''انجمن اصلاح المسلمین'' بنارس کے تحت بڑی مسجد، مدن پورہ، بنارس میں ایک پروگرام رکھا گیا، جس میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے یہ خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلدین کی شرانگیزیاں اور ہمارے کچھ سوالات

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة و السلام على رسوله محمد وآله وصحبه أجمعين. أما بعد:

فَأَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ﴾(۱)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.(۲)

صدر محترم، علمائے کرام، بزرگان ملت، نوجوان بھائیو! اِس بات کا پہلے ہی اعلان کردیا گیا ہے کہ یہ جلسہ ان شاء اللہ محدود وقت میں اختتام پذیر ہوگا، اور آپ کو زیادہ دیر تک بیٹھنا نہیں پڑے گا، بات یہ کہنی ہے کہ کبھی کبھی آدمی اپنے زورِ کلام اور ملمع سازی کے

---

(۱) سورة الأنعام: ۲۱.

(۲) مسند أحمد؛ مسند أنس بن مالك رضي الله عنه: جلد ۱۹، صفحه ۲۰۰، رقم: ۱۲۱۵٤، ط: مؤسسة الرسالة ۲۰۰۱ء.

ذریعے کچھ ایسا سماں باندھ دیتا ہے کہ ظالم، مظلوم اور مظلوم، ظالم نظر آنے لگتا ہے۔ سچا، جھوٹا اور جھوٹا، سچا بن جاتا ہے۔ بنارس اور بالخصوص مدن پورہ اور اس کے اطراف میں اس وقت جو فضا چل رہی ہے، اس کا آغاز کیسے ہوا؟ بہت صاف لفظوں میں آپ نے ہمارے صدرِ محترم حضرت مولانا عبدالمتین صاحب سے ساری باتیں سماعت فرمائیں کہ اس سلسلے کا جارحانہ آغاز غیر مقلدین کی طرف سے ہوا۔

دعوے کی دلیل مدعی کے ذمے ہے:

ایک بات جو بہت ضروری تھی، وہ بھی بڑی وضاحت سے آگئی ہے کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ اصل مدعی کون ہے؟ اور دعوے کا ثبوت کس کے ذمے ہے؟ یہ بات اچھی طرح سب کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ ''البينة على المدعي'' بینہ تو مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ آپ (غیر مقلدین) نے کہا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''بہشتی زیور'' دراصل جہنمی زیور ہے، گویا اس کے ضمن میں آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ بہشتی زیور کے مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ یہ آپ کا دعویٰ ہے، آپ ثابت کیجیے۔

اس کے مقابلے میں آپ کا اپنی جماعت کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف کتاب وسنت سے کہتے ہیں، ہم نے آپ کی کتاب سے کچھ مسائل پیش کر کے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے دعوے کو ثابت کیجیے، ''نزل الابرار'' آپ کی کتاب ہے، ''عرف الجادي'' آپ کی کتاب ہے، آپ ہر مسئلے کے ثبوت میں قرآنِ پاک کی کوئی آیت یا کوئی حدیث دکھلا دیجیے۔ ہم نے آپ کی طرح اشتہارات کا انبار نہیں لگایا، مختلف مسائل کے اوپر پمفلٹ نہیں نکالے؛ کیوں کہ بنیادی مسئلہ پہلے حل ہونا چاہیے۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم کتاب وسنت کے اوپر عمل کرتے ہیں اور دوسرے لوگ کتاب وسنت پر عمل نہیں کرتے، یہ قیاس اور رائے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا افریب، کتنا بڑا

جھوٹ اور کتنا بڑا دھوکہ ہے، ابھی آپ کے دعوے کی قلعی کھل جائے گی، صرف اس ایک مسئلے پر میں نے آپ کے سامنے (خطبے میں) ایک آیت اور ایک حدیث پڑھی ہے۔ ہمارا یہ مطالبہ محض جذباتیت کی بنا پر نہیں ہے، مسئلہ بہت اہم ہے۔ اللہ کے اوپر جھوٹ باندھنا، اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (۱)

"اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے اوپر جھوٹ باندھے"۔

یعنی یوں کہے کہ اللہ نے یہ بات فرمائی ہے، حالاں کہ اللہ نے وہ بات نہیں فرمائی ہے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۲)

"جو شخص میری طرف قصداً جھوٹ بات منسوب کرے اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے"۔

یہ دونوں باتیں بالکل واضح ہیں، ان میں کوئی خفاء (پوشیدگی) نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ عدالت کے اندر گواہی دینے کے لیے جب کوئی شخص جاتا ہے، جج پہلے اس سے قسم کھلواتا ہے، گواہ جس مذہب کا ہوتا ہے، اس سے اس کے مذہب کے الفاظ میں قسم کھلواتا ہے، مثلاً گواہ مسلمان ہے تو اس سے کہتا ہے کہ قسم کھاؤ، اور خدا کو حاضر وناظر جان کر کہو کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ قسم کھالیتا ہے تو اس کے بعد جج کہتا ہے کہ اپنا بیان جاری رکھو، آگے اس کو بیان جاری رکھنے کے لیے ہر مرتبہ یہ نہیں کہنا پڑتا ہے کہ میں یہ بھی سچ کہہ رہا ہوں، میں یہ بھی سچ کہہ رہا ہوں؛ کیوں کہ اس نے ایک مرتبہ دعویٰ کر دیا ہے، کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہوں گا۔

اسی طرح جب آپ نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ جو کچھ کہوں گا قرآن سے کہوں گا،

(۱) سورة الأنعام: ۲۱.

(۱) مسندأحمد، رقم: ۱۲۱۵٤.

سنت سے کہوں گا، تو اب ہر مسئلے کے ساتھ آپ کو یہ دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کوئی بھی مسئلہ آپ کی کتاب میں لکھا ہوگا، اس کے ساتھ آپ کا وہ دعویٰ چپکا ہوگا کہ یہ یا تو قرآن سے ثابت ہے یا حدیث سے ثابت ہے، گویا آپ جتنے مسائل اپنی کتاب کے اندر لکھیں گے ہر مسئلے کے ساتھ آپ کا یہ دعویٰ لگا ہوا ہوگا کہ ''یہ اللہ کا فرمان ہے، یا یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے''۔

''نزل الابرار'' کے مسائل میں دلیلوں کا مطالبہ:

اب ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ''نزل الابرار'' میں لکھا ہے کہ:

''کتّے کا پاخانہ پاک ہے''۔ (۱)

آپ بتائیے کہ یہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ یا کون سی حدیث کا ترجمہ ہے؟ جس طرح کے مسائل ''نزل الابرار'' میں ہیں، ہم اُن سے اپنی زبان کو ملوث کرنا نہیں چاہتے، اشتہارات آپ کے سامنے آچکے ہیں، جن میں نمونے کے طور پر ''نزل الابرار'' کی کتاب الطہارت سے چند مسائل دیے گئے ہیں، پوری کتاب باقی ہے۔

آپ نے جب کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں صرف کتاب وسنت سے کہتے ہیں، تو گویا کہ آپ نے دعویٰ کیا کہ ہماری کتاب میں جتنے مسائل لکھے گئے ہیں، وہ سب اللہ کا فرمان ہے یا رسول ﷺ کا فرمان ہے۔ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، ہمیں یہ حق ہے آپ سے پوچھنے کا کہ کہاں ہے ہمارے پروردگار کا وہ فرمان؟ کہاں ہے ہمارے سرکار ﷺ کا وہ ارشاد؟ جس کی روشنی میں تم نے یہ گندے مسائل لکھے ہیں، اور ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

اس مطالبے کا حق نہ پہنچتا، اگر آپ یہ کہہ دیتے کہ یہ ہمارے مسائل ہیں، ہم نے تیار کیے ہیں، ہم نے گھڑے ہیں، تو ہمیں کوئی دلچسپی نہ ہوتی، جو چاہو تم کھاؤ، جو چاہو تم پکاؤ،

---

(۱) نزل الأبرار:۱/۵۰.

تمہارے دسترخوان پہ جو چاہے سجے؛ لیکن جب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم صرف کتاب وسنت سے مسائل بیان کرتے ہیں، ہم کچھ اور نہیں لیتے، تو تم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم جو کچھ کہیں گے یا تو وہ اللہ کا فرمان ہوگا، یا اللہ کے رسول کا فرمان ہوگا؛ لہٰذا ہم اس کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے مسائل کے بارے میں یہ جانیں کہ ہمارے پروردگار کے ارشادات میں سے ہیں یا ہمارے سرکار رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث میں سے ہیں، ہمیں دکھلاؤ! اور نہیں دکھلاتے (اور اب تک نہیں دکھلایا اور ان شاء اللہ قیامت تک ان مسائل کے متعلق کوئی قرآن کی آیت یا کوئی حدیثِ صحیح صریح غیر منسوخ غیر متعارض نہیں دکھلاسکو گے، جس سے استدلال ہوسکے) تو پھر اس آیت اور اس حدیث کو سامنے رکھنا کہ جو اللہ پر جھوٹ بولے اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولے اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ یہ میری آیت یا میری حدیث نہیں ہے، یہ قرآن کی آیت ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ آپ کے یہاں اجماع بھی حجت نہیں، قیاس بھی حجت نہیں اور ائمہ مجتہدین کا اجتہاد بھی حجت نہیں، تو یہ دعویٰ ہر مسئلے کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ دلیل یا تو قرآن کی آیت ہوگی یا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوگا۔

احناف کے ادلہ اربعہ اور اُن کی ترتیب:

ہمارے فقہاء کی جو کتابیں ہیں ان کی شان کچھ اور ہے، ہمارے یہاں بالترتیب چار دلائل ہیں: سب سے پہلے مسئلہ تلاش کیا جاتا ہے کتاب اللہ کے اندر، کتاب اللہ کے اندر اگر وہ مسئلہ صاف صریح اور وضاحت کے ساتھ مل گیا، تو بہ حیثیتِ اصل، حدیث کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، ایسے بہت سے مسائل ہیں جو براہِ راست کتاب اللہ سے ثابت ہیں، مثلاً جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ﴾[1] کی آیت پڑھ ڈالیے کہ کن کن عورتوں سے نکاح

---

(۱) سورة النساء: ۲۳.

حرام ہے، قرآن میں صاف موجود ہے، کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح دو مسئلوں کو چھوڑ کر میراث کے تمام مسائل قرآنِ پاک کی آیات (۱) سے ثابت ہیں، سب اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شراب، جوا، جوئے کے تیر اور بتوں کے چڑھاوے کی حرمت کا بیان اس آیت میں ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (۲)

شراب حرام ہے، جُوا حرام ہے، جوئے کے تیر حرام ہیں، بتوں کا چڑھاوا حرام ہے۔

اور بوقتِ ذبح جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس کی حرمت کا بیان اس آیت میں ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (۳)

جو جانور ذبح کیا جائے اور اس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس کا کھانا حرام ہے۔

قرآن کی صریح آیت موجود ہے، لہٰذا اصل اور بنیادی حیثیت سے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ مذکورہ چیزوں کی حرمت کا بیان احادیث میں تلاش کیا جائے، کیوں کہ قرآنِ پاک میں مسئلے کی پوری وضاحت موجود ہے۔

ہاں! اگر کسی مسئلے کا حکم صراحتاً قرآنِ پاک میں نہیں ملتا، تو پھر اس کے حکم کو حدیث میں دیکھنا پڑے گا، مثلاً قرآن میں ﴿أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور ﴿اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ کا حکم آیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ دن میں کتنی مرتبہ اور کتنے وقت میں نماز فرض ہے؟ اور کون سی نماز کی کتنی رکعت ہے؟ کون سی نماز جہری ہوگی اور کون سی نماز سری ہوگی؟ ان تفصیلات کو جاننے کے لیے احادیث کی طرف دیکھنے کی ضرورت پڑی،

---

(۱) سورة النساء: ۱۱، ۱۲، ۱۷٦.

(۲) سورة المائدة: ۹۰.

(۳) سورة الأنعام: ۱۲۱.

تفصیلات مل گئیں، (۱) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ظہر کی چار رکعت ہے، عصر کی چار رکعت ہے، مغرب کی تین رکعت ہے، عشاء کی چار رکعت ہے اور فجر کی دو رکعت ہے۔ ساری امت متفق ہے، حدیث سے فیصلہ ہو گیا۔

لیکن وہ مسائل جن کے بارے میں حدیث کے اندر کوئی قطعی فیصلہ نہیں آیا، احادیث اس سے ساکت ہیں، یا ایک مسئلے کے اندر کئی طرح کی روایات موجود ہیں، اور ان میں ناسخ اور منسوخ کا تعین نہیں ہو پاتا، تو ہم کو وہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھنا پڑتا ہے کہ انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ ایسے بہت سے مسائل ہیں، جن کے بارے میں فیصلہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہوا ہے، اور خاص طور سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں۔

اکسال کی بناء پر غسل فرض ہے یا نہیں، یعنی اگر کوئی شخص اپنی عورت سے صحبت کرے اور انزال سے پہلے علاحدہ ہو جائے تو غسل فرض ہوگا یا نہیں، دیگر کتبِ احادیث کے علاوہ خود بخاری شریف میں بھی دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فیصلہ کیا اور اس کے اوپر اجماع ہو گیا کہ ایسی صورت میں غسل فرض ہو جاتا ہے۔ (۲)

اجماع کے اندر وہ سارے مسائل آتے ہیں، جن کو یہ نام نہاد اہلِ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور ان کا فیصلہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں، بعض بدزبان غیر مقلدین بیس رکعت تراویح کو بدعتِ عمری اور جمعہ کی اذان اول کو بدعتِ عثمانی کہہ دیتے ہیں۔ (۳) جب

(۱) صحيح البخاري، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ أمته إلىٰ توحيد الله تباركت اسماؤه وتعالىٰ جدّه: ۳۸۸/۴، رقم: ۷۳۷۲، أبواب تقصير الصلاة: ۳۰/۳، ۳۳، رقم: ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، كتاب التهجد: ۷۸/۳، ۷۹، رقم: ۱۱۳۹، ۱۱۴۰.

(۲) مصنّف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارات: ۸۵/۱، رقم: ۹۴۷، ط: دارالتاج، لبنان ۱۹۸۹ء.

(۳) حوالے گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

احادیث کے اندر کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوسکا، تو پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ہی دیکھا جائے گا کہ انھوں نے بالاتفاق کیا فیصلہ کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کی توضیح:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آخذ بكتاب الله، فإن لم أجد فبسنة رسول الله، فإن لم أجد في كتاب الله وسنة رسول الله ﷺ، آخذ بقول أصحابه ثم آخذ بقول من شئت منهم وأدع قول مَن شئت منهم ولاأخرج عن قولهم إلىٰ قول غيرهم.

فأمّا إذا انتهىٰ إلى إبراهيم وغيره رجالاً من التابعين فقوم اجتهدوا وأنا أجتهد كما اجتهدوا.(۱)

"اگر کتاب اللہ سے مسئلہ ملے تو سر آنکھوں پر، اگر کتاب اللہ میں نہ ملا، تو سنتِ رسول اللہ میں تلاش کروں گا، اگر وہاں سے طے نہ ہوا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچے، تو اس میں ہم انتخاب کرتے ہیں، ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں، اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی حکم پر اتفاق ہوگیا تو اجماع کی وجہ سے اُس کو قبول کر لیتے ہیں، اور اگر اتفاق نہیں ہوا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلافِ عمل رہا، تو سب کی گنجائش ہے، اپنے اپنے رجحان اور اصول کے مطابق کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کو......، اور اگر وہاں سے عملی فیصلہ نہ ہوسکے اور نمبر آجائے تابعین کا اور ان کے بعد آنے والوں کا، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اجتہاد کا مسئلہ آگیا، تو ہم بھی آدمی ہیں، اللہ نے ہمیں بھی اجتہاد کی صلاحیت دی ہے اور انھیں بھی، ہم اپنے طبقے کے کسی آدمی کے پابند نہیں ہیں، جیسے انھوں نے اجتہاد کیا ہم بھی اجتہاد کر سکتے ہیں"۔

---

(۱) مختصر المؤمل في الرد إلى الأمر الأوّل: ص ٦٣، ط: الصحوة الإسلامية، الكويت ١٤٠٣هـ.

یہی ترتیب ہے اور اسی پر عمل ہو رہا ہے اور سارے فقہاء کے یہاں یہی طریقہ ہے، ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمارے سارے مسائل کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ سے مستنبط ہیں، اور ایسا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے، یہ دعویٰ ہو ہی نہیں سکتا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

کتابوں کا اخفاء:

فقہِ احناف کی ساری کتابیں الحمد للہ چھپی ہوئی ہیں، ہدایہ شرحِ وقایہ درِمختار البحر الرائق اور منیۃ المصلی[۱] یہ ساری کتابیں فقہ کی ہیں، جن سے مسائل بیان کیے جاتے ہیں، ہم ان کو چھپاتے نہیں، ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں یہ کتابیں چھپی ہوئی ہیں، کتب خانوں میں موجود ہیں، اس کے برخلاف آپ کی جماعت نے اپنے وجود کے بعد تین چار کتابیں فقہ اور حدیث کے نام پر شائع کیں: ''نزل الابرار''، ''ہدیۃ المہدی''،[۲] ''عرف الجادی''، ''بدور الاہلہ''[۳] اور ''دلیل الطالب'' وغیرہ اور ان کو بھی چھپائے پھر رہے ہیں؛ کیا وجہ ہے کہ ایک کتاب بھی آپ کے کسی مدرسے کے اندر نہیں چلتی، اگر ''نزل الابرار'' کو تلاش کیجیے، دس غیر مقلدین کے مدرسے کا چکر کاٹ لیجیے، کسی مدرسے میں یہ کتاب نہیں ملے گی، اتفاق سے کوئی پرانا نسخہ کسی کتب خانے میں پڑا ہوا رہ گیا تو مل جائے گا۔

---

(۱) ''منية المصلي وغنية المبتدي'' امام ابو عبداللہ محمد بن محمد کاشغری حنفی (متوفی ۷۰۵ھ) کا فقہ حنفی میں تصنیف کردہ شہرۂ آفاق عربی متن ہے، جس میں خاص طور پر وضو و نماز کے مسائل درج ہیں، اس کتاب کو دار القلم، دمشق نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا ہے۔

(۲) ''هدية المهدی'' مولانا وحید الزماں حیدرآبادی کی تصنیف ہے، جس میں مسلکِ اہلِ حدیث کے مطابق فقہی مسائل ذکر کیے گئے ہیں، ۱۳۲۷ھ میں مطبع فاروقی، دہلی سے کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

(۳) ''بدور الأهلة من ربط المسائل بالأدلة'' مولانا صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی کی فارسی تالیف ہے، کتاب کا موضوع مختلف فقہی مسائل ہیں، مطبع شاہ جہانی، بھوپال سے پہلی مرتبہ ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی۔

آخر وجہ کیا ہے؟ کتابیں کیوں چھپانی پڑ رہی ہیں؟ اگر یہ بات صحیح ہے کہ ان کے اندر درج تمام مسائل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ ہیں، تو میں دعوت دیتا ہوں کہ چند کتابیں جن کا نام لیا جا رہا ہے، ''دلیل الطالب''، ''بدور الاہلہ''، ''ہدیۃ المہدی''، ''کنز الحقائق''(۱) اور ''نزل الابرار'': جن کو جامعہ سلفیہ سے شائع شدہ فقہ اہلِ حدیث کی مقبول کتاب قرار دیا گیا ہے، ان کا اردو میں ترجمہ کر کے عوام میں پھیلا دیجیے۔

میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ یہاں سے لے کر پوری دنیا میں کسی غیر مقلد میں ہمت نہیں ہے، کہ ان کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے اپنے عوام کو دکھلائے کہ یہ ہماری فقہ کی کتاب ہے، ان کے اندر وہ گندگی بھری ہوئی ہے، وہ غلاظت کا پلندہ ہے کہ ناک رکھنے کی ہمت نہ پڑے، ہم نے تو مثال کے طور پر چند مسائل آپ کی ان ہی کتابوں سے پیش کر کے مطالبہ کیا ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ان کے دلائل فراہم کیجیے، اور یہ ''ہدایہ''، ''کنز الدقائق''، ''منیۃ المصلی'' کا حوالہ دے کر منھ کو آتے ہیں، کہ حنفیہ کے مسائل ہیں، حنفیہ کی کتابوں کے مسائل ہیں، ہماری کتابوں کے اندر ہر مسئلے کے ساتھ اس کی دلیل بھی لکھی ہوتی ہے، مَیں تو کہتا ہوں کہ ہم سے دلیل کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جہاں سے تم نے مسئلہ لیا ہے وہیں اس کی دلیل لکھی مل جائے گی۔

احناف کے طے شدہ اجتہادی اصول:

ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ہمارا ہر مسئلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ تم قرآنِ پاک کی آیت اور حدیث کا مطالبہ کرو۔ کتاب اللہ سے ثابت

---

(۱) ''کنز الحقائق من فقه خير الخلائق'' مولانا وحید الزماں حیدر آبادی کی تالیف ہے، مولانا کے بقول یہ کتاب فقہ حدیث پر مشتمل ہے، مطبع شوکت الاسلام، بنگلور سے ۱۳۳۲ھ میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔

شدہ مسئلہ ہوگا تو کتاب اللہ کا حوالہ ملے گا، حدیث سے ثابت شدہ مسئلہ ہوگا تو حدیث کا حوالہ ملے گا، اگر اجماع سے ثابت شدہ مسئلہ ہوگا تو اجماع کا حوالہ ملے گا، اجتہادی مسئلہ ہوگا تو اجتہاد کا حوالہ ملے گا، ہمارے ہر مسئلے کے ساتھ اس کی دلیل لکھی ہوتی ہے، اور کتابیں ہزاروں کی تعداد میں نہیں؛ بل کہ لاکھوں کی تعداد میں سیکڑوں برس سے چھپ رہی ہیں اور بِک رہی ہیں۔

''فتاویٰ نذیریہ'' کے حوالے حنفی کتب سے:

اور کافی حد تک آپ حضرات کا بھی ان ہی کتابوں پر مدار ہے، ''فتاویٰ نذیریہ'' جو شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، ابھی چند سال پہلے دہلی کے ایک کتب خانے نے اس کو شائع کیا ہے، اٹھا کر دیکھ لیجیے جتنی کتابوں کے میں نے نام لیے ہیں، اُن ہی سے فتاویٰ نذیریہ میں حوالے درج ہیں؛ چناں چہ ''ہدایہ'' کے حوالے سے اس میں فتاویٰ دیے گئے، ''حاشیہ ابنِ عابدین شامی'' کے حوالے سے اس میں فتاویٰ موجود ہیں، ''منیۃ المصلی'' کے حوالے سے اس میں فتاویٰ موجود ہیں، ابنِ نجیم کی ''البحر الرائق'' کے حوالے سے فتاویٰ موجود ہیں۔ (۱)

ایسا نہیں ہے کہ ان کے ساتھ قرآن کی آیات اور احادیث دلیل کے طور پر ذکر کی گئی ہوں؛ بل کہ ''فتاویٰ میاں نذیر حسین'' کے اندر صرف ''ہدایہ'' کا حوالہ ہے، ''منیۃ المصلی'' کا حوالہ ہے، ''البحر الرائق'' کا حوالہ ہے، ''شرح وقایہ'' کا حوالہ ہے۔ آپ کا کام ان کتابوں کے بغیر نہیں چلتا۔

بتائیے! کتنے مدرسے ہیں غیر مقلدین کے؟ فقہ میں غیر مقلدین کی کون سی کتاب پڑھائی جاتی ہے؟ کس کے یہاں ''نزل الابرار'' پڑھائی جاتی ہے؟ کس کے یہاں

---

(۱) ''فتاویٰ نذیریہ'' کی تینوں جلدیں اِس دعوے پر شاہد ہیں، نمونے کے طور پر پہلی جلد صفحہ ۳۴۲-۳۴۴، دوسری جلد صفحہ ۲۱۸-۲۱۹، اور تیسری جلد صفحہ ۲۲۷-۲۳۲ دیکھیے۔

''کنز الحقائق'' پڑھائی جاتی ہے؟ کس مدرسے میں ''بدور الاہلہ'' ''دلیل الطالب'' اور ''عرف الجادی'' کی تعلیم ہوتی ہے؟ ان کتابوں کو چھپائے پھر رہے ہیں، ایک مرتبہ چھپ گئی، اس کے بعد چھاپنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے، ہماری کتابیں علی الاعلان سب کے سامنے موجود ہیں، ہمیں منہ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلائل کی جگہ اشتہار اور پمفلٹ بازی:

ہمارے مسائل کے دلائل موجود ہیں، تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم ساری باتیں کتاب وسنت سے کہتے ہیں، اس دعوے کو ثابت کرو یا اقرار کرو کہ ہم جھوٹے ہیں، اور ہم نے اللہ پر بھی جھوٹی تہمتیں لگائی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ پر بھی جھوٹی تہمت لگائی ہے، جو مسائل تم نے اپنی کتابوں میں درج کیے، اور اس کے بعد علی الاعلان یہ کہا کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے، تو ہر مسئلے کے اوپر دلیل دینا تمہارے اوپر فرض ہے، اور جس مسئلے کی دلیل پیش نہیں کر سکے نہ کتاب اللہ سے، نہ سنتِ رسول اللہ سے، تو اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹی تہمت لگانے کے مجرم ہو، اس جرم سے تم کو معافی مانگنی ہوگی، علی الاعلان اس کا اقرار کرنا ہوگا، معمولی بات نہیں ہے، ادھر ادھر کے مسائل لاکر، ادھر ادھر کے پمفلٹ لاکر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہو، فریب دینے کی کوشش کرتے ہو: ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زریں اقوال''، ''ایک ہاتھ سے مصافحے کا ثبوت''، اور اسی طریقے سے دوسرے پمفلٹ ''حنفیہ کے مسائل اور اکابر دیوبند کی سنت'' اس طرح کے پمفلٹ اور اس طرح کے دوسرے اشتہارات لگانے سے کام نہیں چلے گا اور تم کو علی الاعلان اپنے جرم کا اقرار کر کے تم کو اس سے معافی مانگنی ہوگی۔

آپ کے دعووں پر دلیل کا مطالبہ:

آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہیں،

آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری جماعت اہلِ حدیث کا وجود ابتدائے اسلام سے ہے، ہم نے صرف یہی دو مطالبے کیے ہیں کہ ان دونوں دعووں کے ثبوت فراہم کرو۔ اور ہم ان دونوں مطالبوں پر ہم اب بھی قائم ہیں کہ اگر آپ کا وجود پُرانا ہے، تو ہم نے آپ کی جماعت کے جو آٹھ امتیازی[۱] مسائل اور علامتیں ذکر کی ہیں، جو پوری جماعت کے تعامل میں شامل ہیں، ان تمام علامتوں کی حامل کسی جماعت کا وجود چودہ سو سال سے نہیں، بل کہ صرف انگریزوں کے منحوس قدم ہندوستان میں پڑنے سے پہلے، پوری دنیا میں کہیں بھی ثابت کردو، ایک مدرسہ اہلِ حدیث کے نام سے، ایک مسجد اہلِ حدیث کے نام سے، ایک کتاب اہلِ حدیث کے نام سے، ایک ادارہ اہلِ حدیث کے نام سے، ایک جمعیت اہلِ حدیث کے نام سے کہیں رہی ہو، تو دکھاؤ، کہیں وجود ہے اس کا تو دکھلا دو۔

گذشتہ صفحات میں اس جماعت کی تاریخ[۲] آپ کے سامنے آچکی ہے، انگریزوں کی خوشامدیں کر کے اور اُن سے نام اَلاٹ کروا کے اپنے آپ کو اہلِ حدیث بنایا، چند فقہی مسائل شوافع اور حنابلہ کے لے کر، اور کئی مسائل میں ساری امت سے الگ تفرد اختیار کر کے، ان کو اپنا امتیاز بنالیا اور اہلِ حدیث بن گئے۔

فقہاء ومحدثین پر شرک کا فتویٰ:

جس تقلید کے اوپر ساری امت متفق رہی ہے اس کو شرک قرار دے دیا، حنفیہ بھی مشرک، شوافع بھی مشرک، مالکیہ بھی مشرک اور حنابلہ بھی مشرک۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ چار فقہی مذاہب کے بارے میں

---

(۱) یہ علامتیں ''موجودہ اہلِ حدیث کی خصوصیات وامتیازات'' کے عنوان سے کتاب کے صفحہ ۱۵۸ پر درج ہیں۔

(۲) کتاب کا صفحہ ۱۶۴-۱۶۶ دیکھیے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ ان چاروں سے باہر نہ نکلا جائے؛[۱] لیکن اس جماعت کا امتیاز یہ ہے کہ یہ چاروں سے باہر ہے، تین طلاق کے مسئلے میں چاروں کو لات ماردی، اذانِ جمعہ کے بارے میں چاروں سے رشتہ کاٹ لیا، بیس رکعت تراویح کے معاملے میں سب سے الگ ہوگئے۔ اور آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سب کے اوپر شرک کا تیشہ چلایا ہے۔

قارئین ذرا غور کریں کہ کن شخصیات پر شرک کا حکم لگایا جارہا ہے؟ جو ائمہ گزرے ہیں، جنھوں نے قرآن کی، حدیث کی، فقہ کی خدمت کی ہے، جن کی عظمت کے سامنے ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں، ان کے قد کو دیکھیے، تو ہماری ٹوپی سر سے گر جائے، ان کے اوپر یہ شرک کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

علامہ ابنِ حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابنِ عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، علامہ ابنِ قدامہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یا امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سب کے سب کسی نہ کسی امام مجتہد کے مقلد تھے، اگر تقلید شرک ہے تو یہ سارے ائمہ حدیث وفقہ مشرک قرار پاتے ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم وفنون میں جن حضرات نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں، وہ سب مقلد تھے، اور ان کی کتابوں سے آپ بھی استفادہ کرتے ہیں، غیر مقلدین کے نزدیک وہ سب مشرک تھے۔ کیا ہم اس کو گوارا کرلیں گے کہ ساری دنیا کو مشرک گردانا جائے؟ یہ کیسا طوفان بدتمیزی ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[۲]

---

(۱) عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد: ص ۱۳، ط: المطبعة السلفية، القاهرة، فيوض الحرمين: ص٦٤-٦٥، ط: مطبع أحمدي، دهلي، الطبعة الثانية.

(۱) سورة النساء: ٤٨.

’’اللہ تعالیٰ اس چیز کو ہرگز معاف نہیں کریں گے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اوراس کے علاوہ جس چیز کو چاہیں گے معاف کردیں گے‘‘۔

تقلید شرک کی کون سی قسم ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ تقلید شرک ہے، تو یہ بھی بتایئے کہ شرک کی کون سی قسم ہے؟ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ’’تقویۃ الایمان‘‘[1] میں شرک کی قسمیں تحریر کی ہیں: اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا، اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا، اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا، اس کے افعال میں کسی کو شریک کرنا، یہ سب یقیناً شرک ہیں۔ ایک خدا کے بجائے دو خدا ماننا شرک ہے، خدا ایک ماننا؛ مگر کسی اور کی بھی عبادت کرنا شرک ہے، اللہ تعالیٰ کی جو صفاتِ خاصہ ہیں وہ صفات کسی غیر اللہ کے اندر ماننا بھی شرک ہے، اللہ ایک ہے؛ لیکن رازق کوئی اور بھی ہے، خالق کوئی اور بھی ہے، اولاد دینے والا کوئی اور بھی ہے، افعال وصفات کے اندر شرکت بھی شرک ہے، اسی طرح اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے، اور ہر ایک شرک کا مرتکب جہنم میں جائے گا۔

آپ جب کہتے ہیں کہ تقلید شرک ہے تو آپ گویا یوں کہتے ہیں کہ حضراتِ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے بعد سے جتنے بھی لوگ دنیا میں پیدا ہوئے اور ان کی تقلید کی، وہ سب کے سب جہنم میں جانے والے ہیں، سب کو آپ جہنمی کہہ رہے ہیں، ان محدثین کو، فقہاء کو، حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو، علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کو، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو اور آج تک جتنے محدثین، جتنے مفسرین، اور جتنے فقہاء گزرے ہیں، سب کو آپ مشرک کہہ کر جہنمی قرار دے رہے ہیں، اس سلسلے میں آپ کے علمائے کرام کی کتابوں میں تحریریں موجود ہیں۔

---

(۱) تقویۃ الایمان، باب دوم: ص/۳۰-۳۲، ط: المکتبۃ السلفیۃ، لاہور۔

اہلِ حدیث عالم عبدالقادر ہزاروی نے "سياحة الجنان بمناكحة أهل الإيمان" میں صاف لکھا ہے:

"حنفی تقلید کی بناء پر بدعتی اور مشرک ہیں، ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے"۔(۱)

انہوں نے احناف کو جہنمی لکھا ہے، اور ان کی کتابوں میں جہنمی کے الفاظ "في النار والسقر" کے الفاظ صاف لکھے ہوئے ہیں۔ آپ ہمیں اور ہمارے ساتھ ساری دنیا کے لوگوں کو جہنمی کہتے ہیں اور ہم چشم پوشی کا مظاہرہ کریں؟ کیا آپ کا دامن بہت صاف ہے؟ آپ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کر رہے ہیں؟

ایک جانب یہ صورتِ حال ہے کہ غیر مقلدین تمام اہلِ سلف کو مشرک کہہ رہے ہیں، اس کے باوجود کچھ لوگ صلح کل کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ اختلافی باتیں نہیں کرنی چاہیے، گویا ہم تسلیم کرلیں کہ ساری دنیا کے لوگ مشرک ہیں، اور یہ نام نہاد اہلِ حدیث پکے موحد ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں، قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے ہیں۔

دلائل کے جواب میں گالی اور بدتمیزی:

آپ حضرات نے مسجد مالتی باغ کے جلسے کے بعد سے اب تک جو تماشا دیکھا ہے اس سے اتنا تو سمجھ گئے ہوگے کہ جب کوئی آدمی دلائل کے سامنے لاجواب ہوجاتا ہے، تو گالی اور بدتمیزی پر اُتر آتا ہے، اس درمیان میں جتنے پمفلٹ آئے ہیں، اس میں بدزبانی اور بدتمیزی کا ریکارڈ توڑ دیا گیا، بالکل صحیح کہا ہے کہنے والے نے کہ جتنا بڑا غیر مقلد ہوگا اتنا بڑا بدتمیز ہوگا، بدزبان ہوگا ۔ یہ مقولہ ہم نے ایک دو نہیں؛ بہت سے لوگوں سے سنا، اور یہ حقیقت ہے، جو پمفلٹ آپ کے سامنے آئے ہیں ان میں ایک دو نظمیں آئی ہیں، ایک تقلیدِ ائمہ پر آئی ہے کہ تقلیدِ ائمہ بدعت ہے، اس کے بعد جو نظمیں آئی ہیں ان کے

(۱) ص/۱۵۔

چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، اور ان کے دعوائے عمل بالحدیث کو سمجھنے کی کوشش کریں:

جو لوگ مقلد ہوتے ہیں، وہ موجدِ بدعت ہوتے ہیں
بنتے ہیں مفتیٔ اعظم، جو محرومِ بصیرت ہوتے ہیں

عیارِ زمانہ ہوتے ہیں اور قوم کی ذلت ہوتے ہیں
جو دیو کے بندے ہوتے ہیں وہ باعثِ خفت ہوتے ہیں

مکار، فریبی، دشمن حق، روباہ صفت یہ ہوتے ہیں
مانند یہودی قوم ہیں یہ، یہ ابنِ سبا کے پوتے ہیں

صد ناز و خوشی شانوں پہ لیے، شیطاں کی غلاظت ڈھوتے ہیں
جو راہ ہدایت ہے اس میں، یہ کھاد برابر بوتے ہیں

تعویذ یہ گنڈے کے خوگر، شیطاں کی نیابت کرتے ہیں
اقوالِ نبی کو چھوڑ کے سب، قاسم کی رعایت کرتے ہیں

یہ جھوٹی حدیثیں گڑھ گڑھ کر، پڑھتے ہیں روایت کرتے ہیں
سنت کی روش سے ہٹ کر کے، باطل کی حمایت کرتے ہیں

یہ ان حضرات کی زبان ہے جو قرآن وسنت کے علاوہ کچھ نہیں بولتے، ان سے دلائل کا مطالبہ کیا گیا تھا، یہ اسی مطالبے کا جواب ہے، یہ حضرات مسائل کے اوپر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کر رہے ہیں، گالی اور بدزبانی پر اُتر آئے ہیں، اس نظم میں احنافِ دیوبند کو کیا نہیں کہا؟ شیطان، یہودی، موجد بدعت، روباہ صفت، مکار، فریبی، دشمن حق، ابنِ سبا کے پوتے۔ ایسی زبان آدمی تبھی استعمال کرتا ہے، جب دلائل کا جُوتا سر پر پڑے اور مقابلے کی طاقت نہ ہو، ایسی صورت میں آدمی گالی ہی بکتا ہے، یہ وہی زبان استعمال کر رہے ہیں۔

ایک نظم کے اشعار آپ نے ملاحظہ فرمائے، اس کے علاوہ ایک دوسری نظم ہے، جس میں میرے حال پر خاص نوازش ہے، ''کلامِ فتنہ شکن'' کے نام سے وہ نظم شائع ہوئی ہے،

اُس کے بھی کچھ اشعار سن لیجیے:

زباں کاٹو ہونٹوں پہ تالے لگاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

ذرا اس کے چہرے سے پردہ اٹھاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

چلو اس کا اعظم جنازہ اٹھاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

حریفانِ دینِ خدا کو مٹاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

وہ عالم نہیں ہے، کوئی فتنہ گر ہے
وہ فاسد و مفسد بڑا جادو گر ہے

زباں کاٹو ہونٹوں پہ تالے لگاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

صحابہؓ کو بھی وہ مقلد بتایا
بزرگوں پہ الزام کیسا لگایا

سرِ انجمن اس سے توبہ کراؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

اسے اپنی شہرت سے ہے صرف نسبت
نظر آئے گی اس کی ساری حقیقت

ذرا اس کے چہرے سے پردہ ہٹاؤ
چلو اس کے فتنہ کدہ کو جلاؤ

یہ ساری نظمیں بجرڈیہہ میں غیر مقلدین حضرات کے جلسے میں پڑھی گئی ہیں، تمام اصحابِ فضیلت وہاں بیٹھے اوڑھنی اوڑھے ہوئے مسکراتے رہے، اس کے بعد نظم باقاعدہ تقسیم ہوئی۔ ہم نے ''نزل الابرار'' وغیرہ سے ان کے مسائل پیش کر کے دلائل طلب کیے تھے کہ یہ قرآن کی کس آیت یا کس حدیث کے مسائل ہیں؟ اس کے جواب میں یہ گالیاں دے رہے ہیں، عرض ہے کہ بھائی گالی دینے اور بدتمیزی کرنے سے دلائل مہیا نہیں ہو جائیں گے، ہمارا مطالبہ آپ کے اوپر باقی رہے گا، یا تو کہو کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ کا طومار باندھا ہے، جو ہم کہتے ہیں کہ ہماری ہر بات کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، وہ غلط کہتے ہیں اور اقرار کرو کہ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾[1] اور ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ''[2] کے ہم مستحق ہیں، اور ہم نے یہ جرم کیا ہے کہ ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اور اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم پرانے زمانے سے چلے آرہے ہیں، ہم نے پوچھا کہ آپ کی علامتیں کیا ہیں؟ آپ اپنا ثبوت پیش کیجیے، اس کے جواب میں یہ گالیاں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ہمارے پاس ان کے کالے کرتوت کا چٹھا موجود نہیں ہے، ان کی کارستانیاں اگر آپ کے سامنے آجائیں تو سارا پردہ ہٹ جائے اور ساری حقیقت کھل جائے۔

غیر مقلدین کی سیاہ عملی کا ایک نمونہ:

میں نے مشورہ کیا، ساتھیوں کی رائے نہیں ہوئی کہ ہم اپنی سطح سے گزریں؛ اس لیے ہم اشتہار تو نہیں چھاپتے، آپ کی جانکاری کے لیے ان کے ایک دو واقعات سنا دیتا ہوں:

---

(۱) سورة الأنعام: ۲۱.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من سمّى بأسماء الأنبياء: ۲۸۲/۱۲، رقم: ٦١٩٧.

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ [1] صاحب ''نزہۃ الخواطر'' [2] بہت مشہور مؤرخ گزرے ہیں، انھوں نے اپنا ایک سفرنامہ لکھا ہے ''دہلی اور اس کے اطراف''، اس کے ص:۵۹، ۶۰ پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ دہلی میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے، جو غیر مقلد تھے، (اسی لفظ سے ہے) دن کو میاں صاحب کے مدرسے میں رہتے تھے، میاں صاحب سے مراد شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین صاحب غیر مقلدیت کے امامِ اول ہیں، ان کے مدرسے میں رہتے تھے، اور رات کو سبزی منڈی جو قریب کا محلہ ہے، اس میں کرایے کے مکان میں رہتے تھے، اور اس میں ایک بی بی صاحبہ بھی رہتی تھیں، کرائے کے مکان کے قریب ایک کبیر السن بزرگ میاں صاحب رہتے تھے، (وہ میاں صاحب میاں نذیر حسین صاحب نہیں ہیں، بل کہ ان کے بزرگ اور معمر ہونے کی وجہ سے لوگ ان کو میاں صاحب میاں صاحب کہتے تھے)، ایک دن ایک عورت نے ان سے آکر کہا: مولوی صاحب کی بیوی آپ کو بلا رہی ہیں، ذرا کھڑے کھڑے ان کی بات سن لیجیے، یہ گئے تو پردے کے پیچھے سے انھوں نے آکر کہا کہ مجھ کو اس ظالم کے پنجے سے چھڑائیے، انھوں نے کہا خیر تو ہے، کہا خیر کہاں شر ہے، یہ میرا پیر ہے اور میں اس کی مریدنی ہوں، اور میرا شوہر موجود ہے، یہ پیر مجھ کو بھگا کر لایا ہے، اللہ کے واسطے اس ظالم کے پنجے سے مجھ کو چھڑائیے۔

اب ان میاں صاحب نے سوچا کیا کروں، تو موقع کی تلاش میں لگ گئے، چند روز کے بعد ان غیر مقلد مولوی صاحب سے ملے اور کہا: آپ سے تنہائی میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے، تو انھوں نے کہا: کہیے۔ کہا: یہاں کے لوگ بڑے سخت ہیں، اگر کوئی بات خلاف

---

(۱) وفات: ۱۳۴۱ھ۔

(۲) الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمّىٰ بـ ''نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر'' علمائے ہند کے حالات پر مستند و معروف کتاب ہے، دارابنِ حزم، بیروت سے ۱۹۹۹ء میں طبع ہوئی ہے۔

پڑے تو قتل تک کر ڈالتے ہیں، آپ سے ایک بات کہنی ہے، غیر مقلد مولوی صاحب نے کہا: کہیے کوئی حرج نہیں ہے۔ تو میاں صاحب نے کہا بات یہ ہے کہ اس محلے کی ایک عورت سے مجھے بڑی الفت ہے، مجھے کوئی ایسی ترکیب بتایئے کہ وہ میرے قابو میں آجائے اور شریعت کی رو سے بھی جائز ہو؟ انھوں نے کہا: بس یہی بات ہے، یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، حنفی مستحل الدم ہے، یعنی ان کا خون حلال ہے، اور ان کا مال مالِ غنیمت ہے، ان کی بیویاں ہمارے واسطے جائز ہیں، اس کو قابو میں لا سکتے ہیں تو شوق سے لایئے۔ یعنی جس طرح دار الحرب میں کافر سے مقابلہ ہونے پر اس کو قتل کیا جا سکتا ہے، ایسے ہی یہ کہتے ہیں کہ حنفی المذہب مستحل الدم ہیں، یعنی یہ کافر حربی ہیں، جو غیر مقلد چاہے ان کو قتل کر دے، اور ان کا مال مالِ غنیمت ہے، ان کی بیویاں غیر مقلدین کے واسطے جائز ہیں۔

میاں صاحب غیر مقلد مولوی صاحب سے یہی کہلوانا چاہتے تھے؛ چناں چہ مولوی صاحب کی بات سننے کے بعد وہاں سے چلے گئے اور دوسرے وقت محلے کے عمائدین سے یہ قصہ بیان کیا کہ مولوی صاحب کی یہ حرکت ہے، مریدنی کو بھگا کر لائے ہیں، اس کا شوہر موجود ہے، مجھ کو بھی یہی مشورہ دے رہے ہیں، کہ کسی حنفی عورت کو قابو میں لا سکتے ہو تو ضرور لائیں۔ جب محلے کے عمائدین کو مولوی صاحب کے کرتوتوں کا علم ہو گیا، تو ان کی جان کا خطرہ ہو گیا اور میاں صاحب چاہتے تھے کہ انہیں جان سے نہ مارا جائے؛ لہٰذا عمائدینِ محلّہ سے یہ شرط کر لی تھی کہ ان کو جان سے نہ ماریں، ان لوگوں نے اس عورت کے خاوند کو بلا بھیجا، اور جب یہ غیر مقلد مولوی صاحب نماز کے لیے آگے بڑھے، تو ایک شخص نے نہایت درشتی کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور نہایت ہی مرمت کی، اس کے بعد خاوند اپنی جورو (بیوی) کو لے کر چلا گیا۔

یہ واقعہ حال ہی کا ہے، یہ مولوی صاحب کوئی عام آدمی نہیں تھے، میاں صاحب کے مدرسے کے مدرس تھے اور صرف اپنے لیے ہی نہیں فتویٰ دے رہے ہیں کہ حنفی

المذہب مستحل الدم ہیں، ان کا مال مالِ غنیمت ہے، ان کی بیویاں ہمارے لیے حلال ہیں، بل کہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرر ہے ہیں، اور خود عمل کر کے دکھلا رہے ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر(۱) کے راز ہائے دروں:

اور ایک علامہ صاحب حال ہی میں گزرے ہیں، علامہ احسان الٰہی ظہیر نام ہے، ان کے بارے میں خود انھیں کی جماعت کے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، علامہ صاحب نے ''البریلویۃ'' لکھی تھی، اسی طرح ''الشیعہ والسنہ'' بھی لکھی تھی، اور ایک کسر رہ گئی تھی، ''الدیوبندیہ'' کی، تو ان کے چیلے نے اسے پورا کر دیا۔ ان کی جماعت کے لوگوں کا کہنا ہے کہ دوسروں سے کتابیں لکھوا کر کے اپنے نام سے شائع کرتے تھے، بچوں کو ٹافیاں دے کر کہتے تھے کہ مجھ کو علامہ کہو، علامہ کہلوانے کے لیے بچوں کو ٹافیاں تقسیم کرتے تھے۔ ''ہفت روزہ اہلِ حدیث لاہور'' کے کالم نگار عبدالرحمٰن مدنی فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی، علامہ صاحب کو چیلنج کرتے ہوئے مباہلے کی دعوت دے چکے ہیں۔

مباہلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اوپر فیصلہ چھوڑ دینا، یعنی آؤ ہم اور تم مل کر ایک ساتھ دعا کریں کہ اے اللہ! ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت، اسی کو مباہلہ کہا جاتا ہے،(۲) یہ اسی وقت ہوگا، جب آدمی اپنی حقانیت پر سو فی صد یقین رکھتا ہو۔ حضور ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دی تھی، وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔(۳)

اور یہ عبدالرحمٰن مدنی علامہ صاحب کو مباہلے کا چیلنج کرتے ہوئے، دیگر کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ یورپ کے نائٹ کلبوں میں پاکستان کے یہ علامہ صاحب

---

(۱) علامہ احسان الٰہی ظہیر اہلِ حدیث خطیب اور سیاسی رہنما تھے، ۱۹۴۵ء میں سیالکوٹ، پاکستان میں پیدا ہوئے اور ریاض میں مؤرخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۸۷ء کو وفات پائی۔

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم: ٥٧/٣٦، ط: دارالصفوة، مصر.

(۳) البداية والنهاية، سنة إحدىٰ عشـرة من الهجرة: ٩٧/٩، ط دارهجر ١٩٩٧ء.

یعنی علامہ احسان الٰہی ظہیر، رئیس التحریر مجلہ ترجمان اہلِ حدیث کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ کوئی حنفی نہیں لکھ رہا ہے، ہفت روزہ اہلِ حدیث کے کالم نگار غیر مقلد عالم لکھ رہے ہیں، اور بہت پرانی بات نہیں ہے، ۳۱/اگست ۱۹۸۴ء کا پرچہ ہے، جلد نمبر (۱) شمارہ نمبر (۳۱) میں یہ مضمون لکھا ہوا ہے۔

اور اس کے بعد عبدالرحمٰن مدنی لکھتے ہیں کہ اس کے یعنی علامہ احسان الٰہی ظہیر کے وہ رازہائے دروں جو اس کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین ساتھیوں کی شہادتوں سے منظر عام پر آنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، کیا ان کی صداقت کے خلاف مباہلہ کر سکتا ہے؟

اور اپنے گھر میں نوجوان نوکرانیوں کے قصے کے بارے میں مباہلہ کی جرأت پاتا ہے؟

یہ ایک غیر مقلد دوسرے غیر مقلد کو مباہلہ کی دعوت دے رہا ہے، چیلنج کر رہا ہے، یہ قصے آپ کو نظر نہیں آتے، آپ کے علامہ ہیں، چوٹی کے عالم ہیں، اور وہ ضامن جلال آبادی جس کا آپ حضرات نے نام لیا تھا، وہ معلوم نہیں کون آدمی ہیں، خدا کی قسم! اس سے پہلے ہم نے ان کا نام نہیں سنا، اکابرِ دیوبند سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، کوئی مجذوب، کوئی پاگل آدمی ہوں گے، اور ہم ان کی صفائی نہیں دیتے، اگر یہ واقعہ ہے تو غلط ہے، آپ کی نگاہ پر تو رنگین چشمہ چڑھا ہوا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طوائف میں تبلیغ:

کوئی شخص اگر کسی غلط جگہ پر گیا ہے اور اس کی نیت اصلاح کی ہے، تو آپ کے نزدیک وہ بھی مجرم ہے، آپ سے سوال ہے کہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بھی بزرگ ہیں، ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' آپ کے یہاں سے چھپتی ہے، کیا ان کا وہ واقعہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر جامع مسجد کے بغل کے دروازے سے نکلے، ان کے قدم بڑھے اس بدنام محلے کی طرف، جہاں طوائف آباد تھیں، لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، کہاں جا رہے ہیں؟ روکنے کی کوشش کی؛ لیکن رُکے نہیں، سیدھے

طوائف کے اڈے پر پہنچے، وہاں پہنچ کر نیچے سے آواز لگائی، اوپر سے طوائف میں سے ایک عورت آئی، پوچھا: کیا بات ہے؟ شاہ صاحب نے کہا: فقیر ہوں، صدا لگایا کرتا ہوں، عورت اوپر جا کر کچھ پیسے لے کر آئی اور دینے لگی، حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقیر صدا سنائے بغیر پیسہ نہیں لیتا، عورت نے کہا: اچھا، شاہ صاحب نے کہا: اوپر انتظام کر دیں، صدا سناؤں گا۔ چناں چہ طوائف مسلمان عورتیں تھیں، اُن کے کمرے میں چاندنی بچھائی گئی، اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اوپر گئے، اور وہاں جا کر انھوں نے وعظ کہا، قرآنِ پاک کی آیت پڑھی، آخرت کا خوف دلایا، عورتوں کی چیخیں نکل گئیں، مجرا کرنے والے تھے، گانا گانے والے تھے، طبلہ بجانے والے تھے، سبھوں نے اپنے ڈھول توڑ دیے، اپنے باجے توڑ ڈالے اور عورتوں نے توبہ کی، اور جب حضرت اوپر سے اترے تو اسی میں کی ایک خاتون پیچھے پیچھے اتری، آپ نے فرمایا: کہاں؟ اُس نے کہا: اب میں کہاں جاؤں گی؟ چناں چہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب بالاکوٹ کا معرکہ سر کیا، یہ عورت وہاں بھی ان کے گھوڑے کا چارہ اور ان کا سامان مہیا کرنے کے لیے ساتھ رہی؛ یہاں تک کہ اس کی بھی اس راہ میں شہادت ہوگئی۔ [۱]

یہ واقعے کی تفصیلات ہیں، لیکن سب کو چھوڑ دیجیے تو کہیے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد چپکے سے طوائف کے کوٹھے پر گئے تھے، کس نیت سے گئے تھے؟ کیا کرنے کے لیے گئے تھے؟ سب سے نگاہ ہٹا لیجیے، اس لیے کہ آپ کی نگاہ پر تو رنگین چشمہ چڑھا ہوا ہے۔

میاں صاحب اور انگریز خاتون:

اگر کوئی بدتمیز گستاخ آپ سے پوچھ لے کہ مسز لیسنس کو ساڑھے تین مہینے

(۱) ''تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید'' مرتب: مولانا نسیم احمد فریدی، ص/ ۲۰، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ۱۹۷۷ء۔

میاں صاحب [1] اپنے مکان میں رکھے ہوئے تھے، [2] وہ انگریز عورت ان کی خالہ تھیں یا پھوپھی؟ اس کے ساتھ کون محرم تھا؟ خدانخواستہ ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے، ہم سمجھتے تھے کہ انھوں نے خدمت کی تھی، اور ہمیں یقین ہے کہ کوئی نگاہ غلط نہیں ڈالی تھی؛ لیکن اگر آپ کی نگاہ کا چشمہ کوئی دوسرا پہن لے تو اس کو یہ سوال کرنے کا حق ہوگا یا نہیں ہوگا کہ ایک گوری عورت کو ساڑھے تین مہینے تک میاں صاحب اپنے مکان میں چھپا کر رکھے ہوئے تھے، اور اس سوال کو وہ ''اکابرِ غیر مقلدین کی سنت'' کا عنوان لگا کر آپ کی مسجد کے بغل میں چپکا دے، آپ کے اوپر کیا گزرے گی؟ اس لیے اس دشنام طرازی سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس سے آپ کے چہرے پر پڑا ہوا نقاب اتر رہا ہے، آپ کی صورت چھپ نہیں رہی ہے۔

غیر مقلدین کا آپس میں کفر کا فتویٰ:

آپس میں ایک دوسرے کو کوسنے اور دشنام طرازی کرنے کا سلسلہ غیر مقلدین کے یہاں نیا نہیں ہے؛ بلکہ کافی قدیم ہے؛ چناں چہ عبداللہ روپڑی صاحب [3] مولانا ثناء اللہ صاحب [4] کو جو ان کے شیخ الاسلام ہیں، ان کو کافر، زندیق، ملحد اور جہنمی قرار دیتے ہیں، [5] اور مولانا ثناء اللہ صاحب عبداللہ روپڑی کو کافر، زندیق، ملحد اور جہنمی قرار دیتے ہیں، [6] اور یہی نہیں واجب القتل مرتد تک قرار دیا ہے، یعنی جو اصلی کافر ہے اگر وہ توبہ

---

(۱) شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی۔

(۲) ''حیات بعد الممات'' ص ر ۷۷، ط: المکتبۃ الأثریۃ شیخوپورہ ۱۹۸۴ء۔

(۳) حافظ عبداللہ روپڑی اہلِ حدیث عالم تھے، ۱۸۹۵ء میں روپڑ، امرتسر میں پیدا ہوئے اور بتاریخ ۲۰ر اگست ۱۹۶۴ء لاہور میں وفات پائی۔ (روپڑی علمائے حدیث: ۱۳، ۱۶۰)

(۴) مولانا ثناء اللہ امرتسری معروف عالمِ دین اور ادیب وخطیب تھے، آپ ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے اور ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا، پنجاب میں وفات پائی۔

(۵) اخبار تنظیم اہلِ حدیث، مورخہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء، امرتسر۔

(۶) مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری: ص ر ۴۷-۵۲، ط: ثنائی برقی پریس، امرتسر۔

کرے، تو اس کی توبہ قبول ہوگی؛ لیکن یہ مرتد ہے اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ یہ دونوں حفظہ اللہ بڑی اونچی شخصیت اور فضیلۃ الشیخ ہیں، ایک طرف علامہ عبداللہ صاحب روپڑی ہیں اور ایک طرف علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کو کافر، زندیق اور ملحد کہہ رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ خون جب منھ کو لگ جاتا ہے، تو پھر کوئی سامنے آئے آدمی چاٹتا ہے، گالی دینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا، [1] ابھی آپ نے سنا تھا کہ مولوی عبدالحق بنارسی کے متعلق مولانا نذیر حسین صاحب کے خسر عبدالخالق صاحب نے لکھا ہے کہ:

''اس فرقے کا بانی مبانی ''عبدالحق بنارسی'' تھا، یہی عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی غیر مقلدیت کا بانی ہے''۔ [2]

بنارس کے اندر اسی کا لگایا ہوا یہ پودا ہے۔

عبدالحق بنارسی کے بارے میں قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں وہ ''کشف الحجاب'' کے اندر لکھتے ہیں کہ:

''اس نے میرے سامنے یہ بات کہی ہے کہ: عائشہ، علی سے لڑ کر مرتد ہوگئی، اگر توبہ نہ کیے ہوگی تو جہنم میں جائے گی''۔ [3]

کیا ایسی بدتمیزی و گستاخی قابلِ برداشت ہے؟ غیر مقلد عبدالحق بنارسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی اور جہنمی قرار دے دیا، غیر مقلدین کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعمال بدعت قرار پاگئے، [4] اور خود سنت کے پیروکار ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں غیر مقلد مولوی لکھیں کہ وہ صحیح

---

(۱) کتاب کے صفحہ ۸۴ پر ان کے حوالے گزر چکے ہیں۔

(۲) نظام الاسلام، حاشیہ: تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین: ص ر ۳۔

(۳) کشف الحجاب: ص ر ۲۳۔

(۴) سبل السلام: ۲ر ۳۴۵۔

مسائل سے واقف نہیں تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بدتمیز گستاخی کریں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدتمیزی اور گستاخی کریں، ائمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کریں اور اس کے ساتھ تمام حضرات کو ایک ساتھ مشرک اور جہنمی قرار دے دیں اور ہم سب کچھ برداشت کرلیں اور سنتے رہیں! ایسا نہیں ہوگا، آپ کو حساب چکتا کرنا پڑے گا، آپ نے دعویٰ کیا ہے، تو دلیل پیش کرنی پڑے گی اور اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ملے گا۔

ایک بات پر غور کیجیے، بڑی نفسیاتی لڑائی ہے، ہمارے یہاں عام طور سے عوام کے واسطے دو کتابیں ہیں: مسائل کے سلسلے میں ''بہشتی زیور''، اور فضائل کے سلسلے میں ''فضائلِ اعمال''۔ غیر مقلدوں نے بہشتی زیور کو جہنمی زیور اور فضائلِ اعمال کو بربادئ اعمال قرار دے دیا، اب ہمارے ہاتھ کیا بچا ہے، لہٰذا اب ''نزل الابرار'' لیجیے اور اس کو چاٹیے، غلاظت کے ڈھیر پر بیٹھیے۔

اسلاف سے رشتہ کاٹنا غیر مقلدین کا مشن:

یہ ''بہشتی زیور'' عوام کے لیے مسائل کا آسان ترین مجموعہ تیار کیا گیا ہے، ایک طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زبان ایسی کہ ''بیان القرآن'' کا سمجھنا علماء کے لیے دشوار ہے، دوسری جانب ''بہشتی زیور'' اتنی آسان زبان میں لکھی ہے[1] کہ معمولی پڑھی لکھی عورتیں بھی اس کو سمجھ لیں، احناف کے یہاں اس کتاب کی تصنیف سے لے کر آج تک اسی میں بیان کیے ہوئے مسائل پر عمل ہو رہا ہے، اور ساری دنیا کے اندر جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان آباد ہیں، بلانزاع اس کو پڑھا جا رہا ہے اور سنا جا رہا ہے، غیر مقلدوں کے یہاں وہ جہنمی زیور ہے۔

---

(۱) بہشتی زیور کے ابتدائی حصے مولانا احمد علی فتح پوری نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں لکھے تھے۔
(اشرف السوانح: ۳؍۱۷)

فضائلِ اعمال کے ذریعے اور تبلیغی جماعت کی محنت کے راستے سے الحمدللہ دینی اور عملی اعتبار سے مسلمانوں میں خوش گوار تبدیلی آئی ہے، لیکن وہ بربادیٔ اعمال کا مجموعہ ہوگیا۔ غیر مقلدوں نے بنیاد منہدم کرنے کی کوشش کی ہے، کہ مذکورہ دونوں کتابوں سے بداعتمادی پیدا کردو، تاکہ اپنے مسائل پر بھی ان کو اعتماد نہ رہے اور فضائل پر بھی ان کو اعتماد نہ رہے؛ تاکہ یہ عمل سے بھی کورے ہوجائیں اور فرائض بھی چھوڑ بیٹھیں، اور فضائل کو بھی چھوڑ بیٹھیں، اور آپ کی طرح پر کٹے ہوکر کٹی پتنگ کی طرح ہوا میں اڑتے رہیں۔ ہم کو فضائلِ اعمال اور بہشتی زیور کا رنج نہیں ہے، بل کہ غیر مقلدوں کے کالے کرتوت پر رنج ہورہا ہے کہ وہ ہماری جڑ کاٹنے کی کوشش کررہے ہیں، دینی بنیاد پر حملہ کررہے ہیں، عوام کو فضائل کے راستے سے محروم کررہے ہیں، بے اعتمادی پیدا کررہے ہیں، تشکیک میں مبتلا کرنے کی کوشش کررہے ہیں؛ تاکہ جو مسائل کے دیکھنے کا ان کے پاس ذریعہ ہے، ان کے بارے میں شک پیدا ہوجائے اور وہ یہ خیال کریں کہ یہ تو غلط مسائل کا مجموعہ ہے، فضائلِ اعمال کے ذریعے سے ہزاروں آدمی کی زندگی میں خوش گوار انقلاب آیا ہے، کتنے بے نمازی نمازی بن گئے ہیں، کتنے شرابیوں نے شراب چھوڑ دیا ہے، آپ کو یہ چیز اچھی نہیں لگ رہی ہے۔

تبلیغی جماعت کی محنت الحمدللہ پوری دنیا میں رنگ لارہی ہے، اور یہ فقہ کا اختلاف ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان یہ ایک رحمت ہے، نمونہ دیکھنا ہو تو دہلی میں مرکز نظام الدین چلے جاؤ، بہت دور نہیں ہے، وہاں آپ کو عربوں کی جماعت ملے گی، جس میں مالکی بھی ہیں حنبلی بھی، آپ کو تنزانیہ کی جماعت ملے گی، سوڈان کی جماعت ملے گی، جو مالکی ہیں، آپ کو سعودی عرب کی جماعت ملے گی، جو حنبلی مسلک والے ہیں، آپ کو مصر کی جماعت ملے گی، جو شافعی مسلک والے ہیں، اور ہندوستان کے علماء تو ہیں ہی، وہاں کوئی سر پھٹول نہیں ہوتی، ایک ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے ہیں، کوئی رفع یدین کررہا ہے، کوئی نہیں کررہا ہے، کوئی آمین زور سے کہہ رہا ہے، کوئی آہستہ سے، کوئی امام کے پیچھے قرأت کررہا ہے، کوئی نہیں کررہا ہے؛ اس لیے کہ وہ سب مقلد ہیں، سب ایک دوسرے کو مسلمان سمجھ رہے ہیں،

ایک دوسرے کا احترام کر رہے ہیں، اور غیر مقلد اپنے علاوہ سب کو مشرک سمجھتے ہیں، یہ اکائی، یہ اتحاد غیر مقلدوں کو پسند نہیں ہے، انہیں اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ یہ عربوں میں بھی پہنچ گئے، جہاں جہاں بھی مسلمانوں کے قدم موجود ہیں، الحمد للہ یورپ ہو، امریکہ ہو، آسٹریلیا؛ بلکہ تمام برّاعظم میں جتنے خشکی کے علاقے ہیں، ہر جگہ جماعت کے قدم پہنچے ہوئے ہیں، الحمد للہ زور وشور سے کام ہو رہا ہے، غیر مقلدوں سے خود سے تو کچھ ہوتا نہیں، اور اگر کہیں کچھ ہوتا ہے، تو آپ اس میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ضعیف حدیث بمعنی کمزور حدیث:

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے اعظم گڑھ میں ایک واقعہ سنایا تھا کہ ہمارے یہاں ایک دوکاندار ہے، چائے پتی بیچتا ہے؛ پہلے بگڑا ہوا تھا، جماعت والوں نے اس کے اوپر محنت کی، کسی طریقے سے اس کو سمجھا بجھا کر تین دن کے لیے لے گئے، اس کو دل چسپی ہوئی، اس نے چلہ لگایا، بات سمجھ میں آ گئی، واپس آیا تو داڑھی بھی رکھ لی اور نماز بھی پڑھنے لگا۔

ایک غیر مقلد اسی کے محلے میں اس کی دوکان سے چائے پتی خریدتا تھا، اس سے پہلے کبھی نہیں کہا کہ تم نماز پڑھا کرو، شراب پینا چھوڑ دو، بدمعاشی چھوڑ دو؛ لیکن جب وہ نماز پڑھنے لگا تو اس سے پوچھا: کیا بات ہے پہلوان تمہاری شکل بدلی ہوئی نظر آ رہی ہے؟ کہا: ہاں، وہ جماعت میں چلا گیا تھا نا، وہاں سے آیا ہوں تو الحمد للہ میرے اندر تبدیلی آ گئی، نماز بھی پڑھتا ہوں، غیر مقلد نے کہا کہ نماز پڑھتے ہو تو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہو یا نہیں؟ پہلوان نے کہا کہ نہیں، امام کے پیچھے تو سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی، اس پر غیر مقلد نے کہا کہ تب تو نماز پڑھو نہ پڑھو سب برابر ہے؛ اس لیے کہ نماز تو

(۱) حضرت مولانا سیّد طاہر حسین گیاوی معروف عالمِ دین، مناظر و مصنف تھے، آپ ۱۲/اپریل ۱۹۴۷ء کو گیا، بہار میں پیدا ہوئے اور خطابت و مناظرے کے ذریعے زبردست عملی و اصلاحی خدمات انجام دے کر ۱۰/جولائی ۲۰۲۳ء کو بہ عمر ۷۶/سال خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

ہوتی نہیں، اس نے کہا اچھا، کہا: ہاں، حدیث میں آیا ہے:

لَاصَلَاةَ إِلَّابِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

''بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی ہے''۔

پہلوان نے کہا: ایسی بات ہے تو ذرا مولوی صاحب کاغذ پر لکھ دیجیے، غیر مقلد مولوی صاحب نے کاغذ پر لکھ دیا، یہ مسجد کے اندر گیا اور اپنے امام صاحب کو کاغذ دکھایا کہ امام صاحب! یہ حدیث ہے؟ امام صاحب نے کہا: ہاں، کہاں سے ملی؟ کہا: وہ ایک مولوی صاحب آئے تھے، انھوں نے دیا ہے، امام صاحب نے کہا: تم ان سب چکروں میں مت پڑو، تو کہا کہ نہیں، امام صاحب! اگر یہ حدیث ہے تو اس کا جواب دیجیے، امام صاحب نے کہا کہ بھئی! یہ جو حدیث ہے وہ امام کے لیے اور تنہا پڑھنے والے کے لیے ہے، جو آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا امامت کر رہا ہو، اس کے لیے یہ حکم ہے، اور جو آدمی امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کا دوسرا ارشاد ہے:

إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا.(۱)

''امام جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو''۔

اور:

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ.(۲)

''جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے''۔

پہلوان نے کہا یہ بھی حدیث ہے؟ امام صاحب نے کہا: ہاں، پہلوان نے کہا کہ

(۱) مسند أحمد، حديث أبي موسى الأشعري: ۳۲/۴۹۶، رقم: ۱۹۷۲۳، إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير علي بن عبدالله وهو ابن المديني، فمن رجال البخاري، وحطان بن عبدالله الرقاشي، فمن رجال مسلم.

(۲) سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا: ۱/۲۷۷، رقم: ۸۵۰، حكم الحديث: حسن.

لکھ کر دیجیے، اس کو لکھوا لیا، اب ان غیر مقلد کے پاس آیا تو اس غیر مقلد نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔ (بغیر دیکھے حدیث ضعیف ہونے کا نعرہ لگاتے ہیں)، پہلوان نے پوچھا: ضعیف کیا ہوتا ہے؟ تو اس غیر مقلد مولوی نے کہا کمزور ہے، پھر پہلوان پلٹ کر امام صاحب کے پاس گیا، تو امام صاحب نے کہا کہ میں نے تم سے کہا نا کہ تم اس چکر میں نہ پڑو، وہ کہہ رہے ہیں کمزور ہے، اس کو چھوڑ دو، اس نے کہا: اب آپ رہنے دیجیے، میں ان کو سمجھا لوں گا، پھر آ کر ان غیر مقلد صاحب سے کہا: اسلام تو ہم کو سمجھاتا ہے کہ کمزور لوگوں کو سینے سے لگاؤ اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کمزور ہے تو ہم اس کو چھوڑ دیں؟ کیسے مسلمان ہیں ہم؟ اگر حدیث کمزور ہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے، اس کو تو سینے سے لگانا چاہیے، آپ کہتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے، کمزور ہے، اس کو چھوڑ دو، بھئی! ضعیف اور کمزور کو سینے سے لگایا جاتا ہے۔ اب ان کا سارا علمِ حدیث دھرا کا دھرا رہ گیا، اس لیے کہ وہ جتنے پانی میں تھے، ان ہی کی سطح پر آ کر اس نے جواب دیا۔

صحیح حدیث کا مطلب ایک غیر مقلد کی زبانی:

اسی مالتی باغ[1] محلے کی بات ہے جب میں شروع شروع میں پڑھ کے آیا تھا، تو ان غیر مقلدین کی طرف سے کچھ حرکتیں ہوئی تھیں، محلّے میں ایک حافظ یحییٰ صاحب تھے، سیدھے سادے آدمی تھے، وہ غیر مقلدین کی طرف سے جامعہ اسلامیہ ایک استفتاء لے کر آئے اور مجھ سے کہا کہ مولوی صاحب اس کا جواب دیجیے، میں نے وہ استفتاء لیا تو انھوں نے کہا: صحیح حدیث سے جواب دیجیے گا، میں نے کہا: صحیح کیا ہوتا ہے؟ کہا جو صحیح ہو، میں نے کہا صحیح کا مطلب کیا ہوا جو غلط نہ ہو؟ کہا: ہاں ہاں یہی مطلب ہے، صحیح حدیث چاہیے، غلط نہ ہو، میں نے کہا: اس پر لکھ دیجیے کہ صحیح حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلط حدیث نہ ہو، کہا: مولوی! ہم لکھنا تو نہیں جانتے، مَیں نے کہا: اچھا! لکھنا نہیں جانتے اور اتنا بڑا استفتاء لے کر آئے ہیں، پھر کہا: آپ بولیے میں لکھ دیتا ہوں، آپ دستخط کر دیجیے کہ

(۱) مدن پورہ کا ذیلی محلّہ۔

صحیح حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو غلط نہ ہو۔ کہا: نہیں، آپ لکھ دیجیے، میں نے کہا: اچھا جس نے سوال لکھ کر دیا ہے اسی سے لکھوا لیجیے، کہ صحیح حدیث کا مطلب صحیح حدیث سے لکھ دیں، لیکن کسی کا قول نہ لکھیں گے، صحیح حدیث کس کو کہتے ہیں؟ حدیث سے اس کو لکھ دیں۔ کہا: مولوی صاحب! اتنی بحث کیوں کرتے ہیں؟ جو آپ سے پوچھا جارہا ہے اس کو لکھ دیں، میں نے کہا کہ میں آپ کے باپ کا نوکر ہوں، آپ جو کچھ ٹیڑھا میڑھا لکھ کر لائیں، میں اس کا جواب لکھ دوں، آپ کو اپنے سوال کی وضاحت تو کرنی ہوگی، آپ کو اپنے سوال کا مطلب تو واضح کرنا ہوگا، اس دن جو واپس ہوئے تو پھر آج تک واپس نہیں آئے۔

مَیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اِن حضرات کا یہ مبلغِ علم ہے، صحیح حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو صحیح ہو یعنی غلط نہ ہو، ایسے کے مقابلے میں یہی کہا جائے گا کہ ضعیف حدیث ہے تو بے چاری کمزور ہے، اس کو گلے سے لگانا چاہیے۔

الغرض کسی بے نمازی سے ان کو دل چسپی نہیں ہے، جواری، شرابی سے کوئی دل چسپی نہیں ہے؛ لیکن اگر دیکھ لیا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے، یونیورسٹیوں میں چلے جایئے، کالجوں میں چلے جایئے، اگر کسی نوجوان کے چہرے پر داڑھی نظر آئی اور جماعت میں جانے لگا، دین کے اندر کچھ دل چسپی نظر آئی، تو اس پر ہاتھ مارنے لگیں گے کہ بھئی کتاب وسنت پر عمل کیا کرو، اقوالِ رجال مناسب نہیں ہے، ایسی حرکتیں ان کی چاہت سے ہوتی ہیں۔

غیر مقلدین سے عرض ہے کہ: بات جہاں سے شروع ہوئی تھی، ہم وہیں تک پہنچائیں گے، آپ سُن لیں کہ بدتمیزی اور گالی گلوج سے کام نہیں چلے گا، یہ اوباشوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ جُوت جب ان کے سر پر پڑتی ہے تو گالیاں بکتے ہیں، شریفوں کی طرح سے بات کا جواب دیجیے۔ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، آپ کی کتاب کے یہ مسائل ہیں، آپ یا تو کتاب وسنت سے ان کے دلائل پیش کیجیے، یا اقرار کیجیے کہ ہم نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔

اس کے باوجود اگر آپ کو اصرار ہے کہ ہم کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، اور کوئی آیت نہیں پیش کر سکتے، کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے، تو آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹی تہمت لگانے کے مجرم ہیں۔ اسی طرح آپ نے تمام ائمۂ اربعہ کے مقلدین کو مشرک اور جہنمی کہہ کر بہت بڑا پاپ مول لیا ہے؛ اس لیے کہ حدیث [۱] میں آتا ہے کہ:

جب کوئی شخص کسی کے اوپر کفر کا الزام لگاتا ہے تو یہ الزام خالی نہیں جاتا، جس کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ کافر ہے تو اس پر چپکے گا، نہیں تو پلٹ کر آئے گا:

زیر گردوں بد نہ بولے کوئی گر میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا، جیسی کہے ویسی سنے

آپ جس کو مشرک کہتے ہیں، اس کا مشرک ہونا ثابت کیجیے، اور نہیں تو یہ شرک پلٹ کر آپ کے اوپر جائے گا۔

غیر مقلدین کی قرآن میں تحریفِ معنوی:

غیر مقلدین اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن تک میں تحریف کر ڈالتے ہیں، ان کی جانب سے قرآن کی تحریف معنوی مسلسل ہو رہی ہے، تقلید کے سلسلے میں ان کا جو کتابچہ آیا ہے، اس میں انھوں نے یہ کیا ہے کہ جو آیتیں مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور جو آیتیں کفار مکہ کے بارے میں، یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان کو لا کر یہ احناف اور مقلدین کے اوپر فٹ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [۲]

(۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيْهِ: كَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب مَن أكفر أخاه بغير تاويل فهو كما قال: ١٢/١٦٧، رقم: ٦١٠٤)

(۲) سورة التوبة: ٣١.

''انھوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو اپنا رب بنالیا ہے''۔

یہ کہتے ہیں کہ حنفیہ نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو رب بنالیا ہے۔

مشرکینِ مکہ کو جب ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے:

﴿قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ (۱)

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے''۔

مشرکین اپنے آباء واجداد کی جن رسموں پر چلتے تھے، کفر وشرک کو اختیار کیے ہوئے تھے، غیر مقلدین تقلید کو ان رسموں کے اوپر فٹ کر کے کفار والی آیت کو مسلمانوں کے اوپر فٹ کر رہے ہیں۔ یہ تحریف معنوی ہے یا نہیں؟ قرآن کے اندر اس کے شانِ نزول کو بدلنا، اس کے مصداق کو بدلنا قرآن کے اندر تحریف ہے، اور قرآن کی تحریف حرام ہے، تفسیر بالرائے کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ قصداً تحریف کر رہے ہیں۔

اور میں آپ کو بتلاؤں کہ اگر آباء اجداد صحیح طریقے پر ہوں تو ان کی اتباع کرنے کا حکم ہم کو قرآن سے ملتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانے میں گئے اور دو آدمی ان کے پاس آئے اور آکر انھوں نے اپنا خواب سنایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر دینے سے پہلے ان کے سامنے توحید پر ایک تقریر کی، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ... وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ (۲)

''میں نے بے ایمانوں کا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور میں نے اپنے آباء کے طریقے کو اختیار کیا ہے، اور وہ آباء واجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں''۔

---

(۱) سورة الشعراء: ٧٤.

(۲) سورة يوسف: ٣٦، ٣٧، ٣٨.

سورۂ شعراء والی آیت کو حضرت یوسف علیہ السلام پر منطبق کیجیے کہ باپ دادا کے دین پر چل رہے تھے اور نتیجے کے لیے تیار رہیے؛ کیوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام مشرکینِ مکہ کے ہم مثل ہو جائیں گے؛ اس لیے ہر صورت میں باپ دادا کے دین کو اختیار کرنا غلط نہیں ہے؛ بل کہ جب مطلق باپ دادا کا دین کفر و شرک پر مشتمل ہو، تو اس صورت میں ان کے دین کو اختیار کرنا کفر و شرک ہے۔ اور اگر آپ مطلق باپ دادا کا دین اختیار کرنے کو کفر و شرک کے زمرے میں لاتے ہیں تو قرآنِ پاک کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام اعلان کر رہے ہیں، کہ میں نے اپنے آباء و اجداد کی ملت کو اختیار کیا، میں نے اپنے آباء و اجداد کے مذہب کو اختیار کیا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کی ملت کو اختیار کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر باپ دادا دینِ حنیف کے اوپر قائم ہوں اور اولاد اسی طریقے پر چلے، تب باپ دادا کا دین اختیار کرنا قابلِ مذمت نہیں ہے، قرآن کے اندر اُس کی مذمت کی گئی ہے، جو مشرکینِ مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر چلیں گے، ان کے سامنے ایمان کی دعوت پیش کی جاتی تھی، وہ کہتے تھے کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے، ہم تو اپنے باپ دادا کے مشرکانہ اور بت پرستی والے طریقے پر چلیں گے۔ آپ اس آیت کو احناف اور مقلدین پر فٹ کر رہے ہیں، یہ قرآنِ پاک کی تحریف ہے۔

تحریفِ معنوی کی دوسری مثال:

اسی طرح قرآنِ پاک میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کی پوجا کرتے تھے قیامت کے دن اُن کے معبودانِ باطلہ ﴿كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝﴾ [1] ان کی عبادتوں سے انکار کر دیں گے کہ ہم نے ان کو عبادت کا حکم نہیں دیا تھا، یہ میری عبادت نہیں کرتے تھے، یہ شیطان کی عبادت کرتے تھے۔

---

(۱) سورة الأحقاف: ٦.

یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں ہے، جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کے معبود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی براءت کا اظہار کریں گے۔ اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ائمہ متبوعین قیامت کے دن مقلدین کے بارے میں کہہ دیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، ہماری بات نہیں مانتے تھے، یعنی بقول آپ کے، ائمہ کو ہم نے معبود بنایا ہے۔ (اشتہار کا خلاصہ بتا رہا ہوں، پرچہ اس وقت سامنے نہیں ہے ورنہ پوری اصلِ عبارت پڑھ کر سناتا)۔ غیر مقلدوں نے بت پرستی اور تقلید دونوں کو ایک ساتھ ملا دیا ہے؛ حالاں کہ تقلید کیا ہے؟ سب جانتے ہیں۔ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ دلیل کا مطالبہ کیے بغیر اعتماد کر کے بات مان لینا۔ (۱) یہ ساری دنیا کرتی ہے، ہر کام کے اندر یہی ہوتا ہے، آپ کسی عالم کے پاس جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! نماز کے اندر یہ غلطی ہوگئی ہے، کیا حکم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کر لو۔ کیا آپ پوچھتے ہیں کہ کون سی آیت سے ثابت ہے؟ بتلایئے کس حدیث سے ثابت ہے؟ آپ نے ان کو عالم جانا، اس لیے مسئلہ پوچھا اور پوچھ کر عمل کر لیا، اسی کا نام تقلید ہے۔

تحریفِ معنوی کی تیسری مثال:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝﴾ (۲)

”یاد کرو اس دن کو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا، ندامت اور افسوس سے کہے گا، کاش! میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے افسوس! میں نے فلاں کو اپنا خلیل اور امام نہ بنایا ہوتا“۔

غیر مقلدین اِس آیت کو بھی ائمہ متبوعین اور مقلدین پر منطبق کرتے ہیں، خدا کی

---

(۱) الحاوي الكبير للماوردي: ۱۵/۱، ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

(۲) سورة الفرقان: ۲۷،۲۸.

قسم! یہ شدید قسم کی تحریف ہے۔ ﴿یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ۝۲۸﴾ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو اپنا خلیل اور امام نہ بنایا ہوتا، یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کو امام نہ بنایا ہوتا، عوام اور اَن پڑھ آدمی یہ سمجھے کہ امام کی اقتدا کرنے والا قیامت کے دن افسوس کرے گا، اسے پتہ نہیں ہے کہ یہ غیر مقلدین کی قرآن میں خیانت اور تحریف ہے، قرآن میں اضافہ کرر ہے ہیں۔ اور یہ شوق اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کرر ہے ہیں۔

اسی آیت میں اور خیانت ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ﴾ ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا، ﴿یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ۝۲۷﴾ کہے گا: کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا، آپ ترجمہ کیا کرتے ہیں کہ ندامت اور افسوس سے کہے گا کہ کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا، اور اس کے مقابلے میں لا رہے ہیں ﴿یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ۝۲۸﴾ ظاہر بات ہے کہ اس آیت کے اندر مومن اور کافر کا مقابلہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت پیش کی، تو جو لوگ ان پر ایمان نہیں لائے، قیامت کے دن ان کو افسوس ہوگا۔ اور غیر مقلدین یہ مفہوم نکال رہے ہیں کہ: کاش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کیا ہوتا، یعنی غیر مقلد بن جاتا، اور کاش میں نے فلاں کو اپنا خلیل اور اپنا امام نہ بنایا ہوتا، یعنی مقلد نہ ہوتا۔ قرآن کی آیت مومنین اور کفار کے لیے آئی ہے اور غیر مقلدین ایسی تعبیر اختیار کرر ہے ہیں کہ آیت مسلمانوں میں ہی دو جماعتوں پر صادق آتی ہے، اہلِ سنت کافروں کا مصداق ٹھہرتے ہیں اور غیر مقلدین مؤمنین کا؛ کیوں کہ ان کے دعوے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ غیر مقلدین کا ہے؛ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو اختیار کرنے کا کیا مطلب ہوا کہ غیر مقلد بن جاتا، اور فلاں کو اپنا خلیل اور امام بنالینے کی وجہ سے مقلدین کافر و مشرک بن جاتے ہیں، یہ بدترین تحریف اور خیانت ہے؛ کیوں کہ آیت میں امام کا لفظ نہیں ہے، غیر مقلدین تحریف کرتے ہوئے اپنی جانب سے قرآن میں اضافہ کرر ہے ہیں۔

تحریفِ معنوی کی دوسری مثال کی مزید توضیح:

﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِينَ ۝﴾[1]

اس مجمع میں پڑھے لکھے لوگ بھی ہیں، ایک ایک لفظ کا ترجمہ دیکھیے: ﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ﴾ جب لوگ حشر کے دن جمع کیے جائیں گے ﴿كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً﴾ تو وہ ان کے دشمن ہوجائیں گے یعنی جن کی یہ پوجا کرتے تھے، وہ ان پوجا کرنے والوں کے دشمن ہوجائیں گے ﴿وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِينَ ۝﴾ اور وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، ایک ایک لفظ دیکھیے: ﴿وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِينَ ۝﴾ وہ لوگ یعنی وہ معبودانِ باطلہ اُن کی عبادت کا انکار کردیں گے۔

اب غیر مقلدین کا ترجمہ دیکھیے! اور جب قیامت کے دن تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، تو وہ لوگ ان کے دشمن ہوجائیں گے اور ان کی عبادت وتقلید کا انکار کردیں گے۔ قرآن کی آیت ہے: ﴿وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِينَ ۝﴾ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے۔ اور غیر مقلدین لکھ رہے ہیں ان کی عبادت وتقلید کا انکار کردیں گے۔ یہ تحریف نہیں ہے؟ اپنی طرف سے قرآن کے ترجمے میں تقلید کا لفظ بڑھایا جارہا ہے، اپنی طرف سے قرآن کے ترجمے میں امام کا لفظ بڑھایا جارہا ہے، اپنے غلط مطلب کو ثابت کرنے کے لیے غیر مقلدین نے قرآن کے اوپر بھی ہاتھ صاف کردیا، اس میں بھی تحریف کرڈالی، اور بنتے ہیں اہلِ حدیث، کتاب وسنت پر عمل کرنے والے، شرم نہیں معلوم ہوتی۔ اگر ذرا بھی غیرت ہوگی تو چلو بھر پانی میں ڈوب مریں گے؛ لیکن غیرت کہاں ہے، ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ روز ایک غلاظت نامہ شائع ہورہا ہے، روز ایک گندگی نامہ چھپ رہا ہے، اور اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے کے لیے آئیں بائیں شائیں کرکے اِدھر اُدھر کی ہانکی جارہی ہے۔

بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں پر لاکر ختم کروں گا، ہمارے دو مطالبے ہیں:

---

(۱) سورة الأحقاف: ٦.

ایک یہ کہ آپ اس غیر مقلد جماعت کو انگریزوں کی ہندوستان آمد سے پہلے کہیں ثابت کیجیے۔ دوسرے یہ کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم کتاب وسنت سے مسائل بیان کرتے ہیں، صرف اسی کے قائل ہیں، آپ کی کتاب کے جو مسائل پیش کیے گئے ہیں، آپ یا تو کتاب اللہ کی آیت پیش کیجیے یا سنتِ رسول اللہ سے اس کی دلیل پیش کیجیے۔ اور اگر نہیں پیش کر سکتے تو صاف اقرار کیجیے، توبہ نامہ شائع کیجیے۔ اور ایک بات جو میں نے جمعہ میں کہی تھی وہ یہاں دہرا کے بات ختم کرتا ہوں۔

ایک ہاتھ سے مصافحے کے ثبوت میں دھوکہ:

ایک ہاتھ سے مصافحہ ہو یا دو ہاتھ سے، یہ مسئلہ ایمان وکفر کا مسئلہ نہیں ہے، ہم کبھی کسی غیر مقلد کا ہاتھ پکڑ کر یہ نہیں کہتے کہ تم ایک ہاتھ سے مصافحہ کیوں کرتے ہو؟ دونوں ہاتھ سے کرو۔ ان کا بار بار اصرار ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ سنت ہے، دونوں ہاتھ سے مصافحہ غلط ہے۔ میں نے غیر مقلدیت کی ذکر کردہ آٹھ علامتوں میں سے ایک علامت اس کو بھی شمار کرایا تھا، ان کی طرف سے پرچہ آیا ہے ''ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت'' اس میں شدید قسم کی انھوں نے چال بازی کی ہے، جتنی جگہ لفظ ''ید'' آیا ہے اُس سے ایک ہاتھ مراد لیا ہے، فقہ حنفی میں جہاں بھی مصافحے کے ذکر میں ''ید'' کا استعمال ہے، اُس کو ایک ہاتھ پر محمول کیا ہے، جیسے: علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے:

لَابَأْسَ بِالْمُصَافَحَةِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَوَارِثُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:
مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَ الذُّنُوبُ.(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی اس کے گناہ جھڑ جائیں گے''۔

---

(۱) درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب الكراهية والاستحسان، فصل ملك الأمة بشراء: ۳۱۸/۱، ط: دار إحياء الكتب العربية.

یہاں لفظ ''ید'' آیا ہے، ''یدین'' کا لفظ نہیں آیا ہے؛ لہٰذا ایک ہاتھ سے مصافحہ ہونا چاہیے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ لفظِ ''ید'' عربی کے اعتبار سے اسمِ جنس ہے، جب کسی چیز کو دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے یا ایک ہاتھ سے کرنے کو بتانا ہوگا، تو اس کے لیے وہی لفظ استعمال کیا جائے گا، اور جہاں صرف لفظ ''ید'' آئے گا، یعنی ہاتھ، تو اس سے دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں۔

اگر ایسا نہیں ہے تو میں کچھ آیات اور احادیث پڑھتا ہوں غیر مقلدین کی لغت کے اعتبار سے ان کا ترجمہ کیجیے۔ مذکورہ حدیث کا ترجمہ اگر غیر مقلدین کے بقول یہ ہے کہ جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی، یعنی ایک ہاتھ کو حرکت دی، تو اُس کے گناہ جھڑ جائیں گے۔ اور اِس طرح ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوجائے گا، تو قرآن کی آیت دیکھیے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝٢٩﴾(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اپنے ہاتھ بخل کی وجہ سے اپنی گردن سے نہ ملالو اور نہ ہاتھ کو بالکل پھیلادو یعنی اتنے سخی نہ بن جاؤ کہ کل لٹادو''۔

کیا یہاں اس کا ترجمہ ہوگا کہ ایک ہاتھ کو گردن سے مت ملاؤ، مفہوم غلط ہوجائے گا؛ کیوں کہ بخیل آدمی یوں اپنی مٹھی بند کر کے پیٹھ یا گردن کے پیچھے چھپاتا ہے، کہ کوئی لے نہ جائے، بچوں کو اگر آپ کوئی چیز دیں اور پھر ان سے مانگیں تو مٹھی بند کر کے پیچھے کی طرف کر لیتے ہیں، یہ کنایہ ہے ہاتھوں کو گلے سے لگانا، یہ بخل کی علامت ہے، الغرض! ''ید'' کا لفظ استعمال کیا جارہا ہے اور مراد دونوں ہاتھ ہیں۔

(۱) سورة الإسراء: ٢٩.

حدیث میں لفظِ ''ید'' کا مفہوم:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ رَّأَىٰ مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ.(۱)

مشہور روایت ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

''تم میں سے جو شخص کوئی منکر چیز دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے، اور اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے، اور اگر زبان سے نہ مٹا سکے تو دل سے اس کو بُرا جانے''۔

یہ روایت کے الفاظ ہیں، اس میں بھی ''ید'' کا لفظ آیا ہے، غیر مقلدین کو اِس کا ترجمہ کرنا چاہیے کہ تم میں سے جو کوئی منکر دیکھے تو اس کو ایک ہاتھ سے مٹائے؛ اس لیے کہ ''ید'' آیا ہے، ''یدین'' تو آیا نہیں ہے۔ پھر سوال ہوگا کہ دائیں ہاتھ سے مٹائے یا بائیں ہاتھ سے؟ حالاں کہ فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ کا صحیح ترجمہ کیا جائے گا کہ دونوں ہاتھ سے مٹائے؛ کیوں کہ ''ید'' سے دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.(۲)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں''۔

حدیث میں ''یدہ'' کا لفظ آیا ہے، اگر ''یدہ'' کا ترجمہ ایک ہاتھ کریں گے، تو مطلب ہوگا کہ ایک ہاتھ محفوظ کر لیجیے، اس سے کچھ مت کیجیے گا، اور دوسرے ہاتھ سے

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان: ۱/۶۹، رقم: ۷۸، ط: البابي الحلبي، القاهرة.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام: ۱/۶۵، رقم: ۶۵.

ایذا پہنچاتے رہیے، حدیث کے اوپر عمل ہو جائے گا؛ اس لیے کہ ''یدہ'' کا لفظ آیا ہوا ہے؛ حالاں کہ یہ مطلب صحیح نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی بھی ہاتھ سے ایذا پہنچانا غلط ہے۔

اردو زبان کی کچھ مثالیں:

آپ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے یہ کپڑا بُنا ہے، ساڑی میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے، کاریگر سے نہیں بنوائی ہے، یہ کپڑا میں نے اپنے ہاتھ سے رنگا ہے، کوئی یہ پوچھتا ہے کہ داہنے ہاتھ سے بُنا ہے یا بائیں ہاتھ سے بُنا ہے؟ کون سے ہاتھ سے بنا ہے؟ عموماً یہ نہیں کہتے کہ میں نے دونوں ہاتھ سے بنا ہے، دونوں ہاتھ سے رنگا ہے، یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ سے رنگا ہے، کبھی کسی کے ذہن میں نہیں آتا کہ ''ہاتھ'' کا مطلب ایک ہاتھ ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: یہ بات میں نے اپنے کان سے سنی ہے۔ اِس پر سوال نہیں ہوتا کہ داہنے کان سے یا بائیں کان سے؟ اگر دونوں سے سنی ہے تو کہنا چاہیے کہ کانوں سے سنی ہے، صرف کان کیوں کہتے ہیں؟ اِس لیے کہ صرف ''کان'' سے دونوں کان مراد ہوتے ہیں۔ اِسی طرح کوئی کہے کہ: میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، تو سوال نہیں ہوتا کہ کون سی آنکھ سے دیکھا ہے؟ دائیں سے یا بائیں سے؟ کیا وہ کانا ہے کہ ایک آنکھ سے دیکھ رہا ہے؟

بھائی! آنکھ بولتے ہیں تو دونوں آنکھ، کان بولتے ہیں تو دونوں کان مراد ہوتے ہیں۔ [1] اِسی طرح کسی نے کہا: اپنے پیر سے چل کر آیا ہوں، دونوں پیر سے چل کر آنا مراد ہوتا ہے، ایک پیر سے چل کر آنا نہیں۔

اور جہاں ایک کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں حضور ﷺ وضاحت فرماتے ہیں؛

---

(۱) یہ مثالیں مشرقی یوپی کی بول چال کے لحاظ سے بیان کی گئی ہیں، عام اردو میں آنکھ، ہاتھ اور پیر وغیرہ کے افعال میں جمع کا صیغہ ہی مستعمل ہے، جیسے: آنکھوں سے دیکھنا، پیروں سے چلنا وغیرہ۔

عمر بن ابی سلمہ حضور ﷺ کے ربیب ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا حضور ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا، میرا ہاتھ رکابی میں ادھر ادھر جایا کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

يَاغُلَامُ سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّايَلِيْكَ.(۱)

''بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا کرو، داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے قریب سے کھایا کرو''۔

یہاں چوں کہ ایک ہاتھ بتلانا ہے اور کون سا ہاتھ یہ بھی بتلانا ہے، تو ''ید'' کا لفظ نہیں فرمایا، ''بِيَمِيْنِك'' فرمایا۔

اسی طرح استنجاء کے باب میں آپ ﷺ کو بتلانا ہے کہ داہنے ہاتھ سے استنجاء مت کیا کرو، تو آپ فرماتے ہیں:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْخَلَاءَ فَلَايَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ.(۲)

''بیت الخلاء میں صفائی کے لیے داہنے ہاتھ کا استعمال نہ کرو''۔

یہاں ''ید'' کا لفظ استعمال نہیں کیا، اس لیے کہ داہنے ہاتھ کو بتلانا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنَ فِيْ تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ فِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ.(۳)

''رسول اللہ ﷺ ہر اچھے کام میں دائیں جانب سے آغاز کرنے کو پسند فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں''۔

جہاں بھی ایک کا تذکرہ کرنا ہے تو واحد کا صیغہ لایا جارہا ہے، داہنے اور بائیں کا لفظ

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين: ۴۱/۱۱، رقم: ۵۳۷۶.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين: ۲۲۵/۱، رقم: ٦٤.

(۳) صحيح البخاري، كتاب الوضوء: ۴۲٦/۱، رقم: ۱٦۸.

لایا جا رہا ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر سامنے مت تھوکو، دائیں مت تھوکو، بائیں تھوکو۔(۱) جہاں ایک رخ کو متعین کرنا ہے تو اس کا نام لیا جا رہا ہے؛ لیکن جہاں مطلق پیر آتا ہے تو دونوں پیر مراد ہوتے ہیں۔ جہاں مطلق کان بولتے ہیں تو دونوں کان مراد ہوتے ہیں، مطلق آنکھ بولتے ہیں تو دونوں آنکھ مراد ہوتی ہیں، مطلق ہاتھ بولتے ہیں تو دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں۔

بخاری سے دو ہاتھ سے مصافحے کا ثبوت:

اور بخاری شریف میں دونوں ہاتھ سے مصافحے کی روایت بھی موجود ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب قائم کرتے ہیں:

بَابُ الْمُصَافَحَةِ "مصافحہ کا باب"

اور تعلیقاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرتے ہیں:

عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ التَّشَهُّدَ وَكَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ.(۲)

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھلایا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھ کے بیچ میں تھا"۔

جب بھی دو آدمی دونوں طرف سے ہاتھ ملائیں گے تو ایک کا ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھ کے بیچ میں ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھ کے بیچ میں تھا۔

بعض غیر مقلد کہہ دیتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصافحے کے وقت ایک ہی ہاتھ تھا یعنی ان کے ایک ہاتھ کی ہتھیلی رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے بیچ میں تھی۔اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ غیر مقلد

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب دفن النخامة في المسجد: ۷۰۱/۱، رقم: ٤١٦.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة: ۳۷۳/۱۲.

نہیں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو دونوں ہاتھ پھیلائیں اور وہ ایک ہاتھ پھیلا دیں، یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھ بڑھائیں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جاں نثار صرف ایک ہاتھ بڑھانے پر اکتفاء کریں۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت پر کیوں عمل کرنے لگے؟

بہرحال! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مصافحے کا باب لا رہے ہیں اور یہ روایت ذکر کر رہے ہیں، جو لوگ بخاری شریف پڑھنے پڑھانے والے ہیں، وہ جانتے ہیں اور شارحین نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب سے دونوں ہاتھ سے مصافحے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ (۱)

اس کے بعد بَابُ الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ کی روایت لاتے ہیں، اوپر کی روایت سے تو خود رسول اللہ ﷺ کا دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہوا۔ دوسری دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں سند کے ساتھ نقل کی ہے اور بخاری شریف میں تعلیقاً نقل کی ہے کہ:

صَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ. (۲)

باب الأخذ باليدين دونوں ہاتھ کا تھامنا۔ دونوں ہاتھوں سے تھامنے کی روایت مصافحے کے بعد لائے ہیں اور اس کے ضمن میں روایت نقل کرتے ہیں:

صَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ.

"حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا"۔

اسی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کے اندر سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مکہ سے آئے تو حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سے ان

---

(۱) فيض الباري على صحيح البخاري: ۲۰۴/۶، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ۲۰۰۵ء.

(۲) صحيح البخاري، باب الأخذ باليدين: ۳۷۴/۱۲.

سے مصافحہ کیا۔(۱) یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اَلْأَئِمَّةُ أَرْبَعَةٌ

ائمہ تو چار ہیں: سفیان ثوری، امام مالک، حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم۔(۲)

ان میں کے دو ائمہ مصافحہ کررہے ہیں اور دونوں ہاتھ سے کررہے ہیں، اور یہ کسی حنفی کی کتاب میں نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں اس کو نقل کررہے ہیں، اس کے اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت لارہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھلایا، اس طرح سے کہ ان کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا، امام بخاری اس باب کو قائم کرکے اپنا مسلک ظاہر کررہے ہیں کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

غیر مقلدین کا فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں:

اب ذرا ان کا اشتہار دیکھیے:

"ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت"

اس کے آخر میں لکھا ہے:

"دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا معتزلہ اور خوارج کا عمل ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر معتزلہ اور خوارج کا فتویٰ لگارہے ہیں، کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معتزلی اور خارجی ہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معتزلی اور خارجی ہیں، حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہما کے نام میں تو صراحت کے ساتھ ہے کہ:

---

(۱) التاريخ الكبير للبخاري، باب الألف: ۳۴۲/۱، رقم: ۱۰۸۴، ط: دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

(۲) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل: ۲۶۵/۱، ط: دارإحياء التراث العربي، بيروت ۱۹۵۲ء.

صَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُبَارَكٍ بِيَدَيْهِ.

جس کو عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ائمہ حدیث میں شمار کر رہے ہیں کہ ائمہ حدیث چار ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، ان میں سے دو کا تذکرہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں، اور غیر مقلد لکھ رہے ہیں کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا معتزلہ اور خوارج کا طریقہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معتزلی کہہ کر کیا ایمان باقی رہ سکتا ہے؟ معتزلہ اور خوارج باطل فرقوں میں سے ہیں، یہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کی تلواروں سے کتنے مسلمانوں کے سر قلم ہوئے ہیں، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، انھوں نے فتنے برپا کیے ہیں، معتزلہ اور خوارج اپنے علاوہ باقی لوگوں کو مسلمان نہیں مانتے تھے، وہی عمل غیر مقلدین کر رہے ہیں، اکٹھے تمام شخصیات پر فتویٰ لگا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کو معتزلی و خارجی بنا دیا۔

اور تمام دلائل کو چھوڑ دیجیے، صرف بخاری شریف کی بات کیجیے، بخاری شریف کا جو لوگ نعرہ لگاتے ہیں، دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے مسئلے میں بخاری شریف سے ہی ان کے اوپر زد پڑ رہی ہے اور حد ہوگئی ہے بدتمیزی اور گستاخی کی! صرف اللہ رب العزت کی ذات باقی رہ گئی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر مقلدین نے ہاتھ صاف کر دیا، اور معتزلی و خارجی تک کہہ دیا، توبہ لازم ہے یا نہیں؟ اس اشتہار والی تحریر میں کوئی استثناء نہیں ہے، اور کسی کا استثناء نہیں ہے، بس یہ لکھا ہے کہ جو دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرے گا وہ معتزلہ اور خوارج کے طریقے پر ہے، اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زد پڑتی ہے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر زد پڑتی ہے، حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ پر زد پڑتی ہے، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پر زد پڑتی ہے۔

ناوک نے تیرے، صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ان لوگوں نے کس کو چھوڑا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو معتزلی اور خارجی بنا دیا۔

غلطی کا اعتراف کرنا دیانت ہے:

پچھلے دنوں ایک لطیفہ پیش آیا، مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی، وہ یہ کہ وہاں (مالتی باغ مسجد میں) میں نے جو تقریر کی تھی، اس میں مَیں نے ایک لفظ استعمال کیا تھا کہ ’’خدا کی قسم! غیر مقلدین سے بڑا کوئی حدیث کا دشمن نہیں ہوگا‘‘ بعد میں مجھے یہ خیال آیا کہ یہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، اہلِ حدیث کہتے ہیں، یہ لفظ ذرا سخت ہوگیا، مجھے کچھ گراں لگا، تو میں نے دو سطر کی ایک تحریر لکھ کر اپنے لڑکے کو دے دی کہ اس کو جمعہ میں سنا دینا، اس میں مَیں نے لکھا کہ:

> ’’شدّتِ جذبات میں میری زبان سے ایک لفظ نکل گیا، میں اس پر معذرت کرتا ہوں، اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ ان سے بڑا کوئی حدیث کا چھوڑنے والا نہیں ہے، یعنی تارکِ حدیث کی جگہ دشمن حدیث کا لفظ میری زبان سے نکل گیا، اس کی اصلاح کرلی جائے۔‘‘

بات بالکل واضح اور صاف ہے، مگر ردِّ عمل میں غیر مقلدین کے یہاں لڈو بٹے، باقاعدہ خوشیاں منائی گئیں اور پیغام دیا گیا کہ وہ (مفتی ابوالقاسم) تقریر کرکے ساؤتھ افریقہ بھاگ گیا اور وہاں سے معافی نامہ بھیجا ہے۔ تین گھنٹے کی تقریر، جس میں ان کو چیلنج کیا گیا تھا، کچے چٹھے کھولے گئے تھے، وہ سب ہضم کر گئے اور یہ مشہور کیا گیا کہ معافی نامہ لکھ کر بھیجا ہے، ساؤتھ افریقہ بھاگ گیا ہے۔

الحمدللہ اب میں موجود ہوں، مجھ کو ایک بات گراں معلوم ہوئی، میں نے دیانتاً سمجھا کہ اس سے معذرت کرلینی چاہیے، اس لیے معذرت کرلی۔ نہ اللہ کے رسول ﷺ پر کوئی حملہ تھا، نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر، نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، نہ ائمہ پر، موجودہ غیر مقلدین پر ذرا سا بھاری لفظ استعمال ہوگیا تھا، تو میں نے معذرت کا لفظ استعمال کرلیا، تو وہ ان کے لیے اس قدر خوشی کا موقع فراہم کررہا ہے۔

اگر ان کے اندر غیرت ہے، تو جس طریقے سے انھوں نے اشتہار کے ذریعے اللہ کے رسول ﷺ اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں کو معتزلی اور خارجی کہا ہے، اسی طریقے سے اشتہار لگائیں، تنہائی میں توبہ کرنا کافی نہیں ہوگا کہ چھپ کر توبہ کرلیں، مسلمانوں کے دلوں کو دکھ پہنچایا ہے، اشتہار لگایا ہے، تو صاف صاف لکھیں، جیسے حیات النبی ﷺ کے مسئلے پر توبہ نامہ شائع کیا تھا[1] اسی طرح لکھیں کہ ہم نے غلط کیا ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو جو ہم نے معتزلی اور خارجی کہا ہے وہ ہم نے غلط کہا ہے، ہم اس سے توبہ کرتے ہیں، اور کسی ایک فرد کا نام لے کر دامن نہیں جھاڑ سکتے؛ کیوں کہ سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، سب مشورے سے ہوتا ہے، پروگرام کے تحت ہوتا ہے۔

ضروری بات:

مذکورہ تفصیلات اِس خیال سے بیان کیں کہ آپس میں انھوں نے جو کچھ ہاتھا پائی کی ہے، اس کا کچھ نمونہ سنا دوں؛ لیکن اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی، جو کچھ ہے

(۱) ۱۹۶۶ء کا قصہ ہے، جامعہ سلفیہ، بنارس میں عربی عالمِ دین شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد کی تعلیمی افتتاح کی غرض سے تشریف آوری ہوئی، اس موقعے پر انہوں نے جامعہ سلفیہ میں عربی خطاب فرمایا اور جامعہ کے کسی استاد نے اردو ترجمانی کی، شیخ شیبۃ الحمد نے خطاب کے دَوران نبیٔ کریم ﷺ کے اپنی قبرِ اطہر میں باحیات ہونے کا تذکرہ کیا، فاضل مترجم نے اس حصے کی ترجمانی میں اپنی فکر شامل کر کے عقیدۂ حیات النبی علیہ السلام کے برعکس بات بیان کی۔
اِس واقعے کے نتیجے میں بنارس کے علمی حلقوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی، جس کے بعد بنارس کے دیو بندی حلقے نے اجلاس کا اہتمام کیا اور اس میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مقدمۂ بہاول پور کے رفیقِ خاص مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر انتہائی مدلل و مفصل بیان فرمایا۔
جلسے کے اگلے روز جامعہ سلفیہ کی بیرونی دیوار پر ایک اعلان چسپاں نظر آیا، جس میں جامعہ کے فاضل استاذ کی غلط ترجمانی اور مذکورہ عقیدے کے متعلق شاذ آراء کے اظہار پر اعترافِ ندامت تھا۔

آپ کے سامنے ہے، اس کو مضبوطی کے ساتھ اپنے ذہن میں رکھیے، مدعی وہ ہیں، دعویٰ ان کا ہے، دلیل ان کے ذمے ہے، مطالبہ ہمارا ہے۔

مطالبہ یہ ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ بہشتی زیور جہنمی زیور ہے یعنی اس کے مسائل کتاب وسنت کے خلاف ہیں، اب آپ دلیل پیش کریں کہ اس کے مسائل فلاں حدیث کے خلاف ہیں، فلاں آیت کے خلاف ہیں، پوری بہشتی زیور کو آپ نے جہنمی زیور کہا ہے، ہر مسئلے کے خلاف آپ کو ایک آیت اور ایک حدیث پیش کرنی ہے۔

اور آپ کہتے ہیں کہ ہم کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہیں، آپ کے دعوے کے خلاف، آپ کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے، ہم نے آپ کو کچھ نمونے دیے ہیں، یہ آپ کی کتاب کے مسائل ہیں، اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کی دلیل پیش کیجیے، آپ کہتے ہیں کہ ہم وہی اہلِ حدیث ہیں جن کے متعلق کتابوں میں اہلِ حدیث کا لفظ آتا ہے، تو اس کی تعریف بتائیے؟ یہ ہمارا مطالبہ ہے۔

ہماری طرف سے، دائیں بائیں، اِدھر اُدھر سے چھوٹے بڑے اشتہارات نہیں آئیں گے، اور ۶/ جون کے بعد ۱۸/ جولائی کو، یعنی ایک مہینہ ۱۲/ دن انتظار کر کے یہ مختصر سا جلسہ رکھا ہے، ہم پھر مہلت دیتے ہیں، آپ پھر غور کر لیں، سب کو بلا لیں اور دلائل مہیا کر کے تحریری طور پر ہم کو دے دیں، یا پھر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر جو جھوٹی تہمت لگائی ہے، اس کے متعلق توبہ نامہ شائع کریں، اور کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین.

❁❁❁

تحفظِ سنت اور عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مئی ۲۰۰۳ء میں حضرت مولانا متین الحق اُسامہ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ اہتمام ''تحفظِ سنت اور عظمتِ صحابہ'' کے عنوان سے کان پور میں ایک اہم اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں حضرت والا دامت برکاتہم نے موضوع کی مناسبت سے یہ خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحفظِ سنت اور عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً. أَمَّابَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَاتَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّھُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَھُمْ.[1]

وَقَالَ علیہ السلام: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ، تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ.[2]

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب العلم، باب فيمن سبّ أصحاب النبي ﷺ: ٥/٦٩٦، رقم: ٣٨٦٢، ط: مكتبة البابي الحلبي، مصر ١٩٧٥ء.

(۲) مسند أحمد، مسند الشاميين: ٢٨/٣٧٥، رقم: ١٧١٤٥، ط: مؤسسة الرسالة ٢٠٠١ء.

صدرِ محترم، بزرگانِ ملت، علمائے کرام، نوجوان ساتھیو! آج کے اس عظیم الشان اجلاس کا عنوان ''تحفظِ سنت اور عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' ہے، یہ دونوں عنوانات ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو جوڑ دیا ہے، میں نے ابھی آپ کے سامنے دو روایتیں پڑھی ہیں، پہلی حدیث آپ کثرت سے جمعہ کے خطبے میں سنتے رہتے ہیں، ذیل میں اِس کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سند:

ہمیشہ ہر دور کے اندر ہر مسلک کے علماء اور خطباء نے جمعہ کے اہم ترین خطبے کا اس حدیث کو جزو لازم بنایا ہے، اِس کی وجہ اِس حدیث کی اہمیت ہے، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

> ''''اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ'' میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تاکید کے ساتھ دو مرتبہ ارشاد فرمایا: ''اللہ اللہ'' میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ ''لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ'' میرے بعد ان کو نشانہ مت بنانا، یعنی ان کے ساتھ طعن وتشنیع اور گستاخی کا معاملہ نہ کرنا۔ ''فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ'' کیوں کہ جو ان سے محبت کرے گا، وہ میرے ساتھ محبت ہونے کی بنا پر ان سے محبت کرے گا۔ ''وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ'' اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھے گا''۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے؛ لہٰذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص ایک طرف محبت رسول اور اتباع سنت کا دعویٰ کرنے میں سچا ہو، اور دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدگمانی اور بدکلامی کا ارتکاب کرے۔ یہ سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ دنوں بعد ہی جب اسلام میں نئے نئے فرقوں کا ظہور ہوا اور مختلف فتنوں کا آغاز ہوا، تو اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان مابہ الامتیاز یہی چیز تھی کہ کس جماعت کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا نظریہ ہے۔

کسی جماعت کے حق پر ہونے کا معیار:

ہمارے استاذ گرامی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۹۲۰ء) کے شاگرد رشید فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے، اور انھوں نے مسندِ حدیث کو رونق بخشی، وہ حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے حامل اور ترجمان تھے۔ وہ بار بار فرمایا کرتے تھے: آج بھی کسی جماعت کے حق پر ہونے نہ ہونے کا معیار یہی ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ اس جماعت کا نظریہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا ہے۔

قرنِ اوّل میں جو جماعتیں وجود میں آئیں، ان میں ایک خوارج کی جماعت بھی تھی، جو عشرۂ مبشرہ؛ بلکہ خلفائے راشدین میں سے حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قریب ترین ساتھی خلیفہ ثالث وخلیفہ رابع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے، ان کے سخت ترین مخالف تھے، اسی طرح محبت اہلِ بیت کے نام پر جو جماعت وجود میں آئی، وہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور چند صحابہ کو چھوڑ کر جن کو انھوں نے خود نامزد کیا ہے، بقیہ تمام خلفائے راشدین اور صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا نظریہ انتہائی گندہ اور خطرناک تھا، اِس کی وجہ وہی بیان کردہ معیار ہے۔

زمانے کے بدلنے کے بعد اور لمبے وقفے کے بعد کچھ اور نئی جماعتیں وجود میں آئیں، جن کا ٹائٹل بدلا ہوا ہے، دعویٰ بدلا ہوا ہے، عنوان بدلا ہوا ہے؛ لیکن نظریات کے اعتبار سے یہ خارجیت کے انتہائی قریب ہیں؛ اسی لیے ہمارے اکابر نے بہت صاف لفظوں

میں کہا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق غلط عقیدہ رکھنا خارجیتِ جدیدہ ہے، اور ایسے نظریات والی جماعتیں خارجیت کی نئی شکل ہیں، ان خارجیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، پیشین گوئی فرمائی تھی، تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے، اپنے دین کو ان کے دین کے مقابلے میں حقیر جانو گے، لیکن یہ قرآن پڑھیں گے، اور ان کا قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، نہ سینے میں اترے گا اور نہ قبولیت کے لیے آسمان پہ جائے گا۔[1] خوارج نے اپنا نام ''اصحاب العدل والتوحید'' رکھا تھا کہ ہم توحید کے علم بردار ہیں، ہم عدل کے علم بردار ہیں؛ لیکن امت نے بالاتفاق ان کو خارجی کہا تھا۔

الغرض! نام رکھ لینے اور اچھا ٹائٹل لگا لینے سے کوئی جماعت حق پر نہیں ہو جاتی، یہ دیکھنا پڑے گا کہ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقدس جماعت کے حوالے دین کیا، اس پر اعتماد کا اظہار فرمایا، اور جن کے واسطے سے ہم تک دین پہنچا، ان کے بارے میں اس جماعت کا نظریہ کیا ہے؟ اس کا عمل کیا ہے؟ اس کے اکابر کیا کہتے ہیں؟

امانتِ خداوندی صحابہ کے حوالے ہوئی:

قارئینِ کرام واقف ہوں گے کہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا الفاظ ارشاد فرمائے ہیں؟ کس اعتماد کا اظہار فرمایا ہے؟ یہ حدیث تو بہت مشہور ہے کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ایک سوال فرمایا تھا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ اے لوگو! کیا میں نے دین پہنچا دیا؟ اللہ کی طرف سے جو دین میرے حوالے ہوا تھا اور جس کے بارے میں حکم ہوا تھا۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين وقتالهم، باب قتال الخوارج: ۴۸۲/۱۳، رقم: ۶۹۳۱، ط: مركز الشيخ الندوي، مظفرفور، أعظم جراه. ۲۰۱۱ء.

﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (۱)

''اے رسول! آپ کے اوپر آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا اس کو پہنچادیجیے''۔

تو رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ کیا یہ دین میں نے تم تک پہنچادیا؟ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عظیم مجمع نے، جو اس وقت تک عرفات میں جمع ہونے والے مجمع میں سب سے بڑا مجمع تھا، بیک زبان یہ اقرار کیا کہ:

نَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ.

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا، آپ ﷺ نے امانت کو ادا کردیا، آپ ﷺ نے خیر خواہی کا حق ادا کردیا''۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ کو گواہ بنایا:

اَللّٰهُمَّ اِشْهَدْ. اَللّٰهُمَّ اِشْهَدْ. اَللّٰهُمَّ اِشْهَدْ. (۲)

اے اللہ! تو گواہ رہ۔ یہ پورا مجمع اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ میں نے وہ دین جو تو نے مجھے دیا، امت کے حوالے کردیا۔

پھر ایک ذمہ داری آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کی، اور فرمایا:

أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ مِنْكُمْ. (۳)

''سنو! جو دین میں نے تمہارے حوالے کیا ہے، اس دین کو ان لوگوں تک پہنچاؤ کہ جن تک یہ نہیں پہنچ سکا ہے، جو یہاں موجود نہیں ہیں''۔

یہ امانت اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے حوالے فرمائی، اس لیے قیامت تک جتنے بھی ایمان والے اس دنیا میں آئیں گے اور جن کا یہ دعویٰ ہوگا کہ ہمارے پاس وہ دین ہے

---

(۱) سورة المائدة: ٦٧.

(۲) صحيح مسلم، باب حجة النبي ﷺ: ۲/۸۸٦، رقم: ۱۲۱۸.

(۳) صحيح البخاري، باب حجة الوداع: ۸/۵۸۰، رقم: ٤٤٠٦.

جو اللہ کے نبی ﷺ لے کر آئے تھے، وہ سارے کے سارے اس مقدس جماعت کے ممنونِ احسان ہیں، جن کے حوالے اللہ کے رسول ﷺ نے اس دین کو کیا تھا۔

حضور ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو عقیدہ، عمل، ورع وتقویٰ، اخلاق، عبادات، اعمال، معاملات، ہر اعتبار اور ہر چیز میں اپنا پرتو اور اپنا نمونہ بنایا، وہ ہر چیز اور ہر معاملے میں حضور ﷺ کے پرتو اور نمونہ تھے، اور ان میں سے متعدد حضرات نمایاں شان کے حامل تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ سے مشابہت:

ایک صاحب نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا طور طریقہ کیا تھا؟ چوں کہ وہ خیر کا دور تھا، ہر ایک کو یہ شوق تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے طریقہ زندگی کو، آپ کے معمولات کو جانیں، سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔ وہ خود بھی صحابی تھے جن سے پوچھا گیا؛ لیکن ان کا جواب دیکھیے، انھوں نے فرمایا: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو؟ کہا: جی۔ فرمایا کہ پھر ایک کام کرو کہ:

> ''جب وہ صبح گھر سے نکلیں، تو تم ان کے ساتھ ہو جاؤ، اور ان کے ایک ایک عمل کو، ایک ایک نقل وحرکت کو غور سے دیکھو، وہ کیسے چلتے ہیں؟ کیسے اٹھتے ہیں؟ کیسے بیٹھتے ہیں؟ کیسے باتیں کرتے ہیں؟ کیسے نمازیں پڑھتے ہیں؟ کس طرح مسجد میں داخل ہوتے ہیں؟ کس طرح نکلتے ہیں؟ ان کے ایک ایک عمل کو غور سے دیکھو، اور جو عمل ان کا دیکھو یہ سمجھ لو کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے؛ کیوں کہ كَانَ أَقْرَبَ النَّاسِ هَدياً وَدَلّاً وَسَمْتًا بِرَسُوْلِ اللهِ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ''.(۱)

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے لیے آئیڈیل بنایا ہے؛ اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ

(۱) صحيح البخاري، باب الهدي الصالح: ١٢/ ١٦٠، رقم: ٦٠٩٧.

نے ارشاد فرمایا ہے:

رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَارَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ.(۱)

مسند بزار کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میں نے اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرلی، جس کو میری امت کے لیے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کرلیا''۔

آنکھ بند کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد کا اظہار فرمایا، بغیر کسی قید کے، ہر عمل کے اندر، ہر قول و فعل میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میری امت کے لیے جو پسند کریں، وہ میں نے اپنی امت کے لیے پسند کرلیا۔ یہ سند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، اب اگر اس کے بعد کوئی بد بخت یہ کہتا ہے کہ صحابی کا فعل حجت نہیں، صحابی کا فہم حجت نہیں، صحابی کا قول حجت نہیں۔(۲) تو وہ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتماد کو ٹھیس پہنچارہا ہے۔

بعض صحابہ کے خصوصی امتیازات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان دین کو تقسیم فرمایا، پھر ان میں سے بعض کو بعض اوصاف کے اعتبار سے اور بعض کو علوم کے اعتبار سے امتیاز حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ. رحمت، رحمۃ للعالمین کی خاص صفت تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل پرتَو تھے، لیکن صفت رحمت ان میں خاص نمایاں تھی، فرمایا: میری امت کے اندر میری امت کے حق میں سب سے زیادہ رحم دل

---

(۱) مسند البزار، مسند عبداللہ بن مسعود رضي الله عنه: ۳۵۳/۳، رقم: ۱۹۸۶، ط: مكتبة العلوم والحكم، المدينة الطبعة الأولى.

(۲) علمائے اہلِ حدیث کی کتابوں میں اِس قسم کے جملے ملتے ہیں، دیکھیے: العرف الجادي من جنان هدي الهادي: ص۴۱-۵۸۔

ابوبکر ہیں۔ وَأَشَدُّهُمْ فِيْ دِيْنِ اللهِ عُمَرُ. دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ. صفت حیاء میں سب سے بڑھے ہوئے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ. قضا اور فیصلے کے اندر سب سے ماہر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ. کتاب اللہ کے بہترین قاری اُبی بن کعب ہیں۔ وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ. حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ. علم فرائض اور علم میراث کے سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں"۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِسْتَقْرِءُوْوا الْقُرآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ.

"قرآن چار لوگوں سے پڑھو: اُبی بن کعب، عبد اللہ بن مسعود، سالم مولیٰ حذیفہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم"۔ (۲)

جیسے وہ قرآن پڑھیں وہی میرا پڑھا ہوا ہے، قرآن ان سے سیکھو۔ کیا یہ سب دین نہیں ہے؟ یہ دینی علوم نہیں ہیں؟ یہ دینی احکام نہیں ہیں؟

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک فرد کو ایک ایک ملک کے لیے، ایک ایک علاقے کے لیے دین کا ذمہ دار بنا کر بھیجا، اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو علاقوں کا حاکم اور معلم بنا کر بھیجا، یمن ہمیشہ سے جنوبی اور شمالی حصوں میں بٹا ہوا ہے، آج بھی جنوبی یمن اور شمالی یمن کہلاتا ہے، اس زمانے میں بھی یمن کے دو حصے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علاقے کا ذمہ دار حضرت

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ: ۱/۱۰۷، رقم: ۱۵۴، ط: دارالرسالة العالمية، ۲۰۰۹ء.

(۲) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار: ۷/۵۷۸، رقم: ۳۸۰۶.

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنایا اور ایک علاقے کا ذمہ دار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بنایا[1] اور ان کے فہم واجتہاد پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا اور سندِ توثیق عطا فرمائی۔

اجتہاد ناگزیر ہے:

جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن روانہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ مشایعت کے طور پر رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاذ! ہوسکتا ہے کہ جب تم لوٹ کر یمن سے مدینہ آؤ تو مجھ کو نہ پاؤ، آپ سمجھ رہے تھے کہ میرا وقت آچکا ہے، اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں آپ نے بھیجا تھا، اس خبر کا جو اثر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اوپر ہونا چاہیے تھا وہ ہوا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، صدمے سے بے حال ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرلیا، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قدم رُکے نہیں تھے، کتنی محبت تھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے! یہ جانتے ہوئے کہ یہ آخری ملاقات ہے، اور ہمیشہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو رہا ہوں، لیکن دین کی ذمہ داری دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا تھا، تو ان کے قدم نہیں رُکے تھے۔

اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

”كَيْفَ تَقْضِيْ يَا مُعَاذُ؟ معاذ! یہ بتاؤ کہ تمہارے سامنے معاملات آئیں گے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ انھوں نے فرمایا: أَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللهِ. یارسول اللہ! اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ یعنی سب سے پہلے اس کا حکم کتاب اللہ میں تلاش کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللهِ جو معاملہ تمہارے سامنے پیش ہو، اگر اس کا حکم قرآنِ پاک کے اندر نہ ملے تو کیا کروگے؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ. عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، آپ کے طریقے اور آپ

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث أبي موسى ومعاذ إلى اليمن قبل حجة الوداع: ٤٨٥/٨، رقم: ٤٣٤١.

کے قول وفعل میں اس کا حکم تلاش کروں گا، اور اس کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اگر میری سنت میں، میری حدیث میں بھی اس کا حکم نہ ملا، تو کیا کرو گے؟ قَالَ: أَجْتَهِدُ بِرَائِيْ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں اپنی رائے سے خوب محنت کر کے حکم کو تلاش کرنے کے لیے اجتہاد کروں گا۔ اجتہاد کے معنی آتے ہیں: صحیح فیصلے اور حکم تک پہنچنے کے لیے پوری محنت صَرف کر دینا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى. اللہ کا شکر ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی، جس سے اللہ کا رسول راضی ہے، خوش ہے"۔ (۱)

زبانِ رسالت سے اجتہاد کی توثیق:

یہاں رُک کر ذرا تھوڑی دیر کے لیے اس حدیث کے مضمون پر غور کر لیجیے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں ہے، صرف قرآن اور حدیث حجت ہے۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی خبر نہیں تھی؟ سب سے پہلے تو آپ ﷺ نے سوال فرمایا کہ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْهَا اس سے معلوم ہوا کہ ایسے بھی مسائل سامنے آئیں گے جن کا حکم نہ کتاب اللہ میں ملے گا نہ سنتِ رسول اللہ میں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ. (۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأي في القضاء: ۳/۳۰۳، رقم: ۳۵۹۲.

(۲) موطأ مالك، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر: ۲/۸۹۹، رقم: ۳، ط: دار إحياء التراث، بيروت ۱۹۸۵ء.

''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں تم اس وقت تک گمراہ نہیں ہوگے جب تک کہ ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھوگے، ایک کتاب اللہ اور ایک سنتِ رسول اللہ۔ جب تک ان دونوں کو تھامے رکھوگے، تم گمراہ نہیں ہوگے''۔

لیکن کیا اس روایت کا یہ مقصد تھا کہ سارے احکام صراحتاً کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں مل جائیں گے؟ کیا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا علم نہیں تھا؟ وہ نہیں جانتے تھے؟ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوال فرمارہے ہیں کہ اگر تم کو کتاب اللہ میں حکم نہیں ملا تو کیا کروگے؟ سنتِ رسول اللہ میں حکم نہ ملا تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کہہ دینا چاہیے تھا کہ یارسول اللہ! آپ نے تو فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں ایک کتاب اللہ اور ایک سنتِ رسول اللہ، یہ تیسری چیز کہاں سے آگئی؟ لیکن انھوں نے فرمایا کہ میں اجتہاد کروں گا۔ اور وہ صحابی ہیں، انھوں نے یہ بات کہاں سے لی؟ صحبتِ رسول میں اس بات کو سیکھا، منشأ نبوت کو سمجھا اور پھر اسی پر بس نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توثیق فرمائی، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی توثیق فرمادی کہ ایسے احکام سامنے آئیں گے کہ جہاں مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی، اور مجتہد کا کام یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی نصوص میں غور کرکے پیش آمدہ مسئلے کے بارے میں حکم شرعی کو دریافت کرنے کی کوشش کرے۔

مجتہد کا اجر زبانِ رسالت سے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمانت دے دی، وعدہ فرمایا اور بشارت دی کہ جو شخص اجتہاد کرے گا، اگر وہ صحیح نتیجے تک پہنچتا ہے تو اس کو دو اجر ملیں گے، اور اگر خطا کرتا ہے تو اس کو ایک اجر ملے گا، وہ گمراہ نہیں ہے، وہ جہنم رسید نہ ہوگا، وہ شیطانی کام نہیں کررہا ہے، وہ قیاس کرکے یا اجتہاد کرکے شیطان کی پیروی نہیں کررہا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.(۱)

یہ ضمانت خود رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت کے یہاں دین کے چار معیار ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس صحیح۔ اجتہادِ امت میں سب سے پہلا درجہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد اور اجماع کا ہے، جس مسئلے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہو جائیں وہ سراپا ہدایت ہے، کیوں کہ اس کو قرآن وحدیث دونوں کی سند ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾(۲)

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، اور ایمان والوں کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرے گا، وہ جس راستے پر جائے گا ہم اسے اس کے اوپر لا دیں گے، اور اس کو ہم جہنم میں داخل کریں گے، اور جہنم بدترین ٹھکانا ہے“۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حجت ہونے کی دلیل ہے؛ اِس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے راستے کے علاوہ راستہ اختیار کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت قرار دیا ہے۔(۳) جب یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت ایمان والے کون تھے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کون سی جماعت تھی جس کو

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام: ۳۴۲/۱۴، رقم: ۷۳۵۲.

(۲) سورة النساء: ۱۱۵.

(۳) روح المعاني، سورة النساء: ۱۴۱/۳، ط: دارالكتب العلمية، بيروت ۱۴۱۵ھ.

مومن کہا گیا؟ اور رسول کی مخالفت کرنے والے کون ہیں؟ رسول کی مخالفت کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے الگ چل رہے ہیں، پھر ان میں وہ معاملات، وہ اعمال، وہ احکام جن پر خلفائے راشدین کے دور میں اجماع ہوگیا، ان سے انحراف تو انتہائی خطرناک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی:

اور اب میں اس جماعت کا اجمالی تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، جو خلفائے راشدین کے اجماعی فیصلے اور ان کے اہم احکامات سے روگردانی کو اپنا امتیاز بنائے ہوئے ہے۔ ابھی روایت گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ لازم پکڑلو میری سنت کو، اور خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں۔ تَمَسَّكُوْا بِهَا اس سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔ وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ اور ڈاڑھ کے دانت سے اس کو دبالو“۔

ڈاڑھ کے دانت سے جو چیز دبالی جائے وہ چھوٹتی نہیں، سامنے کے دانت کی پکڑی ہوئی چیز تو چھوٹ سکتی ہے۔ تَمَسَّكُوْا کے معنی ہیں: مضبوطی سے تھام لو، مزید فرمایا: وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ کہ ڈاڑھ کے دانت سے ان کو دبالو، اور کسی چیز کو ڈاڑھ کے دانت سے اسی وقت پکڑنے کی نوبت آتی ہے کہ جب کوئی مخالف اس چیز کو چھڑانا چاہے، آپ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے ایسے حالات آئیں گے کہ خلفائے راشدین کی سنت کو چھوڑنے والی کوئی جماعت ہوگی، کچھ حالات پیش آئیں گے، اس لیے آپ فرما رہے ہیں کہ خواہ بادِ مخالف کے تیز جھونکے چل رہے ہوں یا طوفان وحوادث کی یلغار ہورہی ہو؛ مگر تمہاری گرفت سے خلفائے راشدین کی سنت چھوٹنی نہیں چاہیے۔

اور خلفائے راشدین کی سنتیں ابھی میں آپ کو بتاؤں گا؛ لیکن اس سے پہلے ایک وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ وہ جماعت جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتی

ہے، اور حقیقت میں وہ غیر مقلد ہے، لامذہب ہے، ان کے نزدیک خلفائے راشدین کی سنت حجت نہیں ہے، ان کے سامنے جب اس حدیث کو پیش کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین کی سنت سے مراد وہ سنتیں ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق ہوں، جو آپ کی سنت کے مطابق ہوں اور صحابۂ کرام وخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی جن سنتوں کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا، اور آپ کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں ہے وہ اس کا مصداق نہیں ہیں۔

اس موقع پر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ آپ کے نزدیک حجت کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ؟ یہ بتائیے کہ یہ کتاب اللہ جو ہمارے پاس موجود ہے، جس کو ہم کتاب اللہ کہتے ہیں، قرآنِ پاک کہتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں: کتاب اللہ کو اور اپنی سنت کو، تو کیا یہ قرآن موجودہ شکل میں اللہ کے رسول ﷺ چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے؟ نہیں، قرآن تو جمع ہی نہیں ہوا تھا۔

قرآن کی موجودہ شکل میں خلفائے راشدین کا کردار:

طریقہ یہ تھا کہ جب قرآنِ پاک کی کوئی آیت نازل ہوتی، تو اللہ کے رسول ﷺ کاتبینِ وحی میں سے کسی صحابی کو بلاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد یا فلاں سورہ کے بعد لکھ لو۔ حکم کے مطابق وہ آیت مختلف چیزوں پر لکھ لی جاتی تھی، کبھی چمڑے کے کسی ٹکڑے پر، کبھی درخت کی چھال پر، کبھی کسی پتلے پتھر کے اوپر، کبھی درخت کے پتے پر، اس زمانے میں جتنی چیزیں لکھنے کے کام آتی تھیں ان پر لکھ لیا جاتا، اور وہ مخطوطے مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔(۱) حضور ﷺ کی وفات ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا:

---

(۱) علوم القرآن: ص۱۷۸-۱۷۹.

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝﴾ (۱)

''اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے''۔

اس لیے اس کا تو کوئی خطرہ نہیں تھا کہ قرآن کی کوئی آیت ضائع ہو جائے گی، محو ہو جائے گی، اللہ کی طرف سے وعدہ ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی ہے، پردہ فرمایا ہے، تو قرآن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مخطوطوں کی شکل میں تھا۔

قرآن کی سات قرأتیں تھیں: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلىٰ سَبْعَةِ أَحْرُفٍ(۲) عرب کے مختلف قبیلے تھے، جس طرح ہندوستان میں اردو زبان ہے، اور حیدرآباد والوں کا لب ولہجہ الگ ہے، لکھنؤ والوں کا الگ ہے، دہلی والوں کا الگ ہے، پھر بھی سب کی زبان اردو کہلاتی ہے؛ لیکن بولنے کا انداز الگ ہوتا ہے، اسی طرح عرب کے سات قبیلوں کی جو فصیح عربی تھی، ان سب میں قرآنِ پاک پڑھنے کی اجازت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات میں اسی پر عمل رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یمامہ کے مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کے خلاف جہاد کیا گیا، اس میں صحابۂ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعداد شہید ہوئی، اس میں ستّر حفاظ بھی شہید ہوئے، جو پورے قرآن کے حافظ تھے۔

یہاں ایک بات تو یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآنِ پاک یکجا نہیں تھا، بل کہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس کے مختلف حصے مخطوطے کی شکل میں محفوظ تھے۔ دوسری بات یہ کہ جب ستّر قراء شہید ہو گئے، اس دور میں حفاظ کو قرّاء کہا جاتا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

---

(۱) سورة الحجر: ۹.

(۲) صحيح البخاري، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف: ۲۷۱/۱۰، رقم: ٤٩٩٢.

”اے خلیفۂ رسول! ستر حفاظ جنگ یمامہ میں شہید ہو چکے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ ”قرآن کو ایک جگہ جمع کرلیا جائے۔“ اب آگے کی گفتگو سنیے، یہ سنانا چاہتا ہوں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس درخواست پر کہ ”قرآنِ پاک کو ایک جگہ جمع کرلیا جائے“ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے خلیفۃ الرسول! یہی بہتر ہے، یہی بہتر ہے۔ بار بار اصرار کرنے لگے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے کو کھول دیا اور انھیں شرحِ صدر ہو گیا۔

اب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، جو کاتب وحی تھے، اور قاریٔ قرآن بھی تھے، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے پوری بات نقل کی کہ عمر آئے، انھوں نے مجھ سے یہ کہا کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرلیا جائے، تو میں نے یہ عذر کیا کہ ”جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ میں کیسے کروں؟“ لیکن وہ اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا، میں مطمئن ہو گیا۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی کی کتابت کرتے تھے، تم کو لکھنا آتا ہے، تم امانت دار ہو، طاقت ور ہو، جوان ہو، تمہارے ذمہ یہ خدمت لگائی جاتی ہے کہ جہاں جہاں قرآن لکھا ہوا ہے، سب کو اکٹھا کرو، اس کو ایک جگہ لکھو، اب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ. آپ لوگ وہ کام کیسے کریں گے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا؟ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ أَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ. حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کہتے رہے کہ یہی بہتر ہے، یہی بہتر ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سینے کو کھول دیا، وہ متفق ہو گئے، اور قرآن کو جمع کرلیا گیا“۔(۱)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اس کی نقلیں تیار کر کے جہاں جہاں تک

(۱) سنن الترمذي، باب: ومن سورة التوبة: ٢٨٣/٥، رقم: ٣١٠٣. صحيح البخاري، باب جمع القرآن: ٢٦١/١٠، رقم: ٤٩٨٦.

اسلام پہنچا تھا، ان ممالک کے اندر اس کو بھیجا گیا،[1] یہ مصحفِ عثمان ہے، جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع کیا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نقل کیا گیا، اور اپنے طور پر لوگوں نے جو کچھ لکھ رکھا تھا، وہ سب ختم کر دیا گیا۔

یہ عمل کس کا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے، اور اس روایت میں صراحت ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے۔ اب بتائیے کہ یہ سنت خلفائے راشدین ہے، یا سنتِ رسول ہے؟ اگر سنت خلفائے راشدین کا مطلب یہ ہے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس کے بعد خلفائے راشدین نے اسے کیا ہو، تو یہ ہمارے پاس موجودہ شکل میں جو قرآنِ پاک ہے، یہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی فیصلے سے ایک جگہ جمع کیا گیا ہے، اور آپ کے بقول سنتِ خلفائے راشدین نہیں ہے، تو اسے بھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے، پھر کیوں تسلیم کر بیٹھے ہیں؟

اور اگر موجودہ قرآن تسلیم نہیں ہے اور قرآن اسی شکل میں چاہیے، جس شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تھا اور جس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے، تو تلاش کرو اُن نوشتوں کو، جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چھوڑ کر گئے تھے، اور اس صورت میں قرآن ہاتھ سے نکل جائے گا۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾[2] یہ اللہ کا برپا کیا ہوا نظام ہے، جس اللہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر قرآن نازل فرمایا، اسی اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے کو کھولا اور ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ قرآن کو جمع کریں۔ یہ اللہ کے وعدۂ حفاظت کا ایک جز ہے۔

ایسے ہی احادیث کے تمام مجموعے: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف،

---

(۱) إرشاد الساري: ۷/۴۴۹.

(۲) سورة الحجر: ۹.

ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابنِ ماجہ شریف، مسند احمد بن حنبل، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابنِ ابی شیبہ، بیہقی، دارقطنی، طبرانی اور کنز العمال وغیرہ حدیث کی کتابیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ہاں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے طور پر کچھ حدیثیں جمع کر رکھی تھیں۔

اگر اسی پر اصرار ہے کہ قرآن اور احادیث کو جس شکل میں رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، صرف معتبر وہی ہے، تو احادیث کے یہ سارے مجموعے جو بعد میں وجود میں آئے ہیں، موجودہ شکل میں ان مجموعہائے احادیث کی آپ کے نزدیک کیا حیثیت ہوگی؟ حالاں کہ ان کے مستند ہونے میں شک نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ احادیث قرآن کا بیان ہیں، قرآن کی شرح ہیں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ذمہ داری دی تھی:

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (۱)

”قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے؛ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس قرآن کو بیان کریں“

اس کی وضاحت کریں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، اور آپ نے جو بیان کیا ہے انہی کا نام احادیث طیبہ ہے۔جس طرح قرآن محفوظ ہے اسی طرح قرآن کا بیان بھی محفوظ ہے؛ لیکن بیان کا کام رسول اللہ ﷺ سے لیا گیا اور اس کی حفاظت کا کام اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لیا، تابعین سے لیا، فقہاء ومحدثین سے لیا۔ الغرض! اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بداعتمادی کی جائے گی تو پورا دین ہاتھ سے نکل جائے گا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سنتِ نبوی ﷺ:

عرض کیا گیا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو، قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ؀﴾ (۲)

(۱) سورة النحل: ٤٤.
(۲) سورة النساء: ١١٥.

”جو رسول کی مخالفت کرے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، اور مومنین کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرے تو اس نے جو راستہ اختیار کیا اسے ہم اس کے اوپر لادیں گے، اور اس کو ہم جہنم میں داخل کریں گے، اور جہنم بُرا ٹھکانہ ہے“۔

اگر چہ یہ منافقین کا عمل ہے، کفار کا عمل ہے، لیکن ظاہری شکل کے اعتبار سے بعد میں آنے والی بعض جماعتیں بھی اس پر چل پڑی ہیں۔

خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ وہ راستہ ہے، جو انہوں نے اپنے اجماعی فیصلے سے اختیار فرمایا؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ایک جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح جاری فرمائی، ہمارے نزدیک وہ سنت ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ.

”یعنی میری سنت کو بھی لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑو“۔

بد بخت ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ بدعتِ عمری ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو سنت کا نام دیں، اور آپ کی امت کا کوئی فرد یہ کہے کہ یہ عمر کی بدعت (۱) ہے! (نعوذ بالله من ذٰلك) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلىٰ لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ. (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. (۳)

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے“۔

---

(۱) بعض غیر مقلدین علماء نے تراویح کو بدعتِ عمری فرمایا ہے۔ (سبل السلام: ۳۴۵/۲، ط: دارالحدیث، القاهره)

(۲) مسندأحمد، مسند عبدالله بن عمر: ۵۳/۲، رقم: ۵۱۲۳.

(۳) سنن الترمذي: ۶۱۹/۵، رقم: ۳۶۸۶.

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے پر برملا تنقید:

اور ایسا نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دباؤ اور دبدبے کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہوجائیں اور غلط بات کو مان لیں؛ کیوں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی رائے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اتفاق نہیں ہوتا تھا، تو برملا اس کا اظہار کردیا کرتے تھے۔ مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بہت زیادہ مہر باندھنا مناسب نہیں ہے، انھوں نے فرمایا:

أَلَا لَاتُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ؛ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ.

”لوگو! بہت بھاری مہر مت باندھا کرو، مہر اتنا باندھو جس کو ادا کیا جاسکے؛ کیوں کہ اگر اونچا مہر باندھنا تقوے کی بات ہوتی اور دنیا میں لوگوں کے اندر عزت کی بات ہوتی، تو اللہ کے نبی اس کے زیادہ حق دار تھے“۔

مَاعَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ نَكَحَ شَيْئًا مِّنْ نِّسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِّن بَنَاتِهِ عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَّةً. (۱)

”میں نہیں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج میں سے کسی کا یا صاحب زادیوں میں سے کسی کا نکاح چار سو اسّی یا پانچ سو درہم سے زیادہ پر کیا ہو“۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی ایک مقدار متعین کردی جائے، اس سے زیادہ مہر باندھنے کی اجازت نہ ہو، یہ سن کر مجمع میں سے ایک عورت بولی:

اے خطاب کے بیٹے! اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ (۲) کہ اگر تم نے مہر میں اپنی بیوی کو سونے کا ڈھیر بھی دے

(۱) سنن الترمذي، أبواب النكاح: ۳/۴۱۴، رقم: ۱۱۱۴.
(۲) سورة النساء: ۲۰.

دیا ہے اور اس کے بعد موافقت نہ ہو، طلاق کی نوبت آجائے تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو۔ اللہ تعالیٰ تو سونے کا ڈھیر فرمارہے ہیں، تم کون ہو اس کی تحدید کرنے والے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت صحیح کہہ رہی ہے، میں اپنی بات واپس لے رہا ہوں۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے ہیں، تو مجمع عام میں اعلان فرماتے ہیں کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں، لوگوں نے مجھ کو یہ ذمہ داری سونپی ہے، اگر میں کوئی غلط فیصلہ کروں تو مجھ کو ٹھیک کر دینا، مجمع میں سے ایک اعرابی کھڑا ہو کر تلوار دکھلاتا ہے اور کہتا ہے کہ عمر اطمینان رکھو! اگر تم غلط راستے پر چلو گے تو ہم تلوار کی نوک سے تمھیں ٹھیک کر دیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کا شکر جس نے مجھے اس رسول کی امت میں پیدا کیا، جس کا ایک فرد عمر کی غلطی کو تلوار کی نوک سے ٹھیک کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ (۲)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کسی کے دباؤ میں آنے والے نہیں تھے؛ لہٰذا ان کے اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم اور یہ فیصلہ صحیح ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح باجماعت کا اہتمام فرمایا، اس سے پہلے نماز تراویح کے باجماعت ادا کرنے کا کوئی نظام نہیں تھا، پھر ساری امت بیس رکعت باجماعت ادا کرنے پر متفق ہوگئی اور چاروں ائمہ کے یہاں بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہے، کسی مسلک کے اندر بیس سے کم نہیں ہے، (۳) حرمین شریفین میں بھی بیس رکعت تراویح ہوتی ہے۔ (۴)

جمعے کی پہلی اذان بھی سنت ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت سے پہلے جمعہ کے دن صرف خطبے کی اذان ہوتی

---

(۱) مصنّف عبدالرزاق، باب غلاء الصداق: ٦/٢٥٤، رقم: ١١٢٦٦.

(۲) الزهد والرقاق لابن المبارك: ١/١٧٩، رقم: ٥١٢.

(۳) المغني لابن قدامة: ٢/٦٠٤.

(۴) کرونا وائرس کی بنا پر ۲۰۲۰ء میں لگنے والے عالم گیر لاک ڈاؤن کے بعد سے حرمین میں دس (۱۰) رکعات تراویح کی بدعت شروع ہوگئی ہے، جس میں آٹھ (۸) اور بیس (۲۰) میں سے ہر دو قسم کی روایات واحادیث کی خلاف ورزی ہے۔

تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پنج گانہ نماز کی طرح جمعہ کے دن بھی اذان کا آغاز فرمایا، کبارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، سب نے اس سے اتفاق کیا، اجماعِ امت ہوگیا، شریعت کا جز بن گیا،[1] کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن غیر مقلدین کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بھی قابلِ اختیار نہیں۔ بتلایئے ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ہے یا نہیں؟ صحابہ کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرنے کا انجام آیت کے اگلے حصے میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح تمام ائمہ متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین مانی جائیں گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اس مسئلے کے بارے میں وضاحت نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی شمار کی جائیں گی۔ کیا یہ حرام وحلال کا فیصلہ سیاسی فیصلہ ہوسکتا ہے؟ عورت نکاح میں ہے یا ختم ہوگیا نکاح؟ رجعت کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یہ حلال وحرام کا مسئلہ ہے، سیاسی فیصلہ نہیں ہے، اور کسی ایک فرد نے مخالفت نہیں کی، ساری امت کا اجماع ہوگیا، ائمہ اربعہ متفق ہیں، تمام محدثین متفق ہیں؛[2] مگر یہ جماعت کہتی ہے کہ نہیں، ہم نہیں مانیں گے۔

قارئین! یہ صرف قراءت خلف الامام اور رفع یدین کا اختلاف نہیں ہے۔ پورا دین ہاتھ سے چھوٹ رہا ہے، پورا دین ہاتھ سے نکل رہا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعتماد اٹھنے کے بعد پھر دین پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

ایک غیر مقلد کی حقیقت بیانی:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ واقعہ

---

(۱) البحر الرائق معه منحة الخالق: ۲/۱٦۸، إرشـاد السالـك: ص ۲۷، حاشية القليوبي: ۱/۱٤۹، الشرح الكبير: ۱/۱۸۸.

(۲) سبل السلام: ٦/۱٦۷.

سنایا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک غیر مقلد عالم آیا کرتے تھے، متاثر ہوئے، کہنے لگے: مجھے بیعت کر لیجیے۔ حضرت نے فرمایا: یہ بیعت توبہ جو ہمارے علماء کے درمیان متعارف ہے، آپ کے یہاں رائج نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: نہیں، میری خواہش ہے، آپ مجھے بیعت کرلیں۔ آپ نے توبہ کرادی، بیعت کرلیا۔ (بیعت فقط گناہوں سے توبہ، آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد ہے)، کچھ دن کے بعد کہنے لگے: حضرت! میرا جی چاہتا ہے کہ میں حنفی بن جاؤں۔ ہم اور آپ ہوتے تو کہتے جزاک اللہ، ماشاء اللہ! تشریف لایئے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت اور تقویٰ کو دیکھیے، حضرت نے فرمایا: اگر دیانتاً آپ کی تحقیق بدل گئی ہو، اور آپ اپنے مسلک کے مقابلے میں دیانتاً اور علماً مسلکِ احناف کو اَقرب الی الحدیث سمجھتے ہیں، تو اپنے شوق سے آپ حنفی ہوجایئے؛ لیکن اگر آپ کے نزدیک آپ کا پہلا مسلک زیادہ صحیح ہے اور صرف میری رعایت کی وجہ سے آپ حنفیت اختیار کرنا چاہتے ہیں، تو میں مشورہ نہیں دوں گا، یہ دیانت داری کے خلاف ہے، غور کر لیجیے! البتہ ایک بات کہتا ہوں، اس کو پلو سے باندھ لیجیے، کہ صحابۂ کرام، ائمہ مجتہدین اور اسلاف امت کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی سے پرہیز کیجیے۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: وہ غیر مقلد عالم تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے، اس کے بعد سر اٹھا کر کہنے لگے: حضرت! آپ نے تو ہمارے مذہب کی جڑ ہی کاٹ دی، ہمارے مسلک کی بنیاد ہی ان دو چیزوں پر ہے:

(۱) اسلاف سے بدگمانی (۲) اسلاف کے بارے میں بدزبانی

یہ فروعی مسائل کا معاملہ نہیں ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے، تو تمہاری نماز نہیں ہوگی، یہ تو چور دروازہ ہے اس صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے، جن حضرات کے واسطے سے دین ہم تک پہنچا ہے، ان کے راستے سے ہٹا کر معلوم نہیں کس راستے پر ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نے صحابۂ کرام سے دین کو سیکھا، ائمہ مجتہدین سے دین کو سیکھا اور

آج دین کو ایسا بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے وہ حدیث کے اوپر کلام کرنے لگے، مسائل کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے اور ائمۂ مجتہدین، صحابہ اور محدثین سب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

عمل کے ذریعے سنت کی حفاظت:

صدرِ کلام میں ذکر کردہ روایت: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. کے ضمن میں آپ کے سامنے دو باتیں رکھنی ہیں:

نمبر ایک یہ کہ ہماری پوری زندگی کے اندر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت زندہ ہونی چاہیے۔

اور دوسرا وہ مسئلہ تھا جس پر گفتگو کی گئی؛ اس لیے دو لفظوں میں مَیں یہ گزارش کروں گا کہ ''تحفظِ سنت'' یعنی سنت کی حفاظت ہم اپنے عمل سے کریں، اور ''عظمتِ صحابہ'' کا تقاضا بھی یہی ہے؛ کیوں کہ سنت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جان سے زیادہ عزیز رکھا ہے، اس کی خاطر انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ اور سنت صرف نماز کی نہیں؛ بلکہ ہماری معاشرت، ہماری تجارت، ہماری تقریبات، ہماری وضع قطع، ہمارے اخلاق، ہمارے گھریلو رہن سہن اور ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت نمایاں ہونی چاہیے۔

جتنا نور گھٹے گا اتنی ہی ظلمت آئے گی، جتنی سنت زندگی سے نکلے گی اتنی بدعت و گمراہی آئے گی، اس گمراہی اور ظلمت کو مٹانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، کہ ہم دین کو اس کی اصلی شکل کے ساتھ اپنی زندگی میں زندہ کریں، جس میں اعمال کے ساتھ ساتھ اخلاق، معاملات، معاشرت ساری چیزیں شامل ہیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❀❀❀

عورتوں کا طریقۂ نماز

کسی موقع سے شہر بنارس میں گھروں کے اندر عورتوں کی اجتماعی اصلاحی نشستوں کا نظم تھا، جس میں مختلف گھروں کی خواتین اکٹھا ہوتی تھیں، ان اصلاحی مجلسوں میں بعض غیر مقلد عورتوں نے مرد و عورت کی نماز میں فرق پر نکیر کی اور دیگر خواتین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ شریعت میں عورتوں اور مَردوں کی نمازوں کا طریقہ ایک ہے، جس کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم نے جامعہ اسلامیہ، بنارس کے سہ ماہی مجلّے ''ترجمان الاسلام'' میں یہ علمی و تجزیاتی مقالہ تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورتوں کا طریقۂ نماز

اسلامی نظامِ حیات میں عورتوں اور مَردوں کی صنفی خصوصیات اور ان کے تقاضوں کے لحاظ سے دونوں کے حقوق وفرائض اور مسائل واحکام میں نمایاں طور پر فرق وامتیاز کی رعایت کی گئی ہے، یہ فرق صرف طرزِ معاشرت، اُمورِ خانہ داری، تربیتِ اولاد اور گھریلو ذمہ داریوں تک ہی محدود نہیں ہے؛ بل کہ ہر شعبے میں اس کی بھرپور رعایت کی گئی ہے، حتیٰ کہ اسلامی نظامِ حیات کے بنیادی شعبہ عبادات میں بھی عورتوں کی صنفی خصوصیات کے پیشِ نظر ان کے لیے مَردوں سے الگ احکام ہیں۔ بالخصوص دو اہم فرائض حج اور نماز میں یہ امتیاز بہت ہی نمایاں اور ہر قدم پر محسوس ہونے والا ہے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کا کوئی باشعور مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارا اصل موضوعِ گفتگو عورتوں کا طریقۂ نماز اور بالخصوص سجدے کا طریقہ ہے؛ لیکن اس گفتگو سے پہلے بعض ایسے امتیازات کی طرف اشارہ کر دینا مفید ہوگا جن سے شریعت کے اُس مزاج کا اندازہ ہوگا کہ وہ عورت کے لیے اپنے ہر حکم میں تستر اور پوشیدگی کو پسند کرتی ہے اور عورتوں کے جسمانی خدوخال کی نمائش کو پسند نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں نماز سے متعلق مَردوں اور عورتوں کے درمیان چند مسلم اور غیر متنازع فیہ امتیازات پر نظر ڈال لی جائے۔

مَردوں اور عورتوں کے درمیان غیر متنازع فیہ امتیازات:

(۱) مَردوں کے لیے نماز باجماعت میں حاضری اس قدر تاکیدی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے اُن لوگوں کے مکانوں میں آگ لگا دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا جو اذان سننے کے باوجود جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔ (۱)

دوسری طرف عورتوں کی حاضری مَردوں کی اجازت پر موقوف رکھی گئی۔ (۲)

(۲) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب عورتیں جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو نماز ختم ہونے کے بعد عورتیں جلدی سے مسجد سے باہر آجاتی تھیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے، جب عورتیں چلی جاتیں اُس کے بعد حضور ﷺ اٹھتے پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اٹھتے۔ (۳)

(۳) مَردوں کے لیے نماز باجماعت کی فضیلت تنہا نماز کے مقابلے میں ۲۷ رگنا یا ۲۵ رگنا ہے۔ اور عورتوں کے لیے اپنے مکان کی کوٹھری میں چھپ کر تنہا نماز ادا کرنا مسجدِ نبوی میں امام الانبیاء ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے مقابلے میں کئی درجہ افضل ہے۔ (۴)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو؛ لیکن تمھارا اپنے گھر کے کمرے میں نماز ادا کرنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اپنے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا اپنے احاطے میں نماز ادا کرنا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، حضرت عبداللہ بن سوید انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا نے اپنے کمرے کے اندرونی

---

(۱) صحيح البخاري: ۸۹/۱، رقم: ٦٥٧.

(۲) صحيح البخاري: ۱۱۹/۱.

(۳) سنن الترمذي: ۷۱/۱.

(۴) صحيح البخاري: ۸۹/۱.

حصے میں نماز کے لیے ایک جگہ بنالی، اور اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ (۱)

اس کے علاوہ متعدد احکام میں یہ فرق نمایاں ہے، مثلاً: مرد کے لیے سب سے افضل صفِ اوّل ہے اور عورت کے لیے سب سے افضل سب سے پچھلی صف ہے۔ (۲) ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا؛ لیکن مقتدی اگر تنہا عورت ہو تو وہ مرد کے پیچھے ہی کھڑی ہوگی خواہ محرم ہی کیوں نہ ہو، (۳) مرد کو نماز میں لقمہ یا تنبیہ کی ضرورت پیش آئے تو وہ سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے گا؛ لیکن عورت زبان سے کچھ نہ کہے گی، صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر تالی بجادے گی۔ (۴) مرد اگر ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ چھپا کر نماز ادا کرلے تو بہ کراہت نماز ادا ہوجائے گی؛ لیکن عورت کا سر بھی کھلا رہ گیا تو نماز نہ ہوگی۔ (۵)

عورتوں اور مَردوں کے احکام میں یہ امتیازات کتبِ احادیث سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کے لیے محتاجِ بیان نہیں ہیں، عورتوں اور مَردوں کے طریقۂ نماز میں جو امتیاز ہے وہ عین تقاضائے شریعت کے مطابق ہے، اور اس کی نظیر ہر قدم پر ملے گی۔

نماز میں عورت کا جسم پوری طرح چھپا رہنا چاہیے:

اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عورتوں کو اِس طرح نماز ادا کرنے کا حکم ہے جس میں اُن کا جسم پوری طرح چھپا رہے، بدن سمٹا رہے، بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں، جس میں چند باتیں خاص طور پر ملحوظ ہیں:

---

(۱) أخرجه أحمد: ٦/٣٧١، ط: الميمنية، المدينة.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ١/٣٢٦، رقم: ٤٤٠.

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/٣٠٧، زكريا ديوبند.

(۴) مسند أحمد: ٧/٣١٨، رقم: ٧٥٤١.

(۵) الدر مع الرد: ٢/٧٧.

تحریمہ کے وقت عورت کان یا مونڈھے کے بجائے صرف سینے تک ہاتھ اٹھائے گی(۱) اور ہاتھ سینے پر باندھے گی، رکوع میں پورے طور پر جھکنے کے بجائے صرف اتنا جھکے گی جس میں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائے اور بدن کو سمیٹے رکھے گی، (۲) سجدہ اِس طرح ادا کرے گی کہ پورے بدن کو سمیٹ کر زمین سے چپک جائے گی، نہ تو بازو پھیلائے گی، نہ پنڈلیوں کو رانوں سے الگ کرے گی، نہ پیٹ اور ران کے درمیان فاصلہ رکھے گی، جلسے کی حالت میں اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال لے گی۔ (۳)

پھر ان مسائل میں بھی سب سے اہم مسئلہ عورت کے سجدے کا مسئلہ ہے؛ اس لیے ہماری گفتگو کا اصل محور یہی مسئلہ رہے گا۔

جہاں تک تحریمہ کے وقت رفع یدین کی مقدار کا تعلق ہے اس مسئلے میں ہمارے سامنے مندرجۂ ذیل حدیث ہے:

وللطبراني من حديث وائل بن حجر قال لي رسول الله ﷺ: إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها. (۴)

''طبرانی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھالو اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک اٹھائے گی''۔

عورتوں کے لیے ہاتھ سینے پر باندھنا اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ اِس میں عورتوں

(۱) معجم الكبير للطبراني: ۱۹/۲۲، رقم: ۲۷، ط: ابن تيمية، القاهرة.

(۲) السنن الكبرىٰ، باب من ذكر صلاة وهو في أخرىٰ: ۳۱٤/۲.

(۳) السنن الكبرىٰ، كتاب الصلاة: ۳۱٤/۲، رقم: ۳۱۹۸، ۳۱۹۹، ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

(۴) المعجم الكبير للطبراني: ۱۹/۲۲، رقم: ۲۷.

کے لیے ستر زیادہ ہے۔ [۱]

اصل مسئلہ ہے سجدے کا طریقہ اور جلسے وقعدے میں سدل یعنی دونوں پیروں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا۔

عورت کے طریقۂ سجدہ پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق:

اِس بارے میں جب ہم نے مختلف مسالکِ فقہ کی کتابوں کا جائزہ لیا تو حیرت انگیز اتفاقِ رائے سامنے آیا، اور یہ بات واضح ہوگئی کہ نہ صرف یہ کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے متبعین احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ اِس مسئلے میں متفق ہیں؛ بل کہ سربرآوردہ علمائے اہلِ حدیث بھی اِس مسئلے میں سوادِ اعظم کے ساتھ ہیں، اور سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورت اپنی نماز میں مَردوں سے متعدد اُمور میں مختلف ہے، بالخصوص عورت کا سجدہ مَردوں کے مقابلے میں انتہائی سمٹ سمٹا کر اور زمین سے چپک کر ادا ہوگا۔

ذیل میں ہم ہر مسلک کی مستند کتابوں سے حوالے مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

فقہِ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

والمرأة تنخفض في سجودها وتلزق بطنها بفخذيها لأن ذٰلك أستر لها. [۲]

''عورت اپنے سجدے میں پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکائے رہے گی؛ کیوں کہ اس کے حق میں یہی زیادہ چھپانے والا ہے''۔

---

(۱) السنن الكبرىٰ: ٢/ ٣١٤.

(۲) ہدایہ: ج/۱، ص/۱۱۰۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف، جو ان کے تلمیذ رشید امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے منقول ہے اور فقہِ شافعی کے مستند ترین ماخذ میں شمار کی جاتی ہے، اُس میں عورتوں کے طریقۂ نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قال الشافعي رحمة الله عليه): وقد أدب الله تعالىٰ النساء بالاستتار وأدبهن بذٰلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وأحب للمرأة في السجود أن تضم بعضها إلىٰ بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجد كأستر مايكون لها وهٰكذا أحب لها في الركوع والجلوس وجميع الصلاة أن تكون كأستر مايكون لها وأحب أن يكفت جلبابها و تجافيه راكعة وساجدة عليها لئلا تصفها ثيابها.(۱)

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کے لیے حالتِ سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصے کو دوسرے حصہ سے ملا لے اور اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے اور اِس طرح سجدہ کرے جو اُس کے لیے زیادہ سے زیادہ چھپانے والا ہو، اِسی طرح میں عورت کے لیے رکوع، جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت ایسی ہیئت پر رہے جو اُس کے لیے سب سے زیادہ ساتر ہو، اور میں پسند کرتا ہوں کہ عورت رکوع وسجدے میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے؛ تاکہ کپڑوں سے اُس کے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں''۔

ملاحظہ فرمایئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کس وضاحت اور صراحت کے ساتھ عورت کو

(۱) كتاب الأم للشافعي، كتاب الصلاة، باب كيف السجود: ۱۳۸/۱، ط: دارالفكر، بيروت.

رکوع سجدہ، قعدہ اور پوری نماز میں زیادہ سے زیادہ سمٹ کر اور بدن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ملا کر رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، بالخصوص سجدہ اِس طرح ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ عورت اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے، بدن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ملا لے اور اِس طرح سجدہ کرے جو اُس کے لیے سب سے زیادہ ساتر ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ جن کے مسلک کی بنیاد اکثر اہلِ مدینہ کے تعامل پر ہوتی ہے، اُن کا مسلک فقہِ مالکی کی معروف اور مستند کتاب ''الشرح الصغیر علیٰ أقرب المسالك إلیٰ مذهب الإمام مالك'' کی عبارت میں ملاحظہ ہو:

وندب (مجافاة) أي مباعدة (رجل فيه) أي السجود (بطنه فخذيه) فلايجعل بطنه عليهما (و) مجافاة (مرفقيه و ركبتيه) أي عن ركبته (و) مجافاة (ضبعيه) بضم الباء الموحدة تثنية ضبع، ما فوق المرفق إلى الإبط (جنبيه) أي عنهما مجافاة (وسطا) في الجميع وأما المرأة فتكون منضمة في جميع أحوالها.(۱)

''یعنی مرد کے لیے حالتِ سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں سے علاحدہ رکھنا مطلوب ہے، اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں، بازوؤں اور پہلو کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ سجدہ کرنا مطلوب و مندوب ہے؛ لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی''۔

ملاحظہ فرمایئے کس قدر وضاحت کے ساتھ سجدے کی حالت میں اعضاء کی کشادگی کو مرد کے ساتھ خاص کرتے ہوئے عورتوں کے حق میں سمٹنے کو مندوب و مطلوب ٹھہرایا جارہا ہے۔

(۱) الشرح الصغير علىٰ أقرب المسالك إلى الإمام مالك: ۲۹/۱ و۳۲۸.

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

فقہِ حنابلہ کی مشہور کتاب ''زاد المستقنع''(۱) اور اس کی شرح ''السلسبيل في معرفة الدليل لفضيلة الشيخ صالح بن إبراهيم البليهي'' (طبع ۱۴۰۱ھ) میں مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والمرأة مثله لكن تضم نفسها و تسدل رجليها في جانب يمينها.(۲)

''یعنی عورت بھی مرد کی طرح ہے؛ لیکن اپنے آپ کو سمیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی''۔

پھر اس کی شرح ''السلسبيل في معرفة الدليل'' میں مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله تضم نفسها. عن يزيد بن أبي حبيب أن النبي ﷺ مرّ علىٰ امرأتين تصليان فقال: إذا سجد تما فضما بعض اللحم إلىٰ الأرض. ورواه البيهقي و لفظه فضما بعض اللحم إلى الأرض وروي البيهقي بإسناده قال: قال علي رضي الله عنه: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها.(۳)

---

(۱) علمائے حنابلہ کے نزدیک ''زاد المستقنع'' کا درجۂ استناد کیا ہے اِس کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کے مقدمے کی درج ذیل عبارت کافی ہوگی:

أما بعد! فهٰذا مختصر في الفقه من مقنع الإمام الموفق أبي محمد علىٰ قول واحد وهو الراجح في مذهب أحمد: ۱/۱۵.

یہ کتاب ''زاد المستقنع'' امام موفق ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''المقنع'' کا مختصر ہے، اس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا صرف ایک قول لیا گیا ہے، جو اُن کے مذہب کا راجح قول ہے۔

(۲) زاد المستقنع في اختصار المقنع، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٦، ط: دارالوطن، الرياض.

(۳) السلسبيل في معرفة الدليل: ص۱۱۹.

''مصنف کا یہ قول کہ عورت اپنے آپ کو سمیٹے رہے گی اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا ایسی دو عورتوں کے پاس سے جو نماز پڑھ رہی تھیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم سجدہ کرو تو گوشت (یعنی بدن) کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملالیا کرو؛ کیوں کہ عورت اس سلسلہ میں یعنی طریقۂ نماز میں مردوں کے مانند نہیں ہے۔ اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں کہ: تم دونوں گوشت (یعنی بدن) کا کچھ حصہ زمین سے لگا دیا کرو اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو سمیٹ لے''۔

حنابلہ کے راجح مسلک پر مبنی کتاب ''زاد المستقنع'' اور اس کی شرح ''السلسبیل'' کی عبارت اِس سلسلے میں بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ عورت کا طریقۂ سجود مرد سے الگ اور ممتاز ہے، عورت مرد کی طرح کشادہ سجدہ نہیں کرے گی؛ بل کہ اِس طرح سمٹ کر سجدہ کرے گی کہ اُس کے بدن کا گوشت زمین سے لگ جائے اور خود بدن کا ایک حصہ دوسرے حصے سے مل جائے۔

یہاں تک ائمۂ اربعہ کے مذاہب دربارۂ سجود حوالے کے ساتھ پیش کر دیے گئے، جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ عالمِ اسلام میں رائج مقبول اور متداول چاروں فقہی مذاہب اس مسئلے میں کلی طور پر متفق ہیں کہ عورت کی نماز کا طریقہ مرد سے الگ ہے بالخصوص عورت کا طریقۂ سجود مرد سے الگ ہے۔ اور وہ ہیئت جو مرد کے لیے ممنوع ہے وہی عورت کے حق میں مطلوب اور مندوب ہے۔ مذاہبِ اربعہ کے اس عام اتفاق کے بعد تقریباً اجماعِ امت جیسی صورت پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لیے عملاً نہ کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، نہ دلائل کے بارے میں زیادہ کھود کرید کرنے کی؛ کیوں کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا معتد بہ قول نہیں ہے۔

لیکن اتمامِ حجت کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اِس مسئلے میں علمائے اہلِ حدیث

کی تصریحات نقل کر دی جائیں، جو اگرچہ خود کو ائمہ کی قید سے آزاد اور تقلید سے بالاتر قرار دیتے ہیں؛ لیکن عملاً ہندو پاک میں مسالکِ اربعہ کی طرح ایک پانچویں فقہی مذہب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کئی ایک مسائل میں امت کے اجماعی عمل سے اختلاف رکھنے کے باوجود عورتوں کی نماز کے بارے میں علمائے اہلِ حدیث بھی امت کے سوادِ اعظم کی ہم نوائی کرتے نظر آتے ہیں۔

اہلِ حدیث:

سرخیل علماءِ اہلِ حدیث الشیخ العلام نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی اپنی مقبول اور مشہور کتاب ''نزل الأبرار من فقه النبي المختار'' میں فرماتے ہیں:

والمرأة ترفع يديها عند التحريم كالرجل وصلاة المرأة كصلاة الرجل في جميع الأركان والآداب إلا أن المرأة ترفع يديها عند التحريم إلىٰ ثدييها ولاتخوى في السجود كالرجل بل تنخفض وتلصق بطنها بفخذيها و إذا حدث حادثة تصفق ولاتكبر والأمة كالحرّة.(١)

''عورت بھی مرد کی طرح تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین کرے گی۔ اور عورت کی نماز مرد کی طرح ہے تمام ارکان و آداب میں، سوائے اس کے کہ عورت تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اپنی چھاتی تک اٹھائے گی اور سجدے میں مرد کی طرح پیٹ کو زمین سے اونچا نہیں رکھے گی؛ بل کہ پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے چپکالے گی اور جب کوئی بات پیش آئے تو لقمہ دینے کے لیے اللہ اکبر نہیں کہے گی؛ بل کہ تالی بجادے گی اور باندی کا بھی وہی حکم ہے جو آزاد عورت کا ہے''۔

---

(١) نزل الأبرار: ٨٥/١.

نزل الابرار کی عبارت دوبارہ؛ بل کہ بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ اس عبارت میں عورتوں کو تحریمہ کے وقت سینے تک ہاتھ اٹھانے، پست سجدہ کرنے اور سجدے کی حالت میں پیٹ کو رانوں سے چپکانے کا حکم کون کر رہا ہے؟ کیا یہ کوئی حنفی عالم ہیں؟ کیا یہ کسی قیاسی فقہ پر مبنی رائے کا فیصلہ ہے؟ یا نبی ﷺ کی فقہ کا ترجمان ایک الشیخ العلام محدث اور اہلِ حدیث عالم کا ارشاد ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس کتاب پر شہر بنارس کے سردار اہلِ حدیث مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی مرحوم کا حاشیہ ہے، مرحوم نے بعض مواقع پر مصنف کی رائے سے اختلاف کیا ہے؛ لیکن اس موقع پر نہ صرف یہ کہ اس مسئلے سے کوئی اختلاف نہیں کیا؛ بل کہ اس کی تائید میں جس درجے کا استدلال ممکن تھا وہ بھی پیش کر دیا؛ چناں چہ نزل الابرار کی اس عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی فرماتے ہیں:

روى ابن عدي عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعًا: إذا سجدت ألصقت بطنها على فخذيها. الحديث، ضعفه، منه.[1]

”ابن عدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے۔ ابنِ عدی نے اِس حدیث کو ضعیف کہا ہے“۔

حدیث سے متعلق گفتگو استدلال کے مرحلے میں کی جائے گی، یہاں صرف اِس بات کا اظہار مقصود ہے کہ مولانا سیف بنارسی نے مسئلے سے اتفاق کرتے ہوئے جس درجے کا استدلال ممکن تھا اُسے پیش کر دیا ہے، خود اپنے مطبع سے کتاب شائع کی اور ہمارے علم میں کسی اہلِ حدیث عالم کی ایسی کوئی تحریر نہیں ہے، جس میں نزل الابرار کی عبارت یا مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کی حمایت کی تغلیط کی گئی ہو، جب کہ کتاب کی اشاعت کو ۸۵ رسال گزر چکے ہیں۔

---

(۱) حاشية نزل الأبرار: ۸۵/۱.

عورتوں اور مَردوں کی نماز میں یہ تفریق اگر مَن مانی تفریق ہے، دین میں اضافہ ہے؛ بل کہ تشریع کی جسارتِ بے جا ہے تو ع

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ممکن ہے کوئی زندہ دل اس وزنی تحریر کو بھی ایک عالم کی انفرادی رائے اور دوسرے عالم کی انفرادی تائید قرار دے کر جماعت کی گلوخلاصی کرنا چاہے تو ہم جاننا چاہیں گے کہ علم وفضل کا وہ کون سا معیار ہے جس پر کھرا اُترنے والا عالم جماعت کی نمائندگی کر سکے، اور اس کے فیصلے کو جماعت کا فیصلہ قرار دیا جا سکے۔

واقعہ یہ ہے کہ عورتوں اور مَردوں کی نماز میں تفریق کا فیصلہ صرف نواب وحید الزماں صاحب کا نہیں ہے؛ بل کہ جماعتِ اہلِ حدیث کے ممتاز اور سر برآوردہ علمائے کرام کا اجتماعی اور متفقہ فیصلہ ہے۔

ہمارے پیشِ نظر ایک مختصر سا رسالہ ہے، جس کا نام ہے ''تعلیم الصلاۃ'' جس کا تعارف ٹائٹل پر ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

''رسالہ تعلیم الصلاۃ جس میں اسلام کے رکنِ اعظم (نماز) کے متعلق تمام ضروری مسائل (جن کا جاننا تمام مسلمان مَردوں اور عورتوں پر لازم ہے) سادہ اور سلیس اردو میں بیان کیے گئے ہیں، من جانب اہلِ حدیث کانفرنس (دہلی) بہ منظوری اراکین مجلسِ شوریٰ، سیّد عبدالسلام صاحب کے مطبع فاروقی دہلی میں چھپی اور دفتر اہلِ حدیث کانفرس دہلی بازار بلی ماران سے مفت تقسیم کرنے کے لیے شائع ہوئی، بلا قیمت پانچ ہزار''۔

اس رسالے کے ص: ۱۴ پر یہ عبارت ہے:

''سجدہ سات عضو پر کرے: ماتھا، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، اور ہر دو قدم (متفق علیہ) سجدے میں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے؛ بل کہ ہتھیلی زمین پر رکھے، اور کہنی اٹھائے رہے، اور درمیان دونوں ہاتھوں کے اتنی کشادگی رہے کہ سفیدی بغلوں کی ظاہر ہو (متفق علیہ) مگر عورت ایسا نہ کرے''۔

مَردوں کے لیے سجدے کا مسنون طریقہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد صاف لفظوں میں صراحت کردی گئی کہ: ''مگر عورت ایسا نہ کرے''۔

سوال یہ ہے کہ ایسا نہ کرے تو کیسا کرے؟ اتنا تو طے ہے کہ مَردوں کی طرح عورت سجدہ نہ کرے، اب اگر وہ طریقہ جو نزل الابرار کے حوالے سے اوپر نقل کیا گیا ہے، یعنی عورت کا زمین سے چپک کر سجدہ کرنا خلافِ سنت ہے، اور مرد کی طرح عورت سجدہ کرے گی نہیں، تو تیسرا طریقہ کون سا ہے؟ کس نے ایجاد کیا؟ کہاں منقول ہے؟ اس کی صراحت ہونی چاہیے تھی؛ اس لیے ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ۱۳۲۸ھ میں نواب وحید الزماں صاحب کی تصنیف اور مولانا ابوالقاسم صاحب سیفؔ بنارسی کے تحشیہ وتائید سے عورتوں کا جو متفق علیہ طریقۂ سجود شائع کیا گیا تھا، ۱۳۳۰ھ میں اہلِ حدیث کانفرس کی مجلسِ شوریٰ میں اسی کی توثیق کی گئی ہے۔

جماعتِ اہلِ حدیث کا اجتماعی فیصلہ:

رسالہ تعلیم الصلاۃ کی تصنیف اگرچہ ۴ ؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ کو ہوئی ہے؛ لیکن اس کی اشاعت ۱۳۳۰ھ میں ہوئی ہے، یعنی نزل الابرار کی اشاعت کے دو برس بعد، ہمارے سامنے ایسی کوئی فہرست موجود نہیں ہے، جس سے معلوم ہو سکے کہ ۱۳۳۰ھ میں اہلِ حدیث کانفرنس کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان کون حضرات تھے؛ لیکن یہ باور کرنا چاہیے کہ جماعتِ اہلِ حدیث کی مرکزی نمائندہ تنظیم کے ارکان معمولی افراد نہ ہوں گے؛ بل کہ علماء، محدثین، مبلغین اور دانش ور حضرات ہوں گے۔ اس مجلسِ شوریٰ کی منظوری سے شائع شدہ رسالہ جو پانچ ہزار کی تعداد میں مفت شائع کیا گیا ہے؛ تاکہ ہر گھر میں پہنچ سکے اور اس کے مطابق عمل کیا جاسکے، اس رسالے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں اور مَردوں کی نماز میں تفریق اور وہ بھی طریقۂ سجود میں امتیاز جماعت کا اجتماعی فیصلہ ہے۔

اِس بات کا اعادہ نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے علم میں ۱۳۳۰ھ کے بعد شائع ہونے والی کوئی ایسی اجتماعی تحریر نہیں ہے جو ۱۳۳۰ھ کے اجتماعی فیصلے کی تنسیخ یا تغلیط کرتی ہو۔

جماعت کی یہ خاموشی اگر اپنے اکابر کی تحریرات اور فیصلوں سے ناواقفیت اور غفلت کی بنا پر ہے تو قابلِ افسوس ہے۔اور اگر مصلحتاً چشم پوشی کی جا رہی ہے تو اس کی توجیہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں: یا تو وہ حضرات جو عورتوں کے اجتماعات کے ذریعے اور اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے عورتوں کے رائج طریقۂ سجود کو خلافِ سنت کہتے نہیں تھکتے وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں اور کھلے لفظوں میں اعتراف کرلیں کہ بلاشبہ عورتوں اور مَردوں کی نماز میں فرق ہے،عورتوں کو مَردوں کی طرح سجدہ کرنا درست نہیں، انھیں سمٹ کر سجدہ کرنا چاہیے،تحریمہ کے وقت ہاتھ سینہ تک اٹھانا چاہیے اور قعدے وجلسے میں دونوں پیر دائیں جانب نکال کر بیٹھنا چاہیے؛ کیوں کہ یہی بات تمام مسلک کے علماء نے لکھی ہے، یہی حکم ''نزل الابرار من فقہ النبی المختار'' میں اہلِ حدیث عالم نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی نے دیا ہے،اسی کی تائید مولانا ابوالقاسم صاحب سیفؔ بنارسی نے کی ہے۔

اور اسی فرق کی طرف ''تعلیم الصلاۃ'' نامی رسالے میں اشارہ کیا گیا ہے،اِس طرح اس اعلان کے بعد کسی اور کی تقلید نہیں؛ بل کہ اہلِ حدیث کانفرنس کے متفقہ منشور اور فقہِ اہلِ حدیث پر مبنی کتاب کی تصریح پر عمل ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ اور ۱۳۳۰ھ تک کے علماءِ اہلِ حدیث کے مختار طریقے کو چھوڑ کر الگ روش اختیار کی جائے ان سب کو عورتوں اور مَردوں کی نماز میں مَن مانی تفریق، دین میں اضافہ اور تشریع کی جسارت کا مجرم قرار دے دیا جائے،یعنی جو زبان بے چارے احناف کے سلسلے میں استعمال کی جاتی تھی وہی ائمۂ ثلاثہ: نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی،مولانا ابوالقاسم صاحب سیفؔ بنارسی،نواب صدیق حسن

خان صاحب بھوپالی اور اراکینِ مجلسِ شوریٰ اہلِ حدیث کانفرنس دہلی کے بارے میں بھی رَوا رکھی جائے، اب یہ فیصلہ کرنا اہلِ حدیث عوام کا کام ہے کہ وہ موجودہ دَور کے علماءِ اہلِ حدیث کی تقلید کرتے ہیں یا نزلِ الابرار، تعلیم الصلاۃ اور اس کے ہمنوا علمائے اہلِ حدیث کی، اپنے بارے میں وہ جو بھی فیصلہ کریں؛ لیکن اتنا کرم ضرور کریں کہ دوسروں کے بارے میں ٹانگ اَڑانا چھوڑ دیں۔ بطور شاہد ایک اور حوالہ پیشِ خدمت ہے۔

بطورِ شاہد ایک اور حوالہ:

''المغني لابن قدامه'' حنبلی مسلک کی بڑی مستند اور معتبر کتاب ہے، اس کتاب کا جو نسخہ ہمارے پیشِ نظر ہے وہ سعودی عرب کے مقتدر علمی و تحقیقی ادارہ ''إدارۃ البحوث العلمیة والإفتاء والدعوۃ والإرشاد'' کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس ادارے کے سربراہِ اعلیٰ سعودی عرب کی اعلیٰ ترین علمی شخصیت سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ ہیں، جن کا علم بہت وسیع ہے، واقف کار حضرات جانتے ہیں کہ اگر ان کے نزدیک دلائل کی بنیاد پر کوئی بات ثابت ہو تو وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، اور کسی کے اختلاف کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، عقیدے کے لحاظ سے مضبوط سلفی ہیں، مسلکاً ان کو کسی مخصوص جماعت سے وابستہ قرار نہیں دیا جا سکتا؛ اس لیے دارالافتاء کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتابوں کو ان کی سرپرستی کی وجہ سے کم از کم اس جماعت کے نزدیک کسی حد تک درجۂ استناد حاصل ہونا چاہیے جو ان سے حسنِ تعلق اور حسنِ عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ اس تمہید کے بعد ''المغني لابن قدامه'' سے زیرِ بحث مسئلے سے متعلق ایک عبارت نقل کی جا رہی ہے، متن کی عبارت ہے:

> مسئلة: قال: والرجل والمرأۃ في ذٰلك سواء إلا أن المرأۃ تجمع نفسها في الرکوع والسجود وتجلس متربعة أوتسدل رجلیها فتجعلها في جانب یمینها.

’’مسئلہ:(علامہ ابوالقاسم الخرقی صاحب مختصر نے) فرمایا کہ: مرد وعورت اس سلسلے میں ایک جیسے ہیں سوائے اِس کے کہ عورت اپنے آپ کو رکوع وسجود میں سمیٹے رہے گی اور قعدے میں چارزانو بیٹھے گی یا اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی‘‘۔

اِس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابنِ قدامہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الأصل أن يثبت في حق المرأة من أحكام الصلاة ما يثبت للرجال لأن الخطاب يشملها غير أنها خالفتة في ترك التجافي لأنها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون أستر لها فإنه لايؤمن أن يبدو منها شيء حال التجافي وذلك في الافتراش. قال أحمد: والسدل أعجب إليّ واختارها الخلال. قال علي رضي الله عنه: إذا صلت المرأة فلتخفز ولتضم فخذيها وعن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يأمر النساء أن يتربعن في الصلاة.(۱)

’’اصل یہ ہے کہ عورتوں کے لیے نماز کے وہی احکام ثابت ہیں جو مرد کے لیے ہیں؛ کیوں کہ حکمِ شرعی کے مخاطب دونوں ہیں؛ لیکن عورت ترکِ تجافی میں مَردوں کی مخالفت کرے گی، یعنی عورت کشادہ سجدہ نہ کرے گی، وجہ یہ ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے؛ لہٰذا اس کے لیے اپنے آپ کو سمیٹے رہنا مستحب ہوگا، جس سے اس کا جسم خوب اچھی طرح مستور رہے؛ کیوں کہ کشادہ سجدہ کرنے کی صورت میں اندیشہ رہتا ہے کہ اُس کے بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوجائے۔ اور یہ کشادگی افتراش میں ہوتی ہے (یعنی پیر کھڑا کرکے بیٹھنے کی صورت میں؛ اس لیے عورت اِس طرح نہ بیٹھے)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سدل یعنی عورت کا دونوں پیر دائیں جانب نکال کر بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اور امام خلال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب عورت نماز ادا کرے تو سمٹ کر نماز پڑھے،

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۱/۵٦۲، ط: ۱٤۰۱ھ.

اور اپنی رانوں کو ملالے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: وہ اپنے گھر کی عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھیں''۔

اب تک کے حوالوں سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ قرنِ اوّل سے چودھویں صدی کے اوائل تک عالمِ اسلام میں رائج تمام فقہی مکاتب کے متبعین اور ابتدائی دَور کے علمائے اہلِ حدیث بھی اِس مسئلے میں متفق تھے کہ عورتوں اور مَردوں کے طریقۂ نماز میں فرق ہے بالخصوص طریقۂ سجود اور طریقۂ قعود میں، حوالے کی عبارتوں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان علمائے اعلام نے اس فرق کی بنیاد اس اصول پر بھی رکھی ہے کہ شریعت میں عورتوں کے جملہ احوال میں تستر اور پوشیدگی مطلوب ہے، اور اس تستر کا تقاضا یہ ہے کہ عورت رکوع وسجود اور ہیئتِ جلوس میں مَردوں سے الگ طریقہ اختیار کرے۔

یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ان ائمۂ اعلام اور علمائے کرام کے پیشِ نظر وہ روایات بھی ہیں جن میں مَردوں کو چوپایوں کی طرح حالتِ سجود میں زمین پر کلائی بچھانے سے صراحتاً منع کیا گیا ہے، وہ روایات بھی پیشِ نگاہ ہیں جن میں سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن ان سب کے باوجود یہ اکابر عورتوں کے لیے نہ تو ہاتھ بچھانے کو منع فرماتے ہیں، نہ سجدہ میں کشادگی کا حکم دیتے ہیں؛ بل کہ اس کے برخلاف اِس طرح سمٹ کر سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ جس میں سات ہڈیوں کا گوشت بھی زمین سے لگ جائے، [1] اسی طرح مَردوں کی ہیئتِ جلوس کی جگہ سدل یا تربع کا حکم دیتے ہیں، جو بہر حال مَردوں سے الگ طریقہ ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں کے ضمن میں بعض آثار اور روایات کا بھی ذکر ہے؛ لیکن اندازِ بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ عورتوں کا یہ طریقۂ نماز ایک متداول اور طے شدہ معمول

(۱) اِس سلسلے میں المغنی لابن قدامہ کی عبارت بہت صریح ہے۔ (المغنی: ۱/ ۵۶۲)

کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، اور روایات کو مدارِ استدلال کے طور پر نہیں؛ بل کہ شاہد کے طور پر پیش فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''سننِ کبریٰ بیہقی''، ''مراسیل ابوداوٗد''، ''مصنف ابنِ ابی شیبہ''، ''کنز العمال''، ''السلسبیل''، ''المغنی لابن قدامہ'' اور ''نزل الابرار'' وغیرہ میں جو روایاتِ مرفوعہ، آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین پیش کیے ہیں، اُن میں سے بعض کی تضعیف کے باوجود نفسِ مسئلہ میں اپنی رائے پر قائم ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں عورتوں کے لیے کشادگی کے ساتھ سجدہ کرنے کا نہ کوئی باب قائم کیا نہ کوئی روایت ذکر کی۔ ابنِ ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں ''المرأة تكون في سجودها'' کا عنوان قائم کر کے ۶/آثار نقل کیے ہیں اور وہ سب عورتوں کے پست سجدے سے متعلق ہیں، ایک قول یا اثر بھی مرد کی طرح سجدہ کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ مولانا ابوالقاسم صاحب سیفؔ بنارسی ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مقطوع نقل کر کے اس کی تضعیف بھی نقل فرما رہے ہیں؛ لیکن نفسِ مسئلہ میں صاحبِ نزل الابرار سے اختلاف نہیں فرماتے اور صاحبِ نزل الابرار سجدہ کا بعینہٖ وہی طریقہ بیان فرما رہے ہیں، جو احناف اور دیگر اربابِ مذاہبِ فقہ کے یہاں منقول ہے۔

اس لیے ہماری اس معروضات کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ عورتوں کے لیے پست سجدہ کرنے کے باب میں جو روایتیں منقول ہیں اُن میں فلاں روایت ضعیف ہے اور فلاں مرسل ہے؛ بل کہ یہ نشان دہی بھی ضروری ہوگی کہ ان کے بالمقابل وہ کون سی روایات ہیں جن میں صراحتاً عورتوں کو مَردوں کی طرح رکوع وسجود اور قعدہ وجلسے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ روایتیں ہماری شاہد روایات وآثار سے قوی نہ ہوں، ان کے برابر ہی درجے کی ہوں؛ بل کہ ان سے بھی ضعیف اور کم درجے کی ہوں؛ لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو ہمیں عرض کرنے دیجیے:

(۱) کسی مسئلے کے ثبوت میں اگر متعدد روایات اور آثار موجود ہوں وہ فرداً فرداً

اگر ضعیف بھی ہوں تب بھی اُن کے مجموعے سے تعددِ طرق اور کثرتِ آثار کی بنیاد پر یہ ثبوت ملتا ہے کہ اس کی اصل موجود ہے، یہ اصول تمام محدثین نے قبول کیا ہے، حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۱) اور خود صاحبِ تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (۲) کے یہاں کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے۔

(۲) کسی مسئلہ میں اگر مستدل ضعیف ہو؛ لیکن اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا مستدل سرے سے موجود ہی نہ ہو تو یہ ضعف چنداں مضر نہیں ہوتا۔

نامور اہلِ حدیث عالم مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''اہلِ حدیث امرتسر'' میں فرماتے ہیں:

> ''حدیث کا ضعف اسے درجۂ استدلال سے اُس وقت گراتا ہے جب اُس کے مقابل حدیثِ صحیح موجود ہو''۔ (۳)

قائلینِ عدمِ تفریق کا استدلال اور اُس کا جواب:

جو حضرات عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں کسی بھی تفریق کے قائل نہیں ہیں اُن کی طرف سے بطور استدلال ہمارے علم میں تین چیزیں آئی ہیں:

(۱) وہ روایات جن میں مردوں کے لیے سجدہ کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے یا سجدے میں ہاتھ بچھانے سے منع فرمایا گیا ہے، اِسی طرح وہ حدیث جس میں حکم ہے:

''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ''.

---

(۱) فتح الباري شرح صحيح البخاري، باب الجهر بالقراءة في الكسوف: ۵۵۰/۲، ط: دارالمعرفة، بيروت، ۱۳۷۹ھ.

(۲) تحفة الأحوذي، أبواب الصلاة: ۳۷۲/۲، أبواب النذور والأيمان: ۱۰۳/۵، ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

(۳) اہلِ حدیث امرتسر: ص/۱۳، ۴/مارچ ۱۹۳۸ء۔

(۲) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول:

تفعل المرأة في الصلاة كما يفعل الرجل.(۱)

''عورت نماز میں اسی طرح عمل کرے جیسے مرد کرتا ہے''۔

(۳) اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) کا عمل:

إنها كانت تجلس في صلاتها جلسة الرجل وكانت فقيهة.(۲)

''اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقیہہ تھیں''۔

اِس سلسلہ میں ہماری طرف سے مندرجہ ذیل معروضات پیش ہیں:

(۱) جہاں تک اُن روایات کا تعلق ہے، جن میں عام خطاب کے ذریعے نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، یا بعض ہیئتوں سے منع کیا گیا ہے، اُن کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ابتدائی صفحات میں درج حوالوں سے یہ بات آشکارا ہو چکی ہے کہ جمہور علماء نے ان احادیث اور روایات کو بظاہر عام ہوتے ہوئے بھی عموم پر محمول نہیں کیا ہے؛ بل کہ عورتوں کو زیرِ بحث ارکانِ صلاۃ میں مستثنیٰ قرار دیا ہے، اپنی کتابوں میں ان عام روایات کو ذکر کرنے کے باوجود عورتوں کے لیے مخصوص طریقہ ذکر کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہمیشہ عمومِ خطاب کی بنا پر کسی تفریق کو روا نہ رکھنا صحیح نہیں ہوتا، احکامِ شرع کا جائزہ لینے سے ایسے بہت سے مسائل سامنے آئیں گے جہاں خطاب اگرچہ عام ہے؛ لیکن عورتوں کو اس خطاب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، بطورِ مثال حج کے متعدد مسائل پیش کیے جا سکتے ہیں، مثلاً: تلبیہ میں رفعِ صوت کا حکم عام ہے؛ لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ تلبیہ پست آواز سے کہتی ہیں،(۳) طواف میں رمل واضطباع

---

(۱) صفة صلاة النبي ﷺ: ۱۸۹، ط: مكتبة المعارف، الرياض.

(۲) التاريخ الصغير للبخاري: ص ۹۵.

(۳) معرفة السنن والآثار، كتاب المناسك، باب تلبية المرأة وإحرامها: ۱۳۹/۷، رقم: ۹۵۸۵، ط: جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي، مجلة البحوث الإسلامية: ۲۷۱/۷۲، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض.

کا حکم خطاب عام کے ذریعے ہے؛ لیکن عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں،(۱) سعی بین الصفا والمروہ کے وقت میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کا حکم عام ہے؛ مگر عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔(۲)

اس استثناء کی دونوں صورتیں ہوتی ہیں کہیں خطاب عام کے بعد عورتوں کو الگ طریقۂ عمل کی ہدایت دی گئی ہے جیسا کہ عورتوں کے سجدے کے باب میں منقول ہے اور کہیں عورتوں کے تستر کا لحاظ کرتے ہوئے اصولاً ان کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مجتہدین اور علماءِ اعلام نے عمومی خطاب کے باوجود عورتوں کو الگ انداز اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ: ”عورت ویسا ہی عمل کرے جیسا مرد کرتا ہے“ ایک مجمل قول ہے۔ اوّل تو نماز میں رکوع، سجود، تحریمہ اور جلسے کے علاوہ اکثر ارکان میں عورتوں اور مَردوں کے عمل میں کسی کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے؛ اس لیے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق انھیں ارکان سے ہوگا۔

دوسرے اِنھیں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برخلاف عورت کے لیے تستر کے ساتھ پست سجدہ کرنے کی صراحت منقول ہے، جو جمہور کے موافق ہے؛ اس لیے پہلے قول سے استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔

(۳) جہاں تک ام الدرداء کا عمل ہے تو اوّل تو یہی طے شدہ نہیں ہے کہ یہ اُمّ الدرداء کبریٰ (صحابیہ) ہیں یا اُم الدرداء (تابعیہ) ہیں۔ دوم ان کے اس عمل کا تعلق صرف ہیئتِ جلوس سے ہے، ہیئتِ سجود میں عدمِ تفریق کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

---

(۱) أحكام الاضطباع والرمل في الطواف مع الهوامش: ص۲۹۷، ط: الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة.

(۲) شرح العمدة في بيان مناسك الحج والعمرة لابن تيمية: ۴۷۸/۲، ط: الحرمين، الرياض.

سوم حدیثِ مرسل تک کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے باوجود ایک خاتون (صحابیہ یا تابعیہ) کے ذاتی عمل سے استدلال کچھ زیب نہیں دیتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ بیان خود اشارہ کر رہا ہے کہ: عورتوں کا اندازِ نشست مَردوں سے الگ ہے، یہ اُمّ الدرداء کا ایک انفرادی عمل ہے، کہ وہ مَردوں کی طرح نماز میں بیٹھتی تھیں ''وكانت فقيهة'' کا جملہ ان کی طرف سے اعتذار بھی ہوسکتا ہے کہ وہ فقیہہ تھیں؛ اس لیے اُن کے عمل پر اعتراض نہ کیا جائے۔

انخفاض وتستر پر دلالت کرنے والی روایات:

گفتگو طویل ہوتی جارہی ہے؛ اس لیے ہم آخر میں صرف وہ روایات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جن میں عورتوں کو سجدے میں انخفاض اور تستر کی تعلیم دی گئی ہے:

۱-روى ابن عدي عن ابن عمر مرفوعًا إذا سجدت ألصقت بطنها على فخذيها، الحديث وضعفه.(۱)

''ابنِ عدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکالے۔ ابنِ عدی نے اِس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے''۔

۲-عن يزيد بن أبي حبيب أن رسول الله ﷺ مرّ على امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضمّا بعض اللّحم إلى الأرض فإن المرأة ليست في ذٰلك كالرجل.(۲)

''حضرت یزید بن حبیب سے (مرسلاً) منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملالیا کرو؛ کیوں کہ عورت اس میں مرد کی طرح نہیں ہے''۔

---

(۱) (مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی) حاشیہ نزل الابرار: ص ر ۸۵۔

(۲) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۲/ ۲۲۳.

۳-حضرت یزید بن ابی حبیب کی مرسل روایت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مراسیل میں نقل کی ہے[1] اور اسی روایت کو حنابلہ نے اپنی کتابوں میں بطور مستدل پیش کیا ہے۔[2]

٤-عن علي رضي الله عنه قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها.[3]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ: جب عورت سجدہ کرے تو سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو ملالے''۔

٥-عن ابن عباس أنه سئل عن صلاة المرأة فقال: تجتمع وتحتفز.[4]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عورتوں کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ عورت مل کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی''۔

٦-عن إبراهيم قال: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها ولتضع بطنها عليهما.[5]

''حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو آپس میں ملالے اور اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے''۔

---

(۱) مراسيل أبي داؤد: ص۸.

(۲) السلسبيل في معرفة الدليل: ۱۱۹.

(۳) مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲٦۹، ط: حیدرآباد، یہی روایت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن الکبریٰ: ۲/۲۲۲ پر نقل کی ہے اور ابنِ قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغني: ۱/٥٦۲ میں بطور شاہد پیش کی ہے۔

(٤) مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲٦۹.

(٥) نفس المرجع.

۷-عن مجاهد أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تضع المرأة.(۱)

''حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اِس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا پیٹ رانوں پر رکھے جیسے کہ عورتیں رکھتی ہیں''۔

۸-عن الحسن قال: المرأة تضم في السجود.

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عورت مل کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی''۔

۹-عن إبراهيم قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولا ترفع عجيزتها ولاتجافي كما يجافي الرجل.(۲)

''حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عورت جب سجدے کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکا لے اور اپنی سُرین اونچی نہ کرے اور مرد کی طرح کشادہ نہ کرے''۔

محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں عورت کے سجدے کے بیان سے فارغ ہو کر اس ہیئتِ جلوس سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں اُمّ الدرداء کے عمل کے علاوہ متعدد اقوال اور آثار نقل فرمائے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کے لیے نماز میں مَردوں کی ہیئتِ جلوس مطلوب نہیں ہے؛ بل کہ اس کی نشست کا طریقہ وہ ہے جو اس مضمون کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے؛ لہٰذا ان آثار وروایات کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہی ہے کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے گی۔

دوسری طرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع اور یزید بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت میں یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

ہمیں یہاں حدیثِ مرسل سے استدلال کی بحث نہیں چھیڑنی ہے اور نہ روایات کی

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲٦۹.

(۲) مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲٦۹ و۱/۲۷۰.

سندوں پر کلام کرنا ہے؛ کیوں کہ ہم یہ بات پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ان اقوال و آثار کو تمام ارباب مسالک نے بطور شاہد اختیار کیا ہے؛ ورنہ نفسِ مسئلہ سب کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے، آخر کے حوالوں میں ۷ پر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھیے، کس قدر صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ:

"مرد کے لیے حالتِ سجدہ میں پیٹ رانوں پر رکھنا مکروہ ہے جیسا کی عورت رکھتی ہے"۔

معلوم ہوا کہ عورت کا حالتِ سجدہ میں ران اور پیٹ کو ملا لینا ایک ایسا معمول تھا کہ اس کے حوالے سے مرد کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

امید ہے کہ اتنی گفتگو کافی ہوگی اور اگر کوئی شخص بہ نظرِ انصاف، مسئلے کا جائزہ لینا چاہے تو علیٰ وجہ البصیرۃ اس رائے سے اتفاق کرے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ

حضرت والا دامت برکاتہم ۳؍فروری ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو جامعہ مرکز العلوم، سونگڑہ، کٹک کے جلسۂ سالانہ میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے، حضرت مولانا جلال صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر، مولانا کے مدرسے ارشد العلوم، کنی پاڑہ، سَبلنگ، کٹک (اُڈیشا) تشریف لے گئے اور یہ مختصر خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين. أما بعد:

مدارس کا رشتہ مدرسہ صفہ سے ہے:

محترم علمائے کرام اور اساتذۂ گرامی قدر! میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ حضرت جلال صاحب زید مجدہ کی دعوت پر تھوڑی دیر کے لیے مدرسے میں حاضری اور مختصر قیام کا موقع مل رہا ہے، ہم لوگ مدرسوں سے تعلق رکھنے والے جب کسی ادارے میں پہنچ جاتے ہیں، چاہے وہ مکتب ہو، چاہے وہ مدرسہ ہو، چاہے وہ جامعہ ہو، تو ایسا لگتا ہے جیسے مچھلی پانی کے اندر آ گئی ہو، فائیو اسٹار ہوٹل، بڑے بڑے پنڈال، آرائش وزیبائش، ان میں ہم مدرسے والوں کے لیے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ہمارا رشتہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی مسجد میں قائم ہونے والے صفہ کے مدرسے سے ہے، جو کچی مٹی کا ایک چبوترہ تھا، اور وہ چبوترہ بھی اس مسجد میں کہ جس میں کھجور کے تنوں کے ستون تھے، کچی مٹی کی دیوار تھی، اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت تھی، اور ان کے اوپر کھجور کے پتوں کا چھاجن پڑا ہوا تھا،[1] یہ بنیاد ہے ہمارے مدرسوں کی۔

(۱) صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب ابتناء مسجد النبي: ۱/۳۷۳، رقم ٥٢٤، فتح الباري ٦/٥٩٥.

اب زمانے کی ترقی، ضروریات کے تقاضے اور اسباب ووسائل کی فراہمی کی بناء پر چاہے مدارس کی ظاہری شکل کچھ بھی ہو جائے، لیکن اگر معنوی وروحانی طور پر ہمارے مدرسوں میں وہ روح نہیں ہے، وہ جان نہیں ہے، وہ جذبہ نہیں ہے، جن پر صفہ کے مدرسے کی بنیاد قائم تھی، تو یہ ساری ترقیاں بے کار ہیں، ان کی کوئی افادیت نہیں ہے، ان کا کوئی نفع نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ صرف نصاب تعلیم کی تکمیل اور بچوں کو حافظ، قاری یا مولوی کی سند دینے کے لیے نہیں قائم کیے جاتے۔

مدارس دین کے قلعے ہیں:

ہم جو کہتے ہیں کہ یہ مدارس دین کے قلعے ہیں، دین کی حفاظت گاہیں ہیں، دینی امانت کا مرکز ہیں، تو اس کی بنیاد یہی ہے کہ ان مدارسِ دینیہ کا رشتہ مسجدِ نبوی اور اس میں قائم مدرسہ صفہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حجروں میں رہنے والے علمائے کرام، جن کے ذمہ مدرسہ کے بہت سے کام ہیں، ان کو جھولا لے کے دَردَر پھرنا بھی ہے، چندہ بھی وصول کرنا ہے، غلہ بھی وصول کرنا ہے، مدرسے کی ضروریات کی تکمیل کرنی ہے، اساتذہ کی تنخواہوں کا بھی نظم کرنا ہے، مطبخ بھی دیکھنا ہے، تعلیم کا نظام بھی چلانا ہے، امتحان بھی لینا ہے، لیکن ان سب کے باوجود اگر ان کے کان میں گونج پہنچتی ہے کہ فلاں جگہ عیسائی اپنا کام کر رہے ہیں تو ساری ضرورتوں کے باوجود بے چین ہو جاتے ہیں، اٹھتے ہیں بیٹھتے ہیں، سر جوڑ کر مشورہ کرتے ہیں اور اپنی طاقت جتنی ہوتی ہے ان فتنوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ مدارس دین کے قلعے ہیں، دین کے قلعہ ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اندر سے بھی یہ مضبوط ہوں، اس میں دین کے سپاہی تیار ہوں اور ہر حملہ آور کا دفاع کیا جائے اور باہر سے بھی مضبوط ہوں۔

قلعہ کس چیز کا ہے؟ ملک فتح کرنے کا نہیں ہے، اقتدار حاصل کرنے کا نہیں ہے، حکومت کرنے کا نہیں ہے، سیاست کا قلعہ نہیں ہے؛ بل کہ یہ دین کی حفاظت کا قلعہ ہے،

یعنی جو دین اللہ کے رسول ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے فرمایا اور ان سے پوچھا:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟

کیا میں نے تم تک دین پہنچادیا؟ کیا میں نے تم تک دین پہنچادیا؟ انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں، یارسول اللہ! آپ نے دین کی امانت ہم تک پہنچادی۔ پھر آپ نے ان کو یہ ذمہ داری دی کہ أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کہ سنو! جو موجود ہے وہ غیر موجود تک دین کو پہنچائے۔(۱)

اس امانت کو انھوں نے منتقل کرنا شروع کر دیا اور نسلاً بعد نسلٍ، یکے بعد دیگرے ایک صدی سے دوسری صدی تک، ایک شہر سے دوسرے شہر میں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتا ہوا دین اور علوم دینیہ کا یہ قافلہ دیوبند پہنچا۔

دارالعلوم دیوبند اسلاف کی امانت ہے:

ایک زمانہ تھا جب مدینہ منورہ علم کا مرکز تھا، پھر کوفہ مرکز بنا، پھر بغداد مرکز بنا، پھر ماوراء النہر کا علاقہ، جو آج روس میں ہے، امام ترمذی، امام بخاری، امام ابوداؤد، صاحب ہدایہ، یہ تمام کے تمام محدثین وفقہاء اسی علاقے کے ہیں، پھر دہلی مرکز بنا، اب دارالعلوم دیوبند علوم اسلامیہ کا مرکز ہے۔

۱۲۸۳ھ = ۱۸۶۶ء دیوبند کی ایک مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک چھوٹا سا مدرسہ جو قائم ہوا،(۲) اور آج دارالعلوم دیوبند کے نام سے دین کی حفاظت اور دین کی خدمت کر رہا ہے، یہ اس پوری امانت کو لے کر آیا ہے، اور الحمدللہ دین کو اس کی اصلی شکل میں، اصلی روح کے ساتھ باقی رکھنے، محفوظ رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے اور آگے بڑھانے کا فریضہ اللہ کی توفیق سے انجام دے رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند ہو

---

(۱) صحيح البخاري باب حجة الوداع ۸/۵۸۰، رقم: ٤٤٠٦.

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۱۵۵-۱۵۷۔

یا وہاں سے فارغ ہوکر نکلنے والے اس کے سپوت اور ابنائے دارالعلوم ہوں، وہ صرف ہندوستان نہیں؛ بل کہ دنیا کے جس گوشے میں بھی گئے، انھوں نے اپنی شناخت بنا کر رکھی، اپنی پہچان بنا کر رکھی، جہاں گئے علم دین کا جھنڈا گاڑا، دین کی حفاظت کی، خود اپنے آپ کو دینی علوم سے آراستہ کیا اور اس کے تقسیم کار بنے، وہ جس جگہ پہنچے وہاں گویا ایک چراغ روشن ہوگیا، جس کی روشنی پھیلنے لگی اور جب روشنی آتی ہے، تو تاریکی خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہے، بدعت نے بوریا بستر گول کیا، فتنوں نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی۔

وقت کا عظیم فتنہ:

اور آج بھی ہمارے یہی علماء ہیں جو چوطرفہ حملوں کا دفاع کررہے ہیں، قادیانیت کا فتنہ ہے، اس کا مقابلہ کررہے ہیں، عیسائیت پھیل رہی ہے، اس کا دفاع کررہے ہیں، اس وقت دین کے نام پر جو سب سے بڑا فتنہ پھیل رہا ہے وہ غیر مقلدیت کا فتنہ ہے، اس نے بڑا خطرناک کام یہ کیا کہ نوجوانوں کے اندر سے اسلاف کے اعتماد کو ختم کردیا ہے کہ نہ محدثین کی ضرورت ہے، نہ فقہاء کی ضرورت ہے، نہ ائمہ کی ضرورت ہے، ہر کندۂ ناتراش کو مجتہد بنا کر کھڑا کردیا ہے کہ قرآن موجود ہے، حدیث موجود ہے، دیکھو اور ان پر عمل کرو، دین کو کھلونا بنادیا، دین کو کھلواڑ بنادیا، بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا، یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔

اور یہ سازش ہے یورپ کی، یورپ کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ علماء، مدارس اور عوام کے درمیان دوری پیدا کردی جائے، یہ ان کا مستقل تجزیہ ہے، انھوں نے طویل غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ برصغیر ہندوپاک کے اندر جو یہاں کے مسلمان دین سے جڑے ہوئے ہیں، اس کی بنیاد کیا ہے؟ اور بھی دنیا میں بہت سے ممالک میں آپ چلے جایئے، عرب ملکوں کے اندر، شام چلے جایئے، لبنان چلے جایئے، عراق چلے جایئے، آپ دیکھ کر پہچان نہیں سکتے کہ یہ مسلمان ہیں، ائمہ اور اساتذہ تک کی داڑھی

صاف ہے، حرم میں جو لوگ جاتے ہیں وہ دیکھتے ہیں، پورے پورے ملک سے آنے والوں میں ایک شخص کے چہرے پر بھی داڑھی نظر نہیں آتی، ان کا رہن سہن بالکل یورپین ہو چکا ہے، انگریزوں جیسی شکل وصورت بن چکی ہے، ان کی گھریلو زندگی بھی اسی انداز کی ہے، جب کہ وہ اسلامی ملک کہلاتے ہیں، اکثریت وہاں مسلمانوں کی ہے۔

ماضی سے انقطاع کی کوشش:

آخر کیا وجہ ہے کہ اس خطے میں، جنوبی ایشیا میں، ہندوستان اور اس کے اطراف میں، مسلمان آج بھی داڑھی ٹوپی والے نظر آرہے ہیں؟ آج بھی یہاں مدرسے کام کر رہے ہیں، وجہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ علماء اپنے اکابر کی امانت کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور عوام علماء کے اوپر انحصار کر رہے ہیں، انھوں نے کہا: کاٹو اس رشتے کو، ختم کردو اس جوڑ کو، اس جوڑ کو ختم کرنے کے لیے سازش کی جارہی ہے۔ ایک طرف ذاکر نائک [1] جیسے لوگوں کو کھڑا کیا، جو کل تک ڈاکٹر تھے، آج مجتہد اعظم بن کر آگئے ہیں، اور دین کے بارے میں رائے زنی کر رہے ہیں، اور ہر نوجوان کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ سوچو! تم ابوحنیفہ کے دین پر چلتے ہو، یا محمد ﷺ کے دین پر؟ تم کوفہ کی نماز پڑھتے ہو یا مدینہ کی نماز پڑھتے ہو؟ یہ چودہ صدیاں گزر گئیں، جتنے بڑے بڑے محدثین، فقہاء گزرے ہیں، وہ سب کے سب کسی نہ کسی امام سے وابستہ تھے، خود علم کے پہاڑ تھے، لیکن ان کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارے پاس سارے کے سارے ذخیرے موجود ہیں، ہمیں کیا ضرورت ہے امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک یا امام احمد کی تقلید کرنے کی؟ اور آج یہ شگوفہ چھوڑا جارہا ہے، یہ فتنہ ہے۔

---

(۱) ذاکر عبدالکریم نائک ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۹۱ء سے تقابلِ اَدیان پر توجہ ومحنت کی، بعد میں مبلّغِ اسلام کی حیثیت سے معروف ہوئے، فی الحال ملیشیا میں مقیم ہیں۔

میں اپنے نوجوانوں سے کہوں گا کہ اس سازش کا شکار نہ ہوں، دین کی سلامتی کا راستہ یہی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے دین کو کتابوں کی شکل میں نہیں چھوڑا ہے، افراد کے ذریعے سکھایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِئْتَمُّوْا بِيْ، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ.(۱)

''اے میرے صحابہ! تم مجھ کو دیکھ کر عمل کرو، تمہارے بعد والے تم کو دیکھ کر عمل کریں گے''۔

اور دین اسی طریقے سے سیکھا گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں اتنے بڑے مجمع کے اندر کون ایسا ہے کہ جس نے پہلے کتاب سے نماز سیکھی ہے؟ پہلے کتاب سے وضو سیکھا ہے؟ پہلے کتاب سے روزہ سیکھا ہے؟ ہر بچہ پہلے ماں باپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے، روزہ رکھتے ہوئے دیکھتا ہے، عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے، عمل سے عمل لیا جاتا ہے، تو یہ تسلسل تو وہاں تک چلا گیا ہے۔ بچہ پہلے ہر عمل اپنے بڑوں کو دیکھ کر سیکھتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے علم کی توفیق عطا فرمائی ہو تو وہ علم کے ذریعے اسے اور پختہ کرتا ہے، ہزار آدمی میں دس عالم ہیں، لیکن نماز سب جانتے ہیں، وضو سب جانتے ہیں، ہر دور میں دین کے سلسلے میں اپنے بڑوں اور اسلاف پر اعتماد کیا گیا ہے۔

تقلید کسے کہتے ہیں:

جس تقلید کو غیر مقلد شرک کہتے ہیں وہ تقلید یہ ہے کہ:

''نبی کے علاوہ کسی کے اوپر یہ اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات مان لینا کہ اس کے پاس دلیل موجود ہے، دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے''۔(۲)

دنیا بھر کے معاملے میں ہم تقلید کرتے ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر کے یہاں جاتے ہو، اپنا

(۱) صحيح البخاري، رقم: ۷۱۲.

(۲) التقليد اتباع الغير على ظن أنه محق بلانظر في الدليل.(النامي شرح الحسامي: ص ۱۹۰)

حال سناتے ہو، وہ پرچہ لکھتا ہے، کبھی اس سے پوچھتے ہو کہ ڈاکٹر صاحب! اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ دوا ہماری بیماری کے لیے فائدہ مند ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم کو ٹی بی ہوگئی ہے، تو کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ اور یہ دوا شفا دے گی کیا ثبوت ہے؟ تو کہیں گے بھائی! میں اس فن کا ماہر ہوں، اسی میں عمر کھپائی ہے۔

وکیل کے پاس اپنا معاملہ لے کر جاتے ہو، وہ کہتا ہے کہ آپ کے مقدمے میں فلاں دفعہ کے ساتھ کامیابی کا چانس ہے، کیا آپ اس سے قانون کی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ کیا دلیل ہے آپ کے پاس؟ وہ فن کا ماہر ہے۔

ایک معمار ہے، مکان بنانے کے لیے آتا ہے، آپ صرف اسے یہ کہہ دیتے ہیں بھائی! اتنی ہمارے پاس زمین ہے، ہم کو ایک مکان بنانا ہے، فلاں فلاں ضروریات ہیں، وہ کہتا ہے یہاں اتنی انچ کا پِلر اٹھے گا، اتنی موٹی بیم دی جائے گی، اتنا مصالحہ ملایا جائے گا، تو آپ اس سے کیوں یہ نہیں کہتے کہ یہ دیوار ۹؍انچ کی کیوں رہے گی؟ یہ پانچ انچ کی کیوں نہیں رہے گی؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ اتنی موٹی دیوار کی ضرورت ہے؟ یہاں اتنی موٹی بیم کی ضرورت ہے؟ اس لیے کہ وہ فن کا ماہر ہے۔

جو جس فن کا ماہر ہے اس کی رائے اس میں معتبر ہوگی، اور باقی لوگوں کا کام ہے کہ اس پر اعتماد کریں، اور دنیا بھر کی چیزوں میں اعتماد کیا جائے گا، صرف دین ایسا کھلونا ہوگیا ہے کہ آدمی اس کے اندر خود رائے زنی کرنے لگے! اس کو اپنے گھر کی باندی بنا کر رکھ لے! اس فتنے نے بہت سر اٹھایا ہے۔

الحمدللہ دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ علمائے کرام اس فتنے کو بھی روکنے کی کوشش کررہے ہیں، دفع کررہے ہیں، اس لیے نہیں کہ ہم دیوبندی ہیں اور ہماری جماعت کی تعداد بڑھ جائے؛ بل کہ اس لیے کہ جو دین اسلاف سے چلا آرہا تھا، آج اس عنوان سے اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور کل کیا ہوگا؟ جب علماء اور عوام کے درمیان دوری پیدا ہوجائے گی، تو پھر جو دین کی حفاظت کی بنیاد ہے وہ ختم

ہو جائے گی، پھر جو سازشی لوگ ہیں، ان کے لیے آسانی سے دین کے اندر لادینیت کو داخل کرنے اور دین کی روحانیت کو مٹانے کا موقع فراہم ہو جائے گا۔

نعمت کی قدر کیسے کریں:

اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کے علاقے میں مدارس ہیں، آپ کے علاقے میں علماء ہیں، میں عوام سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس نعمت کی قدر کریں، اپنے آپ کو مدرسوں سے، علماء سے جوڑے رکھیں، اپنے معاملات میں مشورہ لیں، اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دلائیں، توفیق ہو تو ان کو حافظ، عالم اور قاری بنائیں، اتنا نہیں تو کم سے کم بنیادی دینی تعلیم سے ان کو ضرور آراستہ کریں، تا کہ کوئی گھر علم دین کی روشنی سے خالی نہ رہ جائے، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہی پیغام لے کر چل رہا ہوں، ہر جگہ اسی بات کو کہہ رہا ہوں کہ مدرسہ اللہ کی نعمت ہے، نعمت کی قدر کرنی چاہیے، قدر کی جائے گی تو نعمت باقی رہے گی اور اس میں ترقی ہوگی۔

مدارس کی قدر کی دوسری صورت:

قدردانی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مدرسے کی جو ضروریات ہیں، ان کو پورا کیا جائے، جو مہتمم اور ناظم ہے وہی مدرسہ بھی چلائے، وہی تعمیر بھی کرائے، وہی چندہ بھی لے آئے، اسی فکر میں لگا رہے، بھائی وہ اپنا کام کر رہا ہے، اس کی صلاحیت مدرسے کی ترقیات میں خرچ ہونی چاہیے، تعلیم وتدریس میں خرچ ہونی چاہیے، نظم وانتظام میں خرچ ہونی چاہیے۔ یہ بستی والوں کی، اطراف والوں کی ذمہ داری ہے کہ حالات معلوم کریں کہ آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ ہمارے لائق جو خدمت ہے ہم کو بتائیے، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

مدارس کے منتظمین سے گزارش:

اور اس کے بعد مدرسہ والے مدرسے کے نظام کو صاف، شفاف اور مستحکم رکھیں،

حساب کتاب صاف ہو، نظام بالکل درست ہو، ڈسپلن قائم ہو، اساتذہ محنت سے پڑھائیں اور بستی والے، اطراف والے اپنے بچوں کو اس چشمۂ فیض سے سیراب کرانے کی کوشش کریں، اس کی روشنی کو اپنے گھر تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ بچے جو زیورِ علم سے آراستہ ہوں گے، دینی علوم حاصل کریں گے، اپنے ماں باپ کے لیے دنیا میں بھی سہارا بنیں گے اور مرنے کے بعد بھی ان کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور علم دین میں دوگنی چوگنی ترقی عطا فرمائیں۔

عمل کے اعتبار سے بھی اپنے آپ کو آمادہ رکھیں، نماز اللہ نے ہر مسلمان پر فرض کی ہے، مسجد پرانی تھی، اب نئی ہوگئی، مسجد کو نمازی چاہیے۔

مسجد تو بنالی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

جب مسجد کی تعمیر ہوتی ہے تو نوجوان بڑے جوش وخروش کے ساتھ اس میں لگتے ہیں، لیکن مسجد کی تعمیر مکمل ہوجاتی ہے تو اذان کی آواز سن کر گھر کے اندر بیٹھے رہتے ہیں، مسجد کی عمارت مطلوب ومقصود نہیں ہے؛ بل کہ نماز مطلوب ہے۔ مسجد بن گئی تو مسجد کو اپنی نماز سے، اعمال سے آباد کریں، مسجد میں نماز ہو، دعوت وتبلیغ کا کام ہو، ذکر ہو، ذکر کے حلقے لگیں، ان سارے کاموں کے لیے افراد کی ضرورت ہے، اس کے اندر شرکت کریں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❁❁❁

غیر مقلدیت کی تردید اور اس کی وجہ

۱۵/۱۶/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۳/۴/اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز بدھ وجمعرات، بہ مقام جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ، ''انجمن تحفظِ سنّت''، ضلع میرٹھ کی طرف سے دوسرا تربیتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلدیت کی تردید اور اس کی وجہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. أمابعد:

محترم علمائے کرام، مندوبینِ عظام اور جملہ حاضرین! حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب زید مجدہم (۱) نے یہاں تشریف لائے ہوئے علمائے کرام اور اس پروگرام میں شرکت کرنے والے مندوبین اور تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور میں علماء کی طرف سے اور تمام شرکاء کی طرف سے ان کا اور ان کے تمام رفقائے کار کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ملت کی اہم ضرورت کی تکمیل کے لیے اور اس وقت کے بہت بڑے فتنے کی سرکوبی کے لیے اپنے قیمتی اوقات صرف کر کے اور ان کے ساتھ مصارف کا بوجھ اٹھا کر جو اجلاس منعقد کیا ہے، اس کے لیے وہ خود شکریہ کے مستحق ہیں، اور قابلِ ستائش امر ہے کہ ایک سال کے عرصے میں یہ دوسرا پروگرام آپ کے سامنے آیا ہے؛ چناں چہ

(۱) حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی، حضرت فقیہ الامت کے عالی قدر خلیفہ اور دار العلوم میرٹھ کے سابق شیخ الحدیث تھے، زین پور، سردھنہ، میرٹھ میں ۱۹۵۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۲۰۱۵ء میں حج کے دَوران، منیٰ میں وفات پائی، تصنیفی خدمات میں ''فتاویٰ محمودیہ'' کی ترتیب و تحقیق اور ''الرفیق الفصیح' شرح مشکاۃ المصابیح کی تالیف قابلِ ذکر ہیں۔

اس کو نمونہ بنا کر دیگر اہلِ مدارس اور ذمہ داران کو بھی اس انداز کا تربیتی پروگرام اپنے یہاں منعقد کرنا چاہیے۔

دَورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ:

میرے بھائیو! اس ملک پر انگریزوں کا تسلط ہونے کے بعد انگریز حکمرانوں نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ:

> ہم یہاں تعلیم وتربیت کا ایسا نظام قائم کریں گے کہ جس کے زیر اثر یہاں کے باشندے اپنے جسم، اپنے رنگ اور اپنی نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں گے؛ لیکن اپنے ذہن وفکر اور اپنے خیالات اور عقیدے کے اعتبار سے وہ مسیحی بن جائیں گے۔ (۱)

ہمارے اکابر نے اس منصوبے کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، اگرچہ ان کے پاس ظاہری اسباب ووسائل نہیں تھے، لیکن ان کی نیت خالص تھی، عزم راسخ تھا، اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر کامل توکل تھا، پورا بھروسہ تھا کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں دار العلوم دیوبند اور اس کے نہج پر کام کرنے والے مدارس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا قلع قمع کر دیا۔ (۲)

آج لا مذہبیت کا فتنہ اس زور وشور سے اٹھا ہوا ہے کہ صرف ہندوستان نہیں، صرف برصغیر نہیں، بل کہ پورے عالم کے میں مسلمانوں کے اندر سے اپنے اسلاف، صحابۂ کرام، ائمۂ مجتہدین؛ بل کہ دین کی بنیادوں سے اعتماد ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور یہ فتنہ اپنی زہرناکی کے اعتبار سے ایسا فتنہ ہے کہ خدانخواستہ اگر یہ کامیاب ہو گیا تو مسلمان نام رکھنے والی قوم اپنے نام کے اعتبار سے، اپنے دعوے کے اعتبار سے تو مسلمان باقی

---

(۱) یہ قریب قریب وہی الفاظ ہیں، جو انگریزی علوم کے زبردست حامی لارڈ میکالے (۱۸۰۰ء-۱۸۵۹ء) نے، بیرک پور (کلکتہ) کے مقام پر، ۱۸۳۵ء میں گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بینٹنک (۱۷۷۴ء-۱۸۳۹ء) کو اپنی پیش کردہ یادداشت میں کہے تھے۔ (میکالے اور برِّصغیر کا نظامِ تعلیم، سیّد شبیر بخاری: ص۴۶)

(۲) سوانح قاسمی: ۲/ ۲۲۳۔

بچے گی، لیکن اس اسلام سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں بچے گا، جو حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر انگریزوں کے منحوس قدم ہندوستان میں پڑنے اور غیر مقلد جماعت کے وجود میں آنے تک اسلام تھا۔ (۱) جس کی نشر و اشاعت پورے عالم کے اندر ہوئی، جس کے ماننے والے سارے عالم کے اندر پھیلے ہوئے تھے اور ہیں، جن کی کتابیں ہیں، جن کے مدارس ہیں، جن کی خدمات ہیں، جن کی قربانیاں ہیں؛ کیوں کہ اس فتنے میں وہ جاذبیت ہے، جس میں ذہنی، فکری، عملی ہر اعتبار سے وہ مطلق العنانی اور آزادی ہے کہ جس کو آج کے دور کا ہر نوجوان اور ہر بے فکرا پسند کرتا ہے، اس کا خواہش مند ہوتا ہے۔

میں نے پچھلے حالات کی جو نظیر آپ کے سامنے پیش کی ہے، وہ یہ سمجھانے کے لیے کہ جس فکر مندی کے ساتھ اور جس احساس ذمہ داری کے ساتھ ہمارے اکابر نے اس کام (آزادیٔ وطن اور تحفظِ دین) کا بیڑا اٹھایا اور اس کی برکت آج پورے برصغیر کے اندر محسوس کی جارہی ہے، کہ انگریزوں کا خواب چکنا چور ہو گیا، اور ایک وقت گزرنے کے بعد انھیں اپنا بستر گول کرنا پڑا، اور پوری رسوائی کے ساتھ اور ذلت وخواری کے ساتھ وہ یہاں سے رخصت ہوئے۔ جس عزم وحوصلے، جس اخلاص اور جس اعتماد ویقین کے ساتھ ہمارے بڑوں نے اپنے وقت کے ایک عظیم فتنے کی سرکوبی کے لیے قربانیاں دی تھیں اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے اس کا خاتمہ کیا تھا، آج ہم اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنے والے، اُن کے افادات سے خوشہ چینی کرنے والے اور اُن کے علوم ومعارف سے استفادہ کرنے والے، جو تعداد کے اعتبار سے اُس زمانے کے علماء سے کہیں زیادہ ہیں، یہ عزم کرلیں کہ اِس فتنے کا قلع قمع کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھیں گے، تو ان شاء اللہ گزشتہ فتنوں کی طرح یہ فتنہ بھی دم توڑ دے گا۔

---

(۱) ۱۸۸۶ء میں اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے انگریز حکومت سے درخواست کی تھی کہ ان کی جماعت کو "اہلِ حدیث" نام سے موسوم کیا جائے، ہندوستان میں یہی وقت اس جماعت کا دَورِ آغاز ہے۔ (اہلِ حدیث امرتسر اخبار، مؤرخہ ۲۶؍جون ۱۹۰۸ء، صفحہ ۸، تاریخ اہلِ حدیث: ۱؍ ۲۱۴، مصنف: ڈاکٹر محمد بہاء الدین)

جتنی باتیں کل سے آپ کے سامنے آئی ہیں، آپ نے پورے پروگرام میں شرکت کی ہے، یہ تمام اکابر وہ ہیں کہ جن کے پاس صحیح علمی تجربہ ہے، اور ہر طرح کے لوگوں سے ان کا سابقہ پڑتا رہتا ہے، اور سوالات ان کے سامنے آتے رہتے ہیں، اپنے علمی تجربے اور علم کی گہرائی کی روشنی میں انھوں نے آپ کی رہنمائی کی ہے، مشورے دیے ہیں، آپ ان کو محفوظ رکھیں، اور اپنے مقام پر جا کر عمل کریں، اور ان کی روشنی میں کام کا بیڑا اٹھائیں۔

اختلافی مسائل پر مبنی کتب کی ضرورت:

اس سلسلے میں چند باتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں:

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی (۱) نور اللہ مرقدہٗ، جنھوں نے مصنف عبدالرزاق (۲) مسند حمیدی (۳) اور سنن سعید بن منصور (۴) وغیرہ تحقیق کر کے شائع کی ہے، بڑے

---

(۱) محدثِ کبیر حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ ایک عبقری محدث، جیّد عالمِ دین اور کئی کتابوں کے مصنف ومرتّب تھے، ۱۹۰۱ء میں مئوناتھ بھنجن، یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔ (حیات ابوالمآثر: ۱/ ۸۴-۴۲۷، ۴۲۸)

(۲) اکیس ہزار تینتیس (۲۱۰۳۳) روایات پر مشتمل یہ عظیم ذخیرۂ احادیث امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (۱۲۶ھ=۲۱۱ھ) کی مشہور تصنیف ہے، جو طویل عرصے سے تشنۂ طباعت تھی، علامہ اعظمی نے دس سال مسلسل اس کے متن کی تصحیح، احادیث کی تخریج اور تحقیق وتعلیق کے بعد اس کو قابلِ اشاعت بنایا، جس کے بعد گیارہ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب ۱۳۹۲ھ میں مجلسِ علمی ڈابھیل سے شائع ہوئی۔

(۳) یہ امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن علی قرشی کی تصنیف ہے، یہ مسند بھی غیر مطبوعہ تھی، حضرت محدث اعظمی نے اِس کے چار الگ الگ نسخوں سے ایک صحیح نسخہ تیار کیا اور تعلیق وتقدیم کا کام انجام دیا، ۱۹۶۲ء میں پہلی مرتبہ مجلسِ علمی ڈابھیل سے اشاعت عمل میں آئی۔

(۴) حافظ سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی کی یہ تصنیف کتبِ ستہ سے قدیم تر ہے۔ یہ کتاب علامہ اعظمی کی تعلیقات، تحقیقی حواشی اور ڈاکٹر حمید اللہ کے گراں قدر مقدمے کے ساتھ دو جلدوں میں ۱۳۸۷ھ میں ڈابھیل سے شائع ہوئی۔

گہرے علم کے حامل تھے، پوری زندگی انھوں نے غیر مقلدین سے لوہا لیا، وہ بار بار اس خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ کاش ہمارے علماء کے اندر کچھ لوگ اس کام کے لیے اٹھیں اور جس طرح حدیث کی کئی کتابوں کی شرحیں لکھی گئی ہیں، اور ان میں ائمۂ ثلاثہ کے ساتھ جن مسائل میں ہمارا اختلاف ہے، ان کو موضوع بنا کر اپنے دلائل جمع کیے گئے ہیں، ان کے مستدلات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اسی طرح آج کے زمانے میں غیر مقلدین کی طرف سے جو تشکیک کا عمل جاری ہے، اور ہمارے مسائل کے سلسلے میں وہ عوام کو گمراہ کر رہے ہیں، تو حدیث کی کچھ ایسی شروحات لکھی جانی چاہئیں، جن میں ائمۂ مجتہدین کے درمیان پیش آنے والے اختلافی مسائل کے بجائے، جن مسائل میں ہمارا غیر مقلدین کے ساتھ اختلاف ہے، اُن کے دلائل کو جمع کیا جائے؛ تاکہ علماء کا طبقہ اُن سے مستفید ہو سکے۔

اختلافی مسائل:

اختلافی مسائل دو طرح کے ہیں:

۱- کچھ اختلافی مسائل تو وہ ہیں، جن کو غیر مقلدین نے اختیار کیا ہے اور دیگر ائمہ کے یہاں بھی مختار ہیں، مثلاً: آمین بالجہر، رفع یدین اور اسی طرح نماز کے بعض دیگر مسائل ہیں۔ ان کے سلسلے میں تو الحمد للہ ہماری کتابوں میں کافی مواد موجود ہے۔

۲- لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن میں غیر مقلدین سوادِ اعظم سے بالکل الگ ہیں، ائمۂ اربعہ سے بالکل الگ ہیں، اور ایسے مسائل کی بھی کافی تعداد ہے۔ آپ حضرات واقف ہیں کہ ’’تراویح کی رکعتوں کا مسئلہ‘‘[1] ہے، ’’تین طلاق ایک مجلس میں دی جائے تو اس کو ایک شمار کرنے کا مسئلہ‘‘[2] ہے، مستدلاتِ شرعیہ میں ’’صرف قرآن

---

(۱) المغني لابن قدامه: ۱/۴۵۷۔

(۲) ائمۂ متبوعین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ (کتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ص۳۰۳)

وحدیث کو مستدل قرار دینا اور اجماع وقیاس کی شرعی حیثیت کا انکار کرنا"[(۱)]، اس میں غیر مقلدین بالکل منفرد ہیں، اسی طرح اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جو مقام ومرتبہ ہے، ان کے آثار، ان کے فتاویٰ کی جو حیثیت ہے، غیر مقلدین ان کا انکار کرتے ہیں۔[(۲)] پھر قربانی کے ایام کے سلسلے میں اگرچہ بعض ائمہ کا بھی یہ مذہب ہے کہ چار دن تک قربانی کرنا جائز ہے؛ لیکن چوں کہ ان پر عمل کرنے والے ہمارے یہاں موجود نہیں؛ لہٰذا عوام کے اندر یہ مسئلہ نہیں تھا، انھوں نے اس کو اپنا مختار مسئلہ بنا کر اس کو بھی مستقل عنوان بنالیا۔ جمعہ کے دن اذانِ اوّل کا انکار کرتے ہیں، جس پر ساری امت کا عمل ہے، تمام ائمہ کے یہاں معمول بہ ہے۔ ایسے ہی "اگر عید یا بقرعید کے دن جمعہ کی نماز پڑ جائے تو جمعہ کی نماز ادا نہ کرنا، ظہر کی نماز ادا کرنا" ان کا مسلک ہے۔[(۳)]

یہ وہ مسائل ہیں جن میں اس جماعت نے اپنا طریقہ پوری امت سے الگ بنا رکھا ہے؛ اِس لیے ان مسائل کو عنوان بنا کر اپنے دلائل جمع کرنا اور ان کے مستدلات کے جوابات دینا بھی ایک کام ہے، جس کی بڑی ضرورت ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمی صلاحیت دی ہے، وہ اپنی صلاحیت سے کام لیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے وسائل دیے ہیں وہ اپنے وسائل اس کے اندر صرف کریں۔ کچھ لوگوں کی صلاحیت ہو اور کچھ لوگوں کے وسائل، ان دونوں کو اگر جوڑ دیا جائے تو یہ کام مشکل نہیں ہے۔

---

(۱) اہلِ سنت (ائمہ اربعہ) کا اِس پر اتفاق ہے کہ دلائلِ شرعیہ چار ہیں: کتاب وسنت، اجماع اور قیاس۔(الفقيه والمتفقه ١/٥٤،٥٥)

(۲) غیر مقلدین اجماعِ صحابہ اور آثار واقوالِ صحابہ کو نہیں مانتے۔(عرف الجادي من جنان هدى الهادي، شیخ نور الحسن خان: ص ۴-۸)

(۳) جمہور کا موقف یہ ہے کہ عیدین میں جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔(المغني: ٢/٢٦٥)

اور غیر مقلدین عیدین میں جمع کو ساقط مانتے ہیں۔(مجموع فتاویٰ ورسائل العثيمين: ١٦/١٧١)

جتنے بڑے پیمانے پر فقہ کی تدوین اور ہمارے مستدلات کی تشریحات وغیرہ وجود میں آئی ہیں اگر اس کا عشرِ عشیر بھی اس زمانے میں تیار کرلیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس فتنے کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے، اور اس سلسلے میں علمی استدلالات ہمارے یہاں کافی جمع ہوجائیں گے، اسی طرح مدارس کے اندر درسِ حدیث میں، فقہ کی کتابوں کے درس میں، ترجمۂ قرآن کے ذیل میں، ہمارے اساتذۂ کرام، ائمۂ مجتہدین کے ساتھ جن مسائل میں ہمارا اختلاف ہے، انہیں اپنا موضوع بناتے ہیں؛ لیکن غیر مقلدین سے جن مسائل میں اختلاف ہے ان کو اہمیت نہیں دیتے۔

یا تو ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی کہ غیر مقلدین سے ہمارا کون سے مسائل میں اختلاف ہے یا سہولت پسندی کی بناء پر ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے، ان مسائل کو جانیں اور ان کے مستدلات کو اکٹھا کریں۔

اس موضوع پر کام کرنے والے علماء اور اُن کی کتابیں:

الحمد للہ ہندو پاک کے بہت سے علمائے کرام نے ان مسائل پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پاکستان میں مولانا سرفراز خاں صفدر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا صفدر امین اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، (۱) مدینہ طیبہ میں مقیم مولانا الیاس فیصل، (۲) جن کی کتاب ''نمازِ پیمبر'' مارکیٹ میں موجود ہے، اسی طرح حال ہی میں انتقال فرمانے والے ہمارے بزرگ دوست حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں؛ نیز پاکستانی عالم مولانا انوار خورشید (۳) کی کتاب

(۱) مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مشہور مناظر اور محقق ومصنف تھے، مولانا احمد علی لاہوری کے فیض یافتہ اور مولانا سرفراز خان صفدر سے متاثر تھے، مختلف رسائل اور کتابچے تصنیف کیے، جو ''تجلیاتِ صفدر'' اور ''مجموعہ رسائل'' کے نام سے طبع ہوئے۔ ۲۰۰۰ء میں وفات پائی۔ (تجلیاتِ صفدر: ۷-۳-۱/۶۵)

(۲) ڈاکٹر محمد الیاس فیصل اسلامی اسکالر، مورخ اور مصنّف ہیں اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل رہ چکے ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(۳) مولانا انوار خورشید عالمِ دین اور محقق ہیں، جامعہ مدنیہ، لاہور کے نامور فضلاء میں ان کا شمار ہے۔

''حدیث اور اہلِ حدیث'' بھی اس سلسلے کی ایک بہترین کتاب ہے۔آپ تلاش کریں تو فہرستِ کتب میں جہاں ردِّ بدعت، ردِّ قادیانیت وغیرہ کے عنوان پر کتابوں کی فہرست ملے گی، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو ردِّ غیر مقلدیت کی کتابیں بھی ملیں گی۔آپ اپنا وقت فارغ کریں، کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنی معلومات کو مرتب کریں۔

مشن بنا کر کام کرنے کی ضرورت:

ایک بہت اہم بات علمائے کرام کی خدمت میں عرض کرنی ہے کہ ہم مشن بنا کر یہ کام نہیں کر رہے ہیں، اور وہ جماعت جس کے نزدیک فتنہ انگیزی ہی دین کی سب سے بڑی خدمت ہے، وہ مشن بنا کر اپنے اس کام میں اپنے افراد کو لگائے ہوئے ہے۔اور آپ جانتے ہیں کہ غیر مقلدین عموماً ایسے افراد کو اپنا نشانہ بناتے ہیں جو خود دین کی معلومات سے عاری ہوں اور دینی عمل کا جذبہ ان میں پیدا ہوا ہو، وہ خالی الذہن ہوتے ہیں، غیر مقلدین ان کو جو کچھ بتلاتے ہیں ان کی بناء پر وہ اپنے مسلک اور عمل کے سلسلے میں تشکیک کا شکار ہو جاتے ہیں۔وہ ہمارے علماء کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنا شک وشبہ ظاہر کرتے ہیں، ایسے موقع پر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی تشفی کرائیں، ان کو تسلی دیں اور ان کے شک کو زائل کر کے ان کو مطمئن کریں۔اگر ہم نے ڈانٹ کر ان کو بھگا دیا کہ تم اس چکر میں مت پڑو، جو عمل کر رہے ہو کرتے رہو، تو وہ سمجھیں گے کہ آپ کے پاس دلائل موجود نہیں ہیں؛ اس لیے جو بھی علمائے کرام ہیں اپنی ذمہ داری سمجھ کر ان مسائل کے اوپر اور اپنے اپنے علاقے کے حالات کو دیکھ کر کہ یہاں کن مسائل کو عنوان بنایا جاتا ہے، ان پر تیاری کریں، اپنی معلومات کو مرتب کریں اور آنے والے کی نفسیات کا مطالعہ کریں کہ اسے کس طریقے سے مطمئن کیا جا سکتا ہے۔یہ بہت اہم چیز ہے اس پر ہمیں کام کرنا چاہیے۔

اداروں اور انجمنوں کے تحت کام کیا جائے:

ایسے ہی ہر جگہ علمائے کرام جو مدارس سے وابستہ ہیں، مقامی سطح پر اس طرح کی

انجمن قائم کریں، جس میں تمام اداروں کے علماء اور ائمہ مساجد شریک ہوں۔ بہت سی جگہوں پر اس طرح کی انجمن قائم ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں ایک کانفرنس بھی گذشتہ سال ہوئی تھی۔ دیوبند کے اساتذہ بھی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اس کام کو دین کی ایک اہم ضرورت سمجھ کر مدارس کے علماء ہفتے میں، مہینے میں، ایک نشست کریں، حالات کا جائزہ پیش کریں، ضرورتوں کا تجزیہ پیش کریں اور ان کی تکمیل کے لیے جو راہِ عمل ہو سکتی ہے ان کو اختیار کریں۔ یہ ہماری ایک ذمہ داری ہے، یہ کام ہر مقام پر ہونا چاہیے اور خاص طور سے وہاں جہاں کے نوجوان اس فتنے کا شکار بنے ہیں۔

تبلیغی بھائیوں کو اِس فتنے سے بچائیں:

ایک مشورہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ آج کل غیر مقلدین نے تبلیغی جماعت کے ذریعے اپنے مسلک کو پھیلانے کا ایک منصوبہ بنایا ہے، اور اس پر عمل کر رہے ہیں، جماعتوں کے اندر اپنا کوئی فرد بھیج دیتے ہیں، اور بالکل دین سے دور نوجوانوں کو جو نیا نیا شوق اور خالی ذہن لے کر وہاں دین سیکھنے کے لیے پہنچے ہوتے ہیں، ان کو بتاتے ہیں کہ بھائی دیکھو نماز کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، ان کو ایک دو روایتیں سنا دیتے ہیں، رفعِ یدین کرنا ضروری ہے ان کو ایک دو روایتیں سنا دیتے ہیں، ان کے کان میں اس کے خلاف کبھی کوئی آواز پڑی ہی نہیں، اب وہ اخلاص کے ساتھ اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی ان سے کہتا ہے: بھائی! امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جاتی ہے، کہتے ہیں: ہم کو تو مولوی صاحب نے حدیث بتائی ہے۔ ایک تو کام یہ ہے کہ ان کو مطمئن کیا جائے، دوسرے یہ کہ جس راستے سے یہ فتنہ پھیلا رہے ہیں، جہاں کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ صورتِ حال ہے، وہاں علمائے کرام خود اپنے تلامذہ کو یا کم از کم ایسے افراد کو جوان مسائل کے سلسلے میں دینی معلومات رکھتے ہوں، جماعتوں کے اندر شامل کریں، اپنی نگرانی میں ان کو بھیجیں، تاکہ جو محنت وہ کر رہے ہیں، جو فتنہ پیدا کر رہے ہیں، اس کا مقابلہ ہو سکے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سادہ ذہن لوگوں کی تربیت بھی ہو سکے۔

ضرورت کے تحت مختلف زبانوں میں دعوت وتبلیغ:

یہ چند باتیں ذہن میں آئیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیں۔ اسی کے ساتھ مرادآباد کی ''تحفظِ سنت کانفرنس'' کے موقع پر جو مختصر رسالے تیار ہوئے ہیں، جن کو یہاں ''انجمن تحفظِ سنت'' والوں نے شائع کرایا ہے، اسی طرح کلکتہ والوں نے بھی شائع کرایا ہے، یہ مختصر مختصر چند صفحات کے رسالے ہیں، ان رسالوں کو بھی عام کیا جائے، اور اسی انداز سے جن مسائل پر لکھنے کی ضرورت ہو رسائل تیار کیے جائیں۔ جو حضرات صاحبِ حیثیت ہیں چاہے وہ علماء میں سے ہوں یا ملت کے اندر دردمند حضرات میں سے ہوں، لاگت کی قیمت پر ان کتابوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کریں، عوام کے اندر ان کو پہنچائیں، جہاں لوگ اردو زبان نہیں جانتے ہیں، ہندی جانتے ہیں، وہاں ان رسائل کا ہندی میں ترجمہ کیا جائے۔ یہ بہت اہم ضرورت ہے؛ تاکہ عوام کے ہاتھ اپنے مسائل کے دلائل آئیں، جو عمل کر رہے ہیں اس کے بارے میں مطمئن ہوں کہ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ راستہ صحیح ہے، ہمارے پاس بھی دلائل ہیں، اور کم از کم وہ اتنا تیار ہو جائے کہ اگر کوئی ان کو مِس گائڈ (غلط رہنمائی) کرنا چاہے، غلط راستے پر لے جانا چاہے تو وہ اس کا جواب دے سکیں، اور اپنے دلائل فراہم کر سکیں۔ اور یہ جو یہاں کیمپ لگا ہے، اس طرح کے کیمپ اسی پیمانے پر یا اس سے مختصر پیمانے پر زیادہ سے زیادہ لگنے چاہئیں۔

اور میں ایک درخواست یہ کروں گا کہ ہمیشہ اس بات کے خواہش مند نہ ہوں کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور بڑے اداروں کے ذمہ داران ہی ملیں گے جن کے پاس اوقات کی بھی کمی ہے، جو اتنا وقت نہیں دے سکتے؛ بل کہ ہر علاقے کے لوگ اس کے لیے تیار ہوں، اور ان شاء اللہ ہر علاقے میں افراد ملیں گے، شروع میں چھوٹے پیمانے پر کام کریں، لیکن آپس میں جب معلومات کا تبادلہ ہوگا، ایک دوسرے کے تجربات سے واقفیت ہوگی، پھر ان ریشہ دوانیوں میں کہاں پر کون کس طرح کام کر رہا

ہے وہ کیسے کر رہے ہیں اس کا تعاقب کیسے کیا جارہا ہے جب آپس میں معلومات کا تبادلہ ہوگا تو ان شاء اللہ کام کا راستہ آسان ہوگا۔بس میں اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کیمپ کو کامیاب فرمائیں اور اس کا فائدہ عام وتام ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال: ایک صاحب نے کہا کہ ہم وہ بنیادیں جاننے کے لیے آئے ہیں، جن کی بناء پر غیر مقلدین کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج قرار دیا جارہا ہے۔

جواب: اس کے جواب میں مَیں نے عرض کیا کہ اب تک جو باتیں آپ کے سامنے آئی ہیں، ان میں وہ باتیں بھی شامل ہیں، جن کی وجہ سے غیر مقلدین کو اہلِ سنت سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔قرآنِ پاک کی آیات اور احادیثِ طیبہ کے استنباطات سے، اجماع امت اور قیاس شرعی کا حجت ہونا ثابت ہے، اور ساری امت اس کے اوپر متفق رہی ہے۔[1] اس اجماعی فیصلے اور عمل کے بعد غیر مقلدین کا ان دونوں کو مستدلاتِ شرعیہ سے خارج کرنا اہلِ سنت کے طریقہ سے انحراف ہے۔اہلِ قرآن تین چیزوں کی حجیت کا انکار کرنے کی وجہ سے اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہوئے ہیں،[2] تو غیر مقلدین بھی دو چیزوں کے انکار کی وجہ سے اسی زمرہ میں شامل ہوں گے۔اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرنے والے کبھی بھی اہلِ سنت والجماعت کے اندر شامل نہیں ہوسکتے۔

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ [3] سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند، اپنے درس میں ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ:

---

(۱) الفقیہ والمتفقہ ۱/۵٤-۵۵.

(۲) اہلِ قرآن (منکرینِ حدیث) اجماع وقیاس کے ساتھ حدیث کا بھی انکار کرتے ہیں؛ لیکن دَورِ حاضر میں فتنۂ انکارِ حدیث نے مزید بال و پَر نکال لیے ہیں؛ چناں چہ ان کے بعض حلقے قیاس کو تو مانتے ہیں؛ لیکن حدیث اور اجماع کا انکار کرتے ہیں۔

(۳) مولانا سیّد فخر الدین احمد مراد آبادی مشہور محدث اور دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند تھے، =

کسی جماعت کے بارے میں حق اور باطل کا فیصلہ کرنا ہو تو بہت آسان پیمانہ اور معیار یہ ہے کہ اس جماعت کا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا تصور ہے، کیا خیال ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔

شیعوں سے مماثلت:

شیعہ جو اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے نشانے پر ہیں، وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں انتہائی جری اور گستاخ ہیں، ان کی تحریریں دیکھیے، خاص طور سے مولانا عبدالحق بنارسی، جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر کے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فاسق ہوگئی، اور اگر بغیر توبہ مَری تو مرتد مَری۔''(۱)

نعوذ باللہ من ذلک۔ غیر مقلدین کے بڑے علماء کی کتابوں میں ملے گا کہ:

''عملِ صحابہ حجت نیست، فعل صحابہ حجت نیست''(۲)

یعنی جن کے حوالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کو کر گئے تھے، نہ ان کا عمل حجت ہے نہ ان کا فہم حجت۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کا حکم:

آپ نے نام لے کر ان کی اتباع کا حکم دیا ہے، کہ قرأت پڑھنا ہے تو اُبی بن کعب

= جو بعد میں دارالعلوم ہی کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آپ نے جمعیۃ علماءِ ہند کی بھی صدارت کی، ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (تاریخِ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۰۶)

(۱) کشف الحجاب: ص/۴۳۔

(۲) علماءِ اہلِ حدیث کی مختلف کتابوں اور فتاویٰ میں اِس قسم کے جملے ملتے ہیں، مثال کے طور پر دیکھیے: فتاویٰ نذیریہ: ۱/۳۴۰، مطبوعہ اہلِ حدیث اکادمی، کشمیری بازار، لاہور، سنِ طباعت ۱۹۷۱ء، عرف الجادی: ۴۱، ۵۸۔

سے پڑھو، حلال وحرام کو جاننا ہے تو معاذ بن جبل سے سیکھو، فرائض کو پوچھنا ہے تو زید بن ثابت سے معلوم کرو، حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، فرائض کے بارے میں آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقتدیٰ بنایا،(۱) قرآن کے معانی کو سمجھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خاص دعائیں دیں،(۲) ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل ان کے نزدیک حجت نہیں، ان کے آثار حجت نہیں، ان کے اعمال حجت نہیں، حتی کہ ان کا اجماعی عمل بھی حجت نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح جاری فرمائی،(۳) جو آج تک بلا اختلافِ مسلک جاری ہے، اور ساری امت اس پر عمل کر رہی ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک یہ بدعت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں پانچ وقت نماز کی طرح جمعہ کے لیے اذان جاری فرمائی،(۴) وہ ان کا ذاتی عمل نہیں تھا، ان میں کبارِ صحابہ موجود تھے، سب نے اس سے اتفاق کیا، یہ اجماعِ صحابہ ہے؛ کیوں کہ صحابہ وہ نہیں تھے کہ جو کسی کے دباؤ میں کوئی غلط بات مان لیں، وہ مخلص لوگ تھے؛ لہٰذا جس عمل پر خلفائے راشدین کے فیصلے اور امت کے اجماع سے

---

(۱) عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: أرحم أمتي بأمتي أبوبكر، وأشدّهم في أمر الله عمر، وأصدقهم حياء عثمان، وأقرؤهم لكتاب الله أبي بن كعب، وأفرضهم زيد بن ثابت وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، ألا وإن لكل أمة أميناً وإن أمين هٰذه الأمة أبوعبيدة بن الجراح. (سنن الترمذي، أبواب المناقب: ٥/٦٦٥، رقم: ٣٧٩١)

(۲) عن ابن عباس قال: ضمّني رسول الله ﷺ وقال: اللّٰهم علّمه الكتاب. (البخاري، كتاب العلم: ١/٣١٤، رقم ٧٥)

(۳) صحيح البخاري، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ٤/٤١٣ حديث رقم ٢٠١٠.

(۴) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ٢/٥٢٧، رقم ٩١٢.

ساری امت متفق ہے، اس کے خلاف کرنے والے اہلِ سنت والجماعت میں کہاں سے داخل ہو سکتے ہیں؟

اسی طرح تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینا اور بائنہ مغلظہ ہو چکی عورت کو حلال سمجھنا کس قدر سنگین ہے، اِس طرح حرام کو حلال قرار دینے والی جماعت اہلِ سنت میں کیسے داخل ہو سکتی ہے......؟ کیوں کہ تمام ائمۂ مجتہدین اور محدثینِ کرام اِس بات پر متفق ہیں، کہ تین طلاق تین ہیں، ایک نہیں ہے۔ (۱)

اختلافی مسائل میں جہاں خود ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، جیسے نماز کے بعض اعمال ہیں، اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اختلافات، رفع یدین، آمین بالجہر یا بالسر وغیرہ، ان کو چھوڑ دیجیے؛ کیوں کہ یہ اہلِ سنت والجماعت کے درمیان کا اختلاف ہے، ان میں سے ایک مسلک کو انھوں نے اختیار کر لیا، لیکن جتنے مسائل کے اندر غیر مقلدین منفرد ہیں، پوری امت سے الگ ہیں، اور خارق اجماع ہیں، یہ سارے کے سارے مسائل ایسے ہیں، جو انھیں اہلِ سنت والجماعت سے خارج کرتے ہیں۔ ان کے اہلِ سنت والجماعت سے نکلنے کے لیے تو ایک ہی بنیاد کافی ہے، یہاں کتنی ہی بنیادیں موجود ہیں؛ اس لیے یہ فیصلہ یعنی ان کا اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہونا اب محتاجِ دلیل نہیں رہا، بس ان ہی باتوں پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❁❁❁

(۱) قال الصنعاني: الثاني: أنه يقع به الثلاث وإليه ذهب عمر وابن عباس وعائشة ورواية عن علي والفقهاء الأربعة وجمهور السلف والخلف. (سبل السلام: ٦/١٦٧، ط: دار ابن جوزي للنشر والتوزيع، السعودية، ١٤٣٣هـ)

”ماہنامہ محدث“ کے
شیخ الحدیث نمبر پر ایک نظر

جماعتِ اہلِ حدیث کے ممتاز عالم اور جامعہ سلفیہ، بنارس کے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کی وفات کے بعد، ادارے کی جانب سے مولانا رحمانی پر ایک خاص نمبر شائع ہوا تھا، حضرت والا دامت برکاتہم نے جامعہ اسلامیہ، بنارس کے سہ ماہی مجلّے ”ترجمان الاسلام“ میں اس خاص نمبر پر تنقیدی جائزہ پیش کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''ماہنامہ محدث'' کے شیخ الحدیث نمبر پر ایک نظر

جماعتِ اہلِ حدیث کے ممتاز، نامور عالم بااخلاق بزرگ اور بالغ نظر محدث، شارح مشکاۃ المصابیح حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ رئیس جامعہ سلفیہ بنارس (متوفی ۲۲/رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵/جنوری ۱۹۹۴ء) کی وفات پر جامعہ سلفیہ بنارس کے دارالتالیف والترجمہ نے ماہنامہ محدث کا ایک خاص نمبر شائع کیا ہے، جو جنوری فروری ۹۷ء کے شماروں کا مجموعہ ہے، ۳۷۱/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ''شیخ الحدیث نمبر'' کی پہلی قسط ہے۔

اس نمبر میں مولانا مبارک پوری کی سوانح حیات، اخلاق وکمالات، تصنیفی خدمات، علمی افادات اور اہلِ قلم کے تاثرات کا معتدبہ حصہ آگیا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ مولانا مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ اِس دَورِ قحط الرجال کی مغتنم شخصیتوں میں سے ایک تھے، محدث کبیر امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تبحرِ علمی اور بالخصوص علمِ حدیث کے سلسلے میں جن لوگوں پر نگاہ جاتی تھی اُن میں محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ بہت نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔

اپنے ذاتی کمالات اور جماعتی تعلق سے مولانا مرحوم کو جو بلند مقام حاصل تھا اہلِ قلم حضرات نے اپنے تاثرات، پیغامات اور مقالات کے ذریعے اُن کا بھرپور اعتراف کیا

ہے، اخیر میں ''افادات شیخ الحدیث'' کے عنوان سے مولانا کے کچھ فتاویٰ بھی شائع کیے گئے ہیں، جن سے ان کی فقہی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح:

''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' مولانا مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی علمی خدمت ہے اور بلاشبہ کئی حیثیت سے امتیاز کی حامل ہے، اس لیے جن حضرات نے بھی مولانا کی علمی حیثیت پر گفتگو کی ہے اُن کی تحریر میں ''مرعاۃ'' کا تذکرہ لازمی طور پر ہوا ہے، اور ایسا ناگزیر تھا؛ کیوں کہ مولانا کا علمی تعارف اس کتاب کے ذکر کیے بغیر نامکمل رہتا، کئی حضرات نے ''مرعاۃ المفاتیح'' کے تعارف میں مستقل مقالے لکھے ہیں۔

اور اکثر حضرات نے ضمناً اس کا تذکرہ کیا ہے، اس سلسلے کی کچھ تحریریں باوقار اور متوازن ہیں، جب کہ کئی ایک جارحانہ انداز کی حامل یا غلو اور مبالغہ آمیزی پر مبنی ہیں۔

کسی شخص کو قدآور ثابت کرنے کا یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے کہ بقیہ سب کو بونا قرار دے دیا جائے، یا دوسروں کی نفی وتذلیل کی جائے، اور مؤخر الذکر تحریروں میں ایسا ہی ہوا ہے، بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

جامعہ سلفیہ کے ایک استاذ ''مرعاۃ المفاتیح'' کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''یہ شرح صرف ایک شرح ہی نہیں؛ بل کہ علم الحدیث اور فقہ الحدیث کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، آپ کی اس عظیم ترین شرح پر امام یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول بہت حد تک صادق آتا ہے، جو انہوں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا:
>
> ''كنت إذا طلبت دقيق المسائل فلم أجده في كتب ابن المبارك ائست منه''. یعنی جب بھی دقیق مسائل کی تلاش کرتا ہوں اور انہیں عبداللہ بن مبارک کی رحمۃ اللہ علیہ کتابوں میں نہیں پاتا تو (کہیں اور پانے سے) مایوس ہوجاتا ہوں۔(۱)
>
> بالکل یہی معاملہ ''مرعاۃ'' کا ہے، جس مسئلے میں بھی دو چار علماء کے درمیان تبادلۂ خیال

---

(۱) تاریخ بغداد: ۱۰/۱۵۶۔

ہوتا ہے فوراً ''مرعاۃ'' کا تذکرہ ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ مسئلے سے متعلق سارے مالۂ وماعلیہ نکات وہیں تو ملتے ہیں، اور جس کسی مسئلے سے متعلق وہاں سے مایوسی ہوتی ہے تو پھر کہیں اور حل پانے سے مایوسی ہوجاتی ہے''۔(۱)

یہ بات اگر صرف اپنی جماعت کے علماء کے بارے میں کہی گئی ہے اور ان کے دائرۂ تحقیق کو ''مرعاۃ'' تک محدود کردیا گیا ہے، تو اس کے تسلیم کرلینے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر علی الاطلاق تمام علماء کے بارے میں یہ رائے زنی ہے تو یقیناً یہ ملت کے بیشتر اربابِ علم وتحقیق کے ساتھ زیادتی اور بے انصافی ہوگی۔

جامعہ سلفیہ کے ایک دوسرے استاذ تحریر فرماتے ہیں:

''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (مطبوع عربی) یہ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو مشکاۃ المصابیح کی مبسوط محققانہ اور بے نظیر شرح ہے، علامہ بھوجیانی اس کے متعلق رقم طراز ہیں: قدیم شروح کے مندرجات کو حاوی اور بفحوائے کم ترک الاول للآخر تحقیق میں دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ یاد دلانے والی ہے۔ (مقدمہ ناشر طبع اوّل ص: ز) اس کے ہوتے ہوئے ''مرقاۃ'' و''لمعات'' وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی''۔(۲)

''مرعاۃ المفاتیح'' کتنی ہی محققانہ اور بے نظیر شرح ہو؛ لیکن وہ نامکمل ہے، اور مشکاۃ شریف کی ''کتاب البیوع'' تک کے مباحث پر مشتمل ہے، یعنی ابھی مشکاۃ کا نصف سے زائد حصہ باقی ہے، ایسی صورت میں یہ دعویٰ کہ ''مرعاۃ'' کی موجودگی میں ''مرقاۃ المفاتیح'' یا ''لمعات التنقیح'' وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی، تعجب خیز ہے۔ ذرا یہ بھی تو سوچیں کہ جو لوگ ''مرعاۃ'' میں مسئلہ نہ ملنے کی صورت میں کہیں اور پانے سے مایوس ہوجاتے ہیں وہ کتاب البیوع کے بعد کے مباحث میں کہاں جائیں گے، کیا کتاب البیوع کے بعد کوئی بحث باقی نہیں رہ جاتی؟ کتاب البیوع تک کی اسی شرح کے بارے میں جامعہ سلفیہ کے ایک تیسرے استاذ فرماتے ہیں:

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۴۰۔

(۲) شیخ الحدیث نمبر ص ۲۲۰۔

''مگر جب ''مرعاۃ المفاتیح'' سے لوگوں کی نگاہیں مشرف ہوئیں تو پھر ''مرعاۃ المفاتیح'' کو انسائیکلوپیڈیا اور آپ کی ذاتِ گرامی کو دائرۃ المعارف؛ نیز وقت کا ابنِ حجر کہا گیا، آپ کی تحقیق وتدقیق، توضیح وتشریح، تخریج وتبیین، توفیق وتطبیق کو لاثانی اور آپ کی تالیف کو مثل فتح الباری سمجھا گیا''۔(۱)

کیا اس مبالغہ آرائی کے بغیر مولانا مبارک پوری یا ان کی تصانیف کا رتبہ کچھ کم ہو جاتا، ویسے مولانا کو وقت کا ابنِ حجر اور آپ کی شرح کو مثل ''فتح الباری'' قرار دینے کی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شافعیت کے زبردست حامی اور علم بردار تھے، اور ان کا یہ رنگ ''فتح الباری شرح بخاری'' میں نمایاں ہے، بسا اوقات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق کے خلاف ان کے تراجمِ ابواب کا رُخ شافعیت کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی مختلف فیہ مباحث میں شافعیت کی بھرپور وکالت کرتے ہیں، اسی طرح مولانا عبیداللہ صاحب مبارک پوری جو کہ مسلکِ اہلِ حدیث کے زبردست داعی تھے ان کی شرح ''مرعاۃ المفاتیح'' میں بھی اپنے مسلک کی تائید وترجیح اور دیگر فقہی مسالک خصوصاً حنفیت کی تردید وتضعیف پر پورا زور صرف کیا گیا ہے، اور غالباً مر''عاۃ المفاتیح'' کی تصنیف کا محرک بھی یہی جذبہ تھا، جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

جامعہ سلفیہ کے ایک استاذ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ عقیدۃً وعملاً سلفی المسلک تھے: بل کہ اس مسلک کے زبردست داعی تھے، پوری زندگی اسی مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف ہوئی، آپ کی مایہ ناز اور شہرۂ آفاق تصنیف ''مرعاۃ المفاتیح'' اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔(۲)

ایک دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ادریس کاندھلوی کی شرح ''التعلیق الصحیح'' (صحیح نام ''التعلیق الصبیح'' ہے) میں

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۷۹۔

(۲) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۱۸۔

حنفی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے جب کہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کی شرح مرعاۃ المفاتیح فی شرح مشکاۃ المصابیح میں اہلِ حدیث نقطۂ نظر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے"۔ (۱)

اور کون نہیں جانتا کہ مسلکِ اہلِ حدیث یا ہندوستانی سلفیت جمہورِ امت سے الگ ایک مستقل مذہب ہے، جس کے الگ مدارس، مکاتب، جمعیتیں، تنظیمیں اور مساجد موجود ہیں؛ اس لیے اگر تصنیف کے وقت اہلِ حدیث نقطۂ نظر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا، یا اسی مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے شرح لکھی گئی تو اس کی حیثیت آفاقی کیسے ہو گئی؟

یہ دوہرا معیار کیوں ہے؟ اگر کسی دوسرے مسلک کے شارح نے اپنی شرح میں اپنے مسلک کی تائید میں دلائل دیے اور دیگر مسالک کے جوابات دیے تو وہ مجرم ہو، اس پر طنز و تعریض کے تیر برسائے جائیں اور یہی فریضہ آپ انجام دیں تو کوئی حرج نہیں۔

جامعہ سلفیہ کے ایک صاحبِ قلم "مرعاۃ المفاتیح" اور دیگر شروح میں فرق بیان کرتے ہوئے یوں گل افشانی فرماتے ہیں:

"اس شرح کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شارح سلفی العقیدہ اور مذہباً اہلِ حدیث ہیں، حدیثِ رسول کے معانی و مفاہیم بیان کرنے میں منہجِ سلف کے مطابق ان کی فہم کی روشنی میں شرح فرماتے ہیں، اور محبتِ رسول میں پورے طور پر غرق ہو کر اس جوامع کلم پاک کے "بحر ذخار" میں غواصی کر کے لعل و گہر نکالتے ہیں؛ چوں کہ آپ کسی شخص خاص امام کے مقلد محض نہیں ہیں؛ اس لیے احادیث کے معنی بیان کرنے میں اس کی پاس داری کا دم نہیں بھرتے، جیسا کہ مقلدین شراحِ حدیث کا وطیرہ رہا ہے، خاص طور پر ہندوستانی شراحِ مقلدین کا کہ وہ اپنے ذہن میں پہلے سے چند معانی و مفاہیم کو جاگزیں کیے ہوتے ہیں پھر اسی کی روشنی میں قولِ رسول کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اپنے اصول و قواعد و مذہب کو ثابت کرنے کے لیے شرحِ حدیث کے نام پر اس کی دور از کار تاویلات کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں؛ بل کہ شرحِ حدیث کے نام پر دراصل اپنے مذہب کی تائید اور تقلیدی مذہب

---

(۲) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۹۷۔

کی خدمت ہی مقصود ہوتی ہے، جب کہ اہلِ حدیث شارحین حدیثِ رسول کے فرمودات کی شرح شریعت کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں کلامِ رسول کے اندر کھو کر اور محبتِ رسول میں ڈوب کر سلفِ صالح کے فہم وادراک کے مطابق فقہی جمود سے خالی الذہن ہو کر کرتے ہیں، اور یہی واضح فرق ہے اہلِ حدیث شروحِ حدیث اور تقلید کی پاس داری میں لکھی گئی شروحات کے درمیان؛ کیوں کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص کسی خاص قول ورائے کا پابند ہوتے ہوئے احادیثِ رسول کا معنی ومفہوم اور شرح بیان کرنے میں اپنے مذہب ورائے کی پاس داری نہ کرے إلّا من رحمه الله وقليل ماهم۔[1]

مولانا ادریس کاندھلوی اگر اپنی شرح میں حنفی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھیں تو وہ تقلید کی پاس داری کہلائے اور مولانا عبیداللہ مبارک پوری اپنی شرح میں خاص طور پر اہلِ حدیث نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھیں تو وہ بحرِ محبتِ رسول کی غواصی قرار پائے۔

ان قلم کار صاحب کے پورے مضمون میں جگہ جگہ اس طرح اپنے لیے خودستائی اور دوسروں کے لیے تذلیل وتحقیر کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

دراصل یہ صاحب اور ان کے بعض ہم نوا اسی ذہنیت کی ترجمانی کرتے ہیں جن کے بارے میں مولانا عبیداللہ صاحب مبارک پوری نے محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا:

> ”بنارس کے بعض افراد کی روش نہایت عجیب؛ بل کہ خطرناک ہے آپ کو بھی تجربہ ہو گیا ہوگا، ان سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، افساد ان کا کام ہے، باڑی میں بھی یہ حضرات موجود رہے ہوں گے، یہاں جو کچھ ان سے آپ کے اور ہمارے خلاف دیکھنے اور سننے میں آیا ہے؛ نیز جو کچھ پیش آیا ہو اس کی تفصیل سے مطلع کیجیے“۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ ان جیسے حضرات کی کرم فرمائیاں احناف ہی کے ساتھ مخصوص نہیں

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۸۳۔

(۲) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

رہتیں؛ بل کہ خود ان کے محترم بزرگ شیخ الحدیث صاحب مرحوم جیسے حضرات بھی ان کے ناوک ستم کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

ان قلم کار صاحب نے مقلدین اور بالخصوص احناف پر چوٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص کسی خاص قول ورائے کا پابند ہوتے ہوئے احادیثِ رسول کا معنی ومفہوم اور شرح بیان کرنے میں اپنے مذہب کی پاس داری نہ کرے''۔ (۱)

مگر خود ان کے گھر کا کیا حال ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قنوتِ وتر کا مسئلہ:

عبدالرؤف صاحب ندوی تلسی پور گونڈہ نے مولانا مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا ہے کہ:

''وتر میں دعائے قنوت کب اور کس طرح پڑھنی چاہیے؟ نیز کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ ''اللّٰهم اهدني الخ'' یا ''اللّٰهم إنا نستعينك الخ''''۔

اس کے جواب میں مولانا مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں:

''نمازِ وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے قرأت کے بعد اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دونوں جائز ہے؛ لیکن رکوع سے پہلے اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے، رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں متعدد مرفوع روایتیں آئی ہیں، اور ان میں سے بعض صحیح اور معتبر ہیں، رکوع کے بعد قنوت کے بارے میں صرف ایک مرفوع روایت ''مستدرک حاکم'' اور ''سنن کبریٰ'' میں مروی ہے؛ لیکن اس روایت میں ''إذا رفعت رأسي'' اور ''لم يبق إلا السجود'' کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں؛ اسی لیے شافعیہ نے قنوت بعد الرکوع کے ثبوت کے لیے بعض صحابہ کے آثار اور قنوتِ نازلہ پر قیاس کا سہارا لیا ہے، تفصیل: مرعاۃ ۲/۲۱۳ میں ملاحظہ کی جائے''۔ (۲)

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۸۳۔

(۲) شیخ الحدیث: نمبر ص ۲۳۲۔

اِس جواب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے ثبوت میں متعدد مرفوع روایتیں موجود ہیں، جن میں سے بعض صحیح اور معتبر ہیں، جب کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کے بارے میں صرف ایک مرفوع روایت ہے؛ لیکن اس میں قنوت بعد الرکوع پر دلالت کرنے والے الفاظ محفوظ نہیں ہیں، ایسی صورت میں قنوت قبل الرکوع کی روایت محفوظ اور بعد الرکوع کی روایت شاذ ہوئی۔

اس کے باوجود شیخ الحدیث صاحب عمل کے اعتبار سے دونوں کی گنجائش دے رہے ہیں، اگرچہ قنوت قبل الرکوع کو اولیٰ اور زیادہ بہتر قرار دے رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ بعد الرکوع قنوت کے ثبوت میں کوئی قابلِ استناد روایت موجود نہ ہونے کے باوجود اس کی گنجائش کس بنیاد پر ہے؟

حدیثِ شاذ سے استدلال کرتے ہوئے؟ بعض صحابہ کے آثار کا سہارا لیتے ہوئے؟ یا قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے؟ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس کے بالمقابل قبل الرکوع قنوت پڑھنے کے ثبوت میں صحیح مرفوع اور محفوظ روایت موجود ہے، کیا محفوظ مرفوع حدیث کی موجودگی میں حدیثِ شاذ سے استدلال آپ کے نزدیک درست ہے؟ یا آثارِ صحابہ سے استدلال صحیح ہے؟ یا حدیثِ مرفوع کے بالمقابل قیاس کی گنجائش موجود ہے؟ احناف پر تو اِس قسم کے الزامات لگتے ہی رہتے ہیں۔ آپ سے سوال ہے کہ بعد الرکوع قنوت کی گنجائش جماعتی تعامل کی پاس داری نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ صحیح مرفوع، محفوظ روایت سے ثابت شدہ قنوت قبل الرکوع پر جماعتِ اہلِ حدیث کے کتنے افراد کا عمل ہے؟ اور شاذ روایت پر مبنی قنوت بعد الرکوع پر کتنے لوگ عامل ہیں؟ ہمارے مشاہدہ میں تو اس جماعت کے افراد میں قنوت قبل الرکوع پر عمل کرنے والا کوئی نہیں آیا۔

تورک یا افتراش:

ایک دوسرا مسئلہ ہے دو رکعت والی نماز کے قعدے میں تورک (دونوں پیر دائیں

جانب نکال کر سُرین پر بیٹھنا) یا افتراش (دائیں پیر کی اُنگلیاں قبلہ رُو موڑ کر بائیں پیر پر بیٹھنا) کا، اس سلسلے میں محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ:

> ''تورک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فعلاً صرف دو قعدہ والی نماز میں اور وہ بھی آخری قعدہ میں ثابت ہے، دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں تورک کرنے کے بارے میں کوئی صریح روایت نظر سے نہیں گزری، پس دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں اختیار ہے کہ تورک کیا جائے یا افتراش پر عمل کیا جائے، دونوں جائز ہے''۔ (۱)

مسئلہ صاف ہے کہ دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں تورک کے ثبوت میں کوئی صریح روایت کم از کم مولانا مبارک پوری جیسے وسیع النظر محدث کی نگاہ سے نہیں گزری، اس کے باوجود فیصلہ یہی ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے، یعنی تورک کی بھی گنجائش ہے، یہ گنجائش کس بنیاد پر ہے؟

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اس جماعت کے عام لوگوں کا عمل کیا ہے جو بات محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراف میں کسی صریح روایت سے ثابت نہیں، ٹھیٹھ سنتِ نبوی پر عمل کا دعویٰ کرنے والوں کا اجتماعی عمل اسی پر ہو کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے؟

بیعت وارشاد:

ایک تذکرہ نگار شیخ الحدیث صاحب کے حالات میں زہد وتقویٰ کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

> بات دوہرے معیار کی چل رہی تھی اس سلسلے کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:
>
> ''حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ والد صاحب نے شیخ صاحب کو مدرسہ دیکھنے اور بیعت کے لیے بلایا اور فرمایا کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور مولانا محمد منیر خاں کے انتقال کے بعد آپ ہماری سرپرستی قبول فرمائیں اور جماعت ومدرسہ دونوں کو دیکھیں؛ چناں چہ پروگرام کے مطابق تنہا تشریف لائے، والد صاحب

---

(۱) محدث: ص ۳۳۸۔

نے فوراً قریبی مواضعات میں خبر کر کے سب کو بلالیا، اور سب لوگ آ گئے اور مولانا سے بعد نمازِ عصر بیعتِ توبہ کے لیے اصرار کیا، تو مولانا نے بیعت کی اور توبہ کی تلقین کی"۔ (۱)

ظاہر ہے کہ یہ بیعت نہ بیعتِ اسلام ہے نہ بیعتِ امارت، نہ بیعتِ جہاد، یہ بیعت بیعتِ توبہ ہے، جس میں گناہوں سے توبہ کرا کے معاصی سے اجتناب اور اعمالِ صالحہ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، ہمارے مشائخ کے یہاں اتنا ہی عمل ہے، مولانا کے یہاں بھی یہ بیعت ہے، اور کس اہتمام کے ساتھ ہے کہ بیعت کے لیے دعوت دی گئی مولانا نے اس مقصد کے لیے سفر کیا، پھر قریبی مواضعات سے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا اور بعد عصر مجمع عام میں بیعت لی گئی۔

شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہ بیعت رائج تھی، جیسا کہ ان کی سوانح "الحیاۃ بعد الممات" سے ظاہر ہے۔

اور معاملہ صرف توبہ تک محدود نہیں تھا؛ بل کہ پیر و مرشد کی حیثیت سے اپنے حلقے میں تشریف بری بھی ہوتی تھی۔

مئو کے ایک عالم تحریر فرماتے ہیں:

"شیخ صاحب اہلِ مئو کے لیے پیر و مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، ہر چھوٹی بڑی تقریب میں آپ کی شرکت باعثِ خیر و برکت سمجھی جاتی تھی"۔ (۲)

جس رسالے میں یہ اعترافات ہیں اُسی میں جامعہ سلفیہ کے ایک قلم کار کی نشتر زنی ملاحظہ ہو:

"یقیناً آپ کے یہاں بیعت وسلاسل کا بدعی رواج نہ تھا جو دیگر بعض علماء کے یہاں عوام وخواص پر رعب وداب کو برقرار رکھنے کے لیے رائج ہے"۔

نیز فرماتے ہیں:

"اگر آپ بیعت و پیری مریدی کے سخت مخالف نہ ہوتے اور اپنی شخصیت کے سلسلے

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۹۵۔

(۲) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۳۲۔

میں ادنیٰ سی توقیر و تعظیم کو روا رکھتے تو لوگ بہت کثرت سے مرید ہوتے"۔ (۱)

آپ نے دیکھ ہی لیا کہ مولانا بیعت و پیری مریدی کے کتنے سخت مخالف تھے، ہمیں مولانا مرحوم سے کوئی شکایت نہیں ہے، نہ بیعتِ توبہ بدعت ہے، نہ معتقدین کا خیر و برکت کے لیے ہر چھوٹی بڑی تقریب میں شیخ صاحب کو شرکت کی دعوت دینا کوئی جرم ہے؛ لیکن سوال اس ذہنیت کا ہے کہ وہی عمل اگر دیگر بعض علماء کریں تو وہ بدعی رواج قرار پائے اور عوام وخواص پر رُعب وداب قائم رکھنے کا ہتھکنڈہ بن جائے اور اگر حضرت میاں صاحب یا حضرت شیخ الحدیث صاحب کریں تو سب خیریت ہے۔

کیا رات میں تدفین حرام ہے؟:

شیخ الحدیث نمبر کے صفحہ: ۲۰۹ پر "آہ و استدراک" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، مضمون نگار ہیں ابوظبی امارات کے مولانا عبدالباری فتح اللہ المدنی۔

مضمون کا ابتدائی حصہ "......آہ......" سے شروع ہوتا ہے، جس میں مولانا عبیداللہ صاحب مبارک پوری کے انتقال پر اپنے رنج اور صدمے کا اظہار ہے؛ نیز مولانا مرحوم کے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت، ملاقات اور علمی استفادے کا ذکر ہے، اسی ذیل میں یہ بھی معلوم ہوا کہ مضمون نگار حضرت شیخ الحدیث صاحب کے انتقال کے بعد اس دَور میں امتِ مسلمہ کے اندر علامہ ناصر الدین البانی کو علمِ حدیث کا واحد تاج دار سمجھتے ہیں، ہمیں مضمون کے پہلے جزء سے کوئی بحث نہیں ہے، اس مضمون کا دوسرا حصہ "استدراک" کے عنوان سے لکھا گیا ہے، اس حصے میں مضمون نگار نے اِس بات پر حیرت اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ مولانا مبارک پوری کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا عمل رات میں کیوں کیا گیا، جب کہ بقول مضمون نگار ایسا کرنا حرام ہے۔

چناں چہ مدنی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں امتِ اسلامیہ کی مایۂ ناز ہستیاں اور جماعتِ اہلِ حدیث کے جگر پارے موجود تھے، اس ازدحام میں وہ مفتیان بھی تھے جن کی فتویٰ نویسی

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

پر ہر اہلِ حدیث ہند کو بجا طور پر ناز واعتماد ہے، وہاں پر میرے وہ اساتذہ بھی موجود تھے جن کی علمی وقعت وعظمت بچپن سے آج تک میرے دل پر ثبت ہے، ان سارے حضرات کی موجودگی کے باوصف شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کی نماز رات میں بعد نمازِ مغرب پڑھی گئی اور اس کے بعد اسی وقت آپ کو دفن بھی کیا گیا، جب کہ نمازِ جنازہ اور دفن ایک ساتھ رات میں دونوں کو جمع کرنا حرام ہے، ہاں اگر نمازِ جنازہ دن میں ادا کی جا چکی ہو تو رات میں میت کو دفن کیا جا سکتا ہے؛ چناں چہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

زجر النبي ﷺ أن يقبر الرجل بالليل حتىٰ يصلي عليه إلا أن يضطر إنسان إلىٰ ذٰلك.

یعنی مجبوری نہ ہو تو نبی ﷺ نے میت پر - دن میں - نمازِ جنازہ پڑھے بغیر رات میں دفن کرنے سے سختی سے منع فرمایا، سیرت ابنِ ہشام میں مروی ہے کہ: نبی ﷺ کی نماز منگل کے روز دن میں پڑھی گئی اور آپ کی تدفین بدھ کی رات میں عمل میں آئی۔

ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں جس کا دفن رات کے وقت عمل میں آیا اُس کی کوئی خاص وجہ ضرور تھی، جس کے بہ سبب وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، خواہ بھیڑ بھاڑ کا خوف رہا ہو، یا پھر مدینہ کی گرمی کی شدت کا خوف اور یا تو میت کے جسم کے بگڑنے اور خراب ہونے کا خوف رہا ہو؛ ورنہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس کے علاوہ کا گمان کرے۔

علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (ت ۹۲) سے بھی نقل کی ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۱۰) کا مذہب بھی یہی بتایا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے اور دفن میں مذکورہ بالا مجبوریوں میں سے کسی بھی مجبوری کا دخل نہ تھا۔ (۱)

مذکورہ بالا عبارت کو غور سے پڑھ جائیے مضمون بالکل واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین دونوں عمل کو رات میں جمع کر کے ایک حرام کا

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۱۲۔

ارتکاب کیا گیا اور اس ارتکابِ حرام میں وہ تمام علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور اساتذۂ ذوی الاحترام شامل تھے جو نمازِ جنازہ اور تدفین میں شریک تھے، اور کسی نے بھی اس حرام پر نکیر نہیں کی، اور یہ فتویٰ ایسے قطعی لب و لہجے میں اور بزعم خود مدلل انداز میں صادر کیا گیا ہے، جیسے یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہو کہ رات کے وقت نمازِ جنازہ اور تدفین حرام ہے۔

مدنی صاحب کا یہ استدراک ''شیخ الحدیث نمبر'' میں بغیر کسی نوٹ اور حاشیے کے شائع کیا گیا ہے، مزید باعثِ حیرت یہ ہے کہ ''شیخ الحدیث نمبر'' کے بعد محدث کے متعدد شمارے آ چکے ہیں؛ لیکن جتنے شمارے ہماری نظر سے گزرے اُن میں سے کسی میں استدراک پر کوئی کلام نہیں کیا گیا ہے۔

ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ جامعہ سلفیہ والے مضمون نگار کی رائے سے متفق ہیں اور اجتماعی ارتکابِ حرام کا الزام انہیں قبول ہے یا کسی مصلحت کی بنا پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے؟

لیکن مولانا مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں احناف کی بھی معتد بہ تعداد شریک تھی اور اس عمومی الزام کی زد اُن پر بھی پڑتی ہے؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ نفسِ مسئلہ کا علمی جائزہ لیا جائے۔

کتابوں کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت تدفینِ میت کے جواز پر جمہور سلف وخلف متفق ہیں، کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں ہے، صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور بقول بعض سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بلا ضرورت رات کی تدفین کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ان کا مستدل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو مضمون نگار نے اپنے استدراک میں ذکر کی ہے۔

لیکن جمہور علماء نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیے ہیں؛ مگر جو رائے مضمون نگار نے پیش کی ہے کہ اصل ممانعت نمازِ جنازہ اور تدفین کو رات میں جمع کرنے کی ہے۔ اگر دن میں نمازِ جنازہ ادا کر لی جائے اور دفن رات کے وقت کیا جائے تو یہ ممنوع نہیں اور اسی بنا پر مضمون نگار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ''دن'' کا اضافہ کیا ہے، یہ مسلک متقدمین میں سے کسی کا نہیں ہے؛ چناں چہ شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد

محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''قال النووي: وقد اختلف العلماء في الدفن بالليل، فكرهه الحسن البصري إلا لضرورة، وهٰذا الحديث مما يستدل به، وقال جماهير العلماء من السلف والخلف: لايكره واستدلوا بأن أبابكر الصديق وجماعة من السلف دفنوا ليلا وبحديث المرأة السوداء والرجل الذي كان يقم المسجد فتوفي بالليل فدفنوه ليلا، وسألهم النبي ﷺ، فقالوا: توفي ليلا فدفنّاه في الليل، فقال: ألا! آذنتموني، قالوا: كانت ظلمة، ولم ينكر عليهم. وأجابوا عن هٰذا الحديث إن النهي كان لترك الصلاة أو لقلة المصلين أو عن إساءة الكفن أوعن المجموع''.(۱)

''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے وقت دفن کرنے کے مسئلے میں علماء میں اختلاف ہوا ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے، الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو، اور یہ حدیث (جسے مضمون نگار نے استدلال میں پیش کیا ہے) ان کے مستدلات میں سے ہے جب کہ جمہور علماءِ سلف وخلف کے نزدیک رات کی تدفین مکروہ نہیں ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات میں دفن کیے گئے، اور سلف کی ایک بڑی جماعت کی تدفین رات کے وقت ہوئی اور (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) ایک سیاہ فام عورت رات میں دفن کی گئی، ایک شخص جو مسجدِ نبوی میں صفائی کا کام کرتا تھا رات کے وقت اُس کا انتقال ہوگیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رات ہی میں اُسے دفن کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رات میں اس کا انتقال ہوگیا تو رات ہی میں ہم نے اسے دفن کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع دی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ تاریکی تھی (اس لیے آپ کو زحمت نہیں دی)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں دفن کرنے پر نکیر نہیں فرمائی۔

---

(۱) بذل المجهود: ١٩٤/٤، النووي:٣٦/١.

اور جمہور علماء نے اس حدیث کا (جس سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے) یہ جواب دیا کہ ممانعت نمازِ جنازہ چھوڑ دینے کی وجہ سے تھی، یا اس وجہ سے کہ رات میں نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم ہوگی، یا یہ وجہ تھی کہ کفن اچھا استعمال نہیں کیا گیا تھا، یا ان سب اسباب کی بنا پر ممانعت فرمائی ہو''۔

مضمون نگار نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام احمد بن حنبل، سعید بن مسیب اور ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے؛ لیکن امام احمد بن حنبل اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہما صحیح اور راجح قول کے مطابق جمہور کے ساتھ ہیں۔

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فقہِ حنبلی کی مستند ترین کتاب ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

فأما الدفن بالليل فقال أحمد بن حنبل: ولا بأس بذٰلك، وقال: أبوبكر رضي الله عنه دفن ليلا، وعلي رضي الله عنه دفن فاطمة ليلا، وحديث عائشة رضي الله عنها: كنا سمعنا صوت المساحي من آخر الليل في دفن النبي ﷺ وممن دفن ليلا عثمان وعائشة وابن مسعود رضي الله عنهم ورخص فيه عقبة بن عامر رضي الله عنه، وسعيد بن المسيب وعطاء، والثوري، والشافعي، وإسحٰق، وكرهه الحسن لما روىٰ مسلم في صحيحه: خطب يومًا فذكر رجلاً من أصحابه قبض وكفن في كفن غير طائل ودفن ليلاً فزجر النبي ﷺ أن يقبر الرجل بالليل إلا أن يضطر الإنسان إلىٰ ذٰلك وقد روي عن أحمد إنه قال إليه أذهب.

ولنا ماروى ابن مسعود رضي الله عنه، قال: والله لكأني أسمع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبر ذي البجادين وأبوبكر وعمر وهو يقول ادنيا مني أخاكما حتى أسنده في لحده ثم قال لما فرغ من دفنه وقام علىٰ قبره مستقبل القبلة اللّٰهم إني أمسيت

عنه راضيا فارض عنه، وكان ذلك ليلاً، قال: فوالله لقد رأيتني ولوددت أني مكانه، ولقد أسلمت قبله بخمس عشرة سنة، واخذه من قبل القبلة. (رواه الخلال في جامعه)(۱)

''جہاں تک رات کو دفن کرنے کا مسئلہ ہے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور فرمایا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات میں دفن کیے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات میں دفن کیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ: ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے موقعہ پر رات کے آخری حصے میں پھاوڑوں کی آوازیں سنی تھیں، اور رات میں دفن ہونے والوں میں حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم شامل ہیں، اور رات میں دفن کی اجازت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عطاء سفیان ثوری، امام شافعی اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم نے دی ہے، اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، اُس حدیث کی بنا پر جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک صاحب کا ذکر فرمایا، جن کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کو معمولی درجہ کا کفن دے کر رات مین دفن کر دیا گیا تھا، تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ بلا مجبوری کسی شخص کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ: میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ اور ہماری (یعنی جمہور کی بہ شمول حنابلہ) دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: بخدا! گویا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن رہا ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ذوالبجادین کی قبر میں اُترے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے فرمارہے تھے کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو؛ تاکہ میں انہیں لحد میں ٹیک لگادوں، پھر جب

(۱) المغني لابن قدامة: ۲/۵۵۵، طبع دارالافتاء.

آپ ﷺ ان کے دفن سے فارغ ہو گئے اور ان کی قبر کے پاس قبلہ رُو کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ: اے اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہوں تُو بھی اس سے راضی ہو جا، اور یہ سارا واقعہ رات کے وقت کا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے اندر یہ تمنا محسوس کرنے لگا کہ کاش! ذوالبجادین کی جگہ میں ہوتا؛ حالاں کہ میں ان سے ۱۵ر سال پہلے مسلمان ہو چکا تھا، اور آپ نے ذوالبجادین کی نعش قبلے کی طرف سے قبر میں اتار دی، (جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے) یہ واقعہ خلال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے''۔

اس کے بعد علامہ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی طرف سے مزید دلائل پیش کیے ہیں اور مخالفت والی روایت کی توجیہ و تاویل کی ہے۔

اِس اقتباس سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ رات میں دفن کرنا بلا کراہت درست ہے، اس کے خلاف دوسرا قول مرجوح ہے، اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے صرف جواز کا قول نقل کیا ہے، دوسری کوئی روایت ان سے نقل ہی نہیں کی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الاُمّ'' میں فرماتے ہیں:

ويصلي على الجنائز في أية ساعة من ليل أو نهار، وكذلك يدفن في أية ساعة من ليل أونهار، وقددفنت على عهد رسول الله ﷺ سكينة ليلا فلم ينكر، ودفن أبوبكر الصديق ليلا ودفن المسلمون بعد ليلا.(۱)

نمازِ ''جنازہ رات دن کی جس گھڑی میں چاہیں پڑھی جا سکتی ہے، اسی طرح رات دن میں جس وقت چاہیں میت کو دفن کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مسکین کو رات میں دفن کیا گیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین رات کے وقت ہوئی اور اس کے بعد مسلمانوں کو رات میں دفن کیا گیا''۔

(۱) كتاب الأم:۳٤۷/۱.

خود جماعتِ اہلِ حدیث کے نامور علماء اس مسئلے میں جمہور کے ساتھ ہیں، اور اپنے استدلالات کے ذریعے جمہور علماء کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔(۱)

اور مولانا عبید اللہ مبارک پوری جن کی نمازِ جنازہ اور دفن کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ خود بھی "مرعاة المفاتيح" (۲/۴۸۱) میں اس مسئلے پر مفصل بحث فرمارہے ہیں اور جمہور کی تائید کررہے ہیں۔

ایسی صورت میں اس قطعی لب و لہجے میں رات کی تدفین کو حرام قرار دینا آخر کس بنیاد پر ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ مضمون نگار نے آنکھ بند کر کے علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کی "المحلی" اور شیخ ناصر الدین البانی کی "أحكام الجنائز وبدعها" پر اعتماد کرلیا ہے اور خود اپنی جماعت کے اکابر کی تصانیف سے مراجعت کرنے کی بھی زحمت نہیں اٹھائی؛ چناں چہ مضمون نگار نے اپنے استدراک کے ذیل میں مختلف حواشی کے بعد آخر میں صاف لکھ دیا کہ: "كلها للشيخ الألباني" معلوم ہوا کہ حرمت کا یہ فتویٰ البانی صاحب کی تحقیقات پر مبنی ہے، جو مضمون نگار کے نزدیک اس دَور میں امتِ مسلمہ کے اندر علمِ حدیث کے واحد تاج دار ہیں، اور اس اندھی تقلید کے نتیجے میں عصرِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے جمہور سلف وخلف کو مرتکبِ حرام قرار دے دیا۔

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ البانی کے تفردات اور لغزشوں پر علمی گرفت کی تو اس پر جماعتِ اہلِ حدیث کے ایں قدر و آں قدر اِس قدر چراغ پا ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

چناں چہ اسی شیخ الحدیث نمبر کے صفحہ ۱۸۷ پر جامعہ سلفیہ کے ایک قلم کار مرعاة المفاتیح کی خصوصیات شمار کراتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> "اس شرح کی عظیم خوبی یہ ہے کہ یہ قدیم وجدید علماء ومحدثین سے استفادہ کرنے میں ممتاز ہے؛ چناں چہ آپ اپنے معاصرین سے بھی استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس

---

(۱) تحفة الأحوذي: ٤/١٠٤، عون المعبود: ٨/٤٢٤.

نہیں کرتے، علامہ زماں محدث عصر امام البانی جن کی حدیث شریف میں خدمات کا لوہا دنیا مانتی ہے (قطع نظر اس کے کہ مقلدین احناف و جماعتِ کوثری کو اپنے جمود کے بالمقابل ان کی تحقیقات سے عداوت ہے) اس سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''قال الألباني: سنده ضعيف محمود بن عبد الرحمٰن بن عمرو بن الجموح ترجمه ابن حجر في التعجيل بما يتلخص منه إنه لايعرف''.(۱)

اب دیکھنا یہ ہے کہ احناف کو جمود اور عداوت کا طعنہ دینے والے محدثِ عصر علامہ زماں امام البانی کی تحقیقات کو قبول کرتے ہوئے شیخ الحدیث صاحب کی نمازِ جنازہ کو حرام اور پوری جماعت کے علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور اساتذۂ ذوی الاکرام کو مرتکبِ حرام قرار دیتے ہیں یا ان کی مخالفت کرکے جمود اور عداوت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالتے ہیں۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

صاحبِ استدراک نے اپنے مضمون کے آخر میں بجا طور پر شکایت کی ہے کہ:

''افسوس اب ترکِ سنت؛ بل کہ مخالفتِ سنت میں اہلِ حدیث حضرات بھی دوسروں کے شانہ بہ شانہ چل رہے ہیں، اور عمل بالسنۃ میں ان کے اسلاف کو جو تشخص اور امتیاز حاصل تھا اُس سے یہ لوگ اپنی سستی اور کاہلی سے آہستہ آہستہ دُور ہوتے جا رہے ہیں''۔ (۲)

یہ اعتراف گھر کے ایک فرد کا ہے، شکر ہے کہ آنکھ کھل رہی ہے؛ ورنہ یہاں تو ہر مدعی کو یہی زعم ہے کہ بلا شرکتِ غیرے عمل بالحدیث اور اتباعِ سنت کے ٹھیکے دار ہم ہی ہیں، ویسے اپنے جرم کو ہلکا کرنے کے لیے دوسروں کو بھی اپنے شانہ بہ شانہ لے لینا ایک اچھی تدبیر ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

---

(۱) شیخ الحدیث نمبر: ص ۱۸۷۔
(۲) شیخ الحدیث نمبر: ص ۲۱۲۔

کتابیات

۱	إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري	المكتبة الكبرىٰ الأميرية، مصر ١٣٢٣ھ
۲	إرشاد السالك إلىٰ أشرف المسالك في فقه الإمام مالك	مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي، القاهرة
۳	إرشاد النقاد إلىٰ تيسير الاجتهاد	الدار السلفية، الكويت ١٤٠٥ھ
۴	إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان	مكتبة المعارف، الرياض
۵	احسن الفتاویٰ	ایچ ایم سعید کراچی
۶	أحكام الاضطباع والرمل في الطواف	الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة
۷	اشرف السوانح	مکتبہ تھانوی، دیوبند
۸	إشاعة السنه	مطبع مفید عام، لاہور
۹	اسلامی انسائیکلوپیڈیا	
۱۰	إبقاء المنن بإلقاء المحن	دار الدعوة السلفيه، لاهور
۱۱	اہلِ حدیث امرتسر	امرتسر
۱۲	اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات	جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۹۸۰ء
۱۳	بذل المجهود	دارالكتب العلمية بيروت
۱۴	البحر الرائق شرح كنزالدقائق معه منحة الخالق	دارالكتاب الإسلامي، بيروت
۱۵	البداية والنهاية	دارهجر، مصر ١٩٩٧ء
۱۶	بدور الأهلة من ربط المسائل بالأدلة	مطبع شاہجہانی، بھوپال ۱۲۹۸ھ
۱۷	بہشتی زیور	مقیم بک ڈپو، دہلی
۱۸	تفسير البغوي	دارطيبة، رياض ١٩٩٧ء
۱۹	التاريخ الصغير للبخاري	دارالمعرفة، بيروت
۲۰	التاريخ الكبير للبخاري	دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد
۲۱	تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي	دارالكتب العلمية، بيروت

۲۲	تاريخ الخلفاء	مكتبة نزار مصطفي الباز، مكة
۲۳	تاريخ بغداد وذيوله	دارالكتب العلمية، بيروت
۲۴	التحقيق في بطلان التلفيق	دارالصميعي، الرياض
۲۵	التراويح أكثر من ألف عام في المسجد النبوي	مطبعة المدني، القاهرة
۲۶	تقویۃ الایمان	المكتبة السلفية، لاهور
۲۷	تنبيه الضالين وهداية الصالحين	ہندوستان پریس، لاہور ۱۳۲۵ھ
۲۸	تاریخ دارالعلوم دیوبند	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
۲۹	تذکرۃ الرشید	کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور
۳۰	تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید	کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ۱۹۷۷ء
۳۱	ترجمان الاسلام	جامعہ اسلامیہ، بنارس
۳۲	تاریخ اہلِ حدیث	مکتبہ اسلامیہ، لاہور
۳۳	تجلیاتِ صفدر	مکتبہ امدادیہ، ملتان
۳۴	تراجم علمائے حدیث ہند	مکتبہ اہلِ حدیث، کراچی
۳۵	تذکرہ فدائے ملت	الجمعیۃ بکڈپو، دہلی
۳۶	تعلیم الصلاۃ	مطبع فاروقی، دہلی
۳۷	ترجمانِ وہابیہ	مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۰۰ھ
۳۸	تنظیم اہلِ حدیث	روپڑ، امرتسر
۳۹	تنوير الآفاق في مسئلة الطلاق	صہیب اکیڈمی شیخوپور، پاکستان ۲۰۰۶ء
۴۰	الجرح والتعديل لابن أبي حاتم	دارإحياء التراث العربي، بيروت ۱۹۵۲ء
۴۱	جامع العلوم في اصطلاحات الفنون	دارالكتب العلمية، بيروت ۲۰۰۰ء
۴۲	جوانب من سيرة الإمام عبد العزيز بن باز	دار ابن خزيمة، الرياض
۴۳	جواہر الفقہ	مکتبہ زکریا دیوبند
۴۴	چالیس علمائے اہلِ حدیث	نعمانی کتب خانہ، لاہور
۴۵	حاشية القليوبي على شرح المحلي على منهاج الطالبين للنووي	دارالفكر، بيروت ۱۹۹۵ء
۴۶	الحاوي الكبير للماوردي	دارالكتب العلمية، بيروت ۱۹۹۹ء

۴۷	حیات ابوالمآثر	مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ، مئو
۴۸	الحيات بعد الممات	المكتبة الأثرية، شيخوپوره ١٩٨٤ء
۴۹	دُررالحكام شرح غرر الأحكام	دارإحياءالكتب العربية
۵۰	الدرالمختار مع ردالمحتار	مكتبة زكريا، ديوبند
۵۱	الدرر السنية في الأجوبة النجدية	
۵۲	دیوبندی کتاب "بارہ مسائل بیس لاکھ انعام" کا حقیقت پسندانہ جائزہ	مکتبہ الفہیم، مئو
۵۳	روح المعاني	دارالكتب العلمية، بيروت ١٤١٥ھ
۵۴	رسائلِ اعظمی	زمزم پبلشر، کراچی
۵۵	روپڑی علمائے حدیث	محدث روپڑي اکیڈمي، لاہور
۵۶	الزهد والرقائق لابن المبارك	دارالكتب العلمية بيروت ١٤١٩ھ
۵۷	زادالمستقنع في اختصار المقنع	دارالوطن، الرياض
۵۸	سنن النسائي	المكتبة التجارية، القاهرة
۵۹	سنن الترمذي	مكتبة عيسىٰ البابي الحلبي القاهرة ١٩٧٥ء
۶۰	سنن أبي داوٗد	المكتبة العصرية، بيروت
۶۱	سنن ابن ماجه	دارإحياء الكتب العربية
۶۲	سنن سعيد بن منصور	الدار السلفية، الهند ١٩٨٢ء
۶۳	السنن الكبرىٰ للبيهقي	دارالكتب العلمية، بيروت ٢٠٠٣ء
۶۴	السلسبيل في معرفة الدليل	مكتبة جدة
۶۵	سبل السلام شرح بلوغ المرام	دارالحديث، القاهرة ١٩٩٧ء
۶۶	سياحة الجنان بمناكحة أهل الإيمان	مدرسہ محمدیہ ومسجد، ممبئی
۶۷	سوانح قاسمی	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
۶۸	شرح النووي علىٰ مسلم	دارإحياء التراث العربي، بيروت ١٣٩٢ھ
۶۹	الشرح الكبير على المقنع لابن أبي عمر	دارالكتاب العربي، بيروت
۷۰	الشرح الصغير علىٰ أقرب المسالك إلى الإمام مالك	مكتبة البابي الحلبي، القاهرة
۷۱	شرح العمدة في بيان مناسك الحج والعمرة لابن تيمية	الحرمين، الرياض

۷۲	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب	مکتبہ اسلام لکھنؤ ۱۹۸۲ء
۷۳	شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	سندھ ساگر، لاہور
۷۴	شیخ الحدیث نمبر (ماہنامہ محدث)	جامعہ سلفیہ، بنارس
۷۵	الشيخ ثناء الله الأمرتسري وجهوده الدعوية	جامعة الإمام محمد، الرياض
۷۶	صحيح البخاري	مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه ۲۰۱۱ء
۷۷	صحيح مسلم	مكتبة عيسىٰ البابي الحلبي القاهرة ۱۹۷۵ء
۷۸	صفة صلاة النبي للألباني	مكتبة المعارف، الرياض
۷۹	ضمیر کا بحران	ادارہ الاسلامیہ، بنارس ۱۹۹۷ء
۸۰	طلاقِ ثلاث صحیح ماخذ کی روشنی میں	الجمعیۃ بکڈ پو، دہلی ۲۰۰۱ء
۸۱	عون المعبود	دارالكتب العلمية، بيروت
۸۲	عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد	المطبعة السلفية، القاهرة
۸۳	عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق	دارالقادري، دمشق
۸۴	علوم القرآن	مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۱۵ھ
۸۵	عمدة الأثاث في حكم الطلقات الثلاث	مکتبہ صفدر، گوجراں والہ ۲۰۱۰ء
۸۶	عرف الجادي من جنان هدي الهادي	مطبع صدیقی، بھوپال
۸۷	عبدالحمید رحمانی، ایک عہد، ایک تاریخ	رحمانی اکیڈمی، ممبئی
۸۸	فتح الباري بشرح صحيح البخاري	دارالمعرفة، بيروت ۱۳۷۹ھ
۸۹	فيض الباري على صحيح البخاري	دارالكتب العلمية، بيروت ۲۰۰۵ء
۹۰	فتح القدیر	مکتبہ اتحاد دیوبند
۹۱	الفقيه والمتفقه	دارابن الجوزي، السعودية
۹۲	فیوض الحرمین	مطبع احمدی، دہلی
۹۳	فتاویٰ رحیمیہ	دارالاشاعت، کراچی
۹۴	فضائلِ اعمال	ادارۂ دینیات ممبئی ۲۰۱۲ء
۹۵	فتاویٰ نذیریہ	اہلِ حدیث، اکادمی، لاہور

۹۶	فتاویٰ صراطِ مستقیم	مکتبہ قدوسیہ، لاہور
۹۷	فتاویٰ ستاریہ	مکتبہ ایوبیہ، کراچی
۹۸	قضاء الأرب من ذكر علماء النحو والأدب	
۹۹	كتاب الأم للشافعي	دارالفكر، بيروت
۱۰۰	كتاب الفقه على المذاهب الأربعة	دارالكتب العلمية، بيروت
۱۰۱	كنز الحقائق من فقه خير الخلائق	مطبع شوکت الاسلام، بنگلور ۱۳۳۲ھ
۱۰۲	موطأ الإمام مالك	مؤسسة زايد بن سلطان، أبوظبي ٢٠٠٤ء
۱۰۳	موطأ محمد	المكتبة العلمية، بحرين
۱۰۴	مسند أحمد	مكتبة الرسالة
۱۰۵	المستدرك للحاكم	دارالكتب العلمية، بيروت
۱۰۶	المصنف لابن أبي شيبة	مكتبة الرشد، الرياض ١٩٨٩ء
۱۰۷	المعجم الكبير للطبراني	مكتبة ابن تيمية، القاهرة
۱۰۸	مصنف عبدالرزاق	دارالتأصيل، القاهرة ١٤٣٧هـ
۱۰۹	مسند البزار	مكتبة العلوم والحكم، المدينة ٢٠٠٩ء
۱۱۰	مسندحميدي	مجلسِ علمی، ڈابھیل ۱۹۶۲ء
۱۱۱	مسند أبي داؤد الطيالسي	دارهجر، مصر ١٩٩٩ء
۱۱۲	مراسيل أبي داؤد	مؤسسة الرسالة، بيروت
۱۱۳	مناهل العرفان في علوم القرآن	مكتبة عيسى البابي الحلبي، الطبعة الثالثة
۱۱۴	معرفة علوم الحديث للحاكم	دارالكتب العلمية، بيروت ١٩٧٧ء
۱۱۵	معرفة السنن والآثار	جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي
۱۱۶	مختصر المؤمل في الرد إلى الأمر الأول	الصحوة الإسلامية، الكويت ١٤٠٣هـ
۱۱۷	منية المصلي وغنية المبتدي	دارالقلم، دمشق ٢٠٠٧ء
۱۱۸	المغني لابن قدامة	دارعالم الكتب، الرياض
۱۱۹	الموسوعة الفقهية الكويتية	دارالسلاسل، الكويت
۱۲۰	المحلي بالآثار لابن حزم	دارالفكر بيروت

۱۲۱	المجموعة للقواعد الفقهية	مكتبة البشرىٰ، كراتشي
۱۲۲	موسوعة القواعد الفقهية للغزي	مؤسسة الرسالة، بيروت ٢٠٠٣ء
۱۲۳	مغيث الخلق	المطبعة المصرية
۱۲۴	الملل والنحل للشهرستاني	مؤسسة الحلبي، القاهرة ١٩٦٨ھ
۱۲۵	مجموع فتاوىٰ ابن تيمية	مجمع الملك فهد، المدينة المنورة
۱۲۶	مجموع فتاوىٰ ورسائل العثيمين	دارالوطن، الرياض
۱۲۷	مجلة البحوث الإسلامية	الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية
۱۲۸	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند	دارالعلوم دیوبند
۱۲۹	مقالاتِ نعمانی	دارالمعارف النعمانیہ، دیوبند-بنارس
۱۳۰	مسجد نبوی ﷺ میں تراویح عہد بہ عہد	مکتبہ ضیاء الکتب، اعظم گڑھ
۱۳۱	ماہنامہ محدث	جامعہ سلفیہ، بنارس
۱۳۲	مجموعہ مقالات وفتاویٰ	دارابی الطیب، گوجراں والہ
۱۳۳	مظالم روپڑی برمظلوم امرتسری	ثنائی برقی پریس، امرتسر
۱۳۴	مولانا عبدالسلام رحمانی	مرکز تاریخ اہلِ حدیث، انڈیا
۱۳۵	مولانا محمد اسلم جیراج پوری، حیات وخدمات	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا
۱۳۶	میکالے اور برصغیر کا نظامِ تعلیم	آئینۂ ادب، لاہور
۱۳۷	النهاية في شرح الهداية للسغناقي	مركز الدراسات الإسلامية، مكه ١٤٣٨ھ
۱۳۸	نفائس الأصول في شرح المحصول	مكتبة نزاد مصطفىٰ الباز
۱۳۹	نزل الأبرار من فقه النبي المختار	سعید المطابع، بنارس ۱۳۲۸ھ
۱۴۰	نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر	دار ابن حزم، بيروت ١٩٩٩ء
۱۴۱	نظام الاسلام	ہندوستان پریس، لاہور ۱۳۲۵ھ
۱۴۲	الهداية شرح بداية المبتدي	مکتبہ اشرفیہ، دیوبند
۱۴۳	ہدیۃ المہدي	مطبع فاروقی، دہلی ۱۳۲۷ھ

DAR AL-MA'ARIF AL-NOMANIA